عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کے بانی و امیر اول کی سوانح حیات و خطبات کا مجموعہ

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

سوانح و افکار

ترتیب و تبویب

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

ناشر

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
حضوری باغ روڈ، ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

امیر شریعتؒ کے رفقاء گرامی

تحریک ختم نبوت 1953ء کے شہداء

شاہ جیؒ کے خاندان

اور ان کی روایات کی امین

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

کے قائدین مبلغین

اور کارکنوں کے نام

ما كان محمد
ابا احد من رجالكم
ولكن رسول الله وخاتم النبيين
هادی
لا نبی
بعدی

فہرست مضامین

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ......سوانح وافکار

باب دوم: پاکستان اور شاہ جیؒ

باب ہفتم: منظوم خراجِ تحسین

باب ہشتم: مکتوبات

باب نہم: شاہ جیؒ کی شاعری

1934ء میں قادیان کانفرنس سے خطاب

☆...... امیر شریعتؒ نے فرمایا

فرعونی تخت اُلٹا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ یہ تخت نہیں رہے گا۔

وہ نبی کا بیٹا ہے میں نبی کا نواسہ ہوں وہ آئے تم سب چپ چاپ بیٹھ جاؤ وہ مجھ سے اُردو، فارسی، پنجابی میں ہر معاملے پر بحث کرے یہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائے گا۔

وہ پردے سے باہر آئے نقاب اٹھائے، کشتی لڑے، آل علی کے جوہر دیکھے، وہ ہر رنگ میں آئے وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے میں ننگے پاؤں آؤں۔

وہ ریشم پہن کر آئے میں کھدر کا کرتہ۔

وہ زعفران، کباب، یاقوتیاں، اور پلومر کی ٹانک وائن (شراب) اپنے ابا کی سنت کے مطابق کھا کر آئے۔ میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آؤں یہ ہمارا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ برطانیہ کے دم بریدہ کتے ہیں۔

وہ خوشامد میں برطانیہ کے بوٹ کی نوک صاف کرتا ہے۔ میں تکبر سے نہیں کہتا خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو اور بشیر کے اور میرے ہاتھ دیکھو۔

میں کہتا ہوں اب بھی ہوش میں آؤ تمہاری طاقت اتنی بھی نہیں جتنی پیشاب کی جھاگ ہوتی ہے۔ اور مسیح کی بھیڑ و تم سے کسی کا ٹکراؤ نہیں ہوا۔ جس سے اب مقابلہ پڑا ہے وہ مجلس احرار ہے۔

✿✿✿✿......✿✿✿✿

میرا عقیدہ

قرآن کی محبت اور انگریز سے نفرت

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے اپنے قلم سے

میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں نے میرے ان دو جذبوں میں بلا کی شدت اور حرارت پیدا کر دی ہے۔ محبت اور نفرت کے یہ دو زاویے ایسے ہیں کہ جن دماغوں میں ان کا سودا ہو۔ پابہ زنجیر ہندوستان میں جیل خانہ۔ زندگی کے سفر کا ایک ایسا موڑ ہے جہاں کبھی طلب کے خیال سے رُکنا پڑتا ہے۔ کبھی فرض کی کشاکش لے آتی ہے۔ اور کبھی جستجوئے منزل کا تقاضا پہنچا دیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اب جیل خانے کی ''آبرو'' پر بوالہوسوں نے پیش دستی شروع کی ہوئی ہے اور ؎

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

لیکن ۱۹۲۲ء کی تحریک خلافت کے زمانہ قید طلب پر غور کرتا ہوں۔ تو نگاہوں میں ایک تصویر سی کھنچ جاتی ہے۔ میانوالی ڈسٹرکٹ جیل میں احباب کی ایک یادگار بزم سب اہل ذوق، اہل نظر، اہل دل اور اہل علم جمع تھے۔ مولانا احمد سعید دہلویؒ حدیث پڑھایا کرتے تھے۔[1] مولوی ضیاء اللہ کی نپی تلی باتیں گفتگو میں رس پیدا کرتیں۔ صوفی اقبال پانی پتی کے اشتملے خدا کی پناہ؟ عبداللہ چوڑی والے کی ٹکسالی گالیاں تبرک کی طرح تقسیم ہوتیں۔ اور آصف علی کھلتے تو پھولوں کے تختے بچھ جاتے۔ جی خوش کرنے کے لئے مشاعروں کا بھی اہتمام ہوتا۔ شاعر طرحی و غیر طرحی کلام سناتے۔ کبھی سالک صدر ہوتا اور کبھی آصف اور کبھی ؎

---

[1] مولانا احمد سعید دہلویؒ جمعیت علماء ہند کے ناظم اعلیٰ اور آزادیٔ ہند کی تحریک کے صفِ اول کے قائدین میں شمار تھے۔ کشف الرحمٰن کے نام سے قرآن پاک کی دو جلدوں میں ضخیم کتاب لکھی۔ چوٹی کے خطباء میں شمار تھا۔

فرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

اختر علی خاں نے ایک دفعہ معرکہ کی غزل سنائی سب لوٹ پوٹ ہو گئے۔ میرا ماتھا ٹھنکا، کچھ یاد سا آ گیا۔ میں نے اختر سے کہا۔[1] میاں مقطع کہو۔ وہ کسی قدر جھینپا۔ میں نے کہا۔ تو لو پھر مجھ سے سنو۔ مقطع تھا

جو مے کشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو
امیر مسجد جامع میں آج امام نہیں

سب ششدر رہ گئے۔ ارے امیر مینائی کی غزل اُڑا لی۔ سوالات کی ایک بوچھاڑ ہونے لگی۔ اختر علی خاں مقطع کے ساتھ ہی بزم سے غائب ہو گئے دو دن روٹھے رہے۔ تیسرے دن بمشکل راضی کیا گیا...... امیر مینائی کا دیوان ان کے تکئے کے نیچے پڑا تھا۔ میں نے اٹھایا تو غزل کا صفحہ ہی پھٹا ہوا تھا۔ جب طبیعت ذرا اور شگفتہ ہوتی۔ تو مولانا ڈھولک بجاتے۔ صوفی مرحوم تالی پیٹتا داؤد غزنوی حال کھیلتے۔[2] کبھی اختر گاتا، کبھی سالک، کبھی تینوں وہ رنگ بندھتا کہ در و دیوار جھومتے۔ اور کائنات بھی جھک کر گوش بر آواز ہو جاتی۔

اب کہاں لیکن وہ رنگا رنگ بزم آرائیاں
یعنی سب نقش و نگار طاقِ نسیاں ہو گئیں

ہم میں سے کوئی رہا ہوتا۔ تو سب بچوں کی طرح روتے بلکتے۔ اور بادلِ ناخواستہ الوداع کہتے۔ مولانا احمد سعید رہا ہونے لگے تو ان کی گھگی بندھ گئی۔ آنسوؤں کے تاروں سے نغمۂ جدائی پھوٹ رہا تھا۔

[1] اختر علی خاں روزنامہ "زمیندار" اور مولانا ظفر علی خاں کے فرزند ارجمند تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مردانہ وار حصہ لیا۔ اور مرکزی مجلس عمل کے اراکین میں سے تھے۔

[2] مولانا داؤد غزنوی اہلحدیث مکتب فکر کے معتدل علماء میں سے تھے۔ مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت کی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ شاہ جیؒ کے جیل اور ریل کے ساتھی تھے۔ بلکہ شاہ جیؒ [illegible] تم میں [illegible] مرحوم ہی تھے۔

اس قید کے علاوہ اور بھی کئی دفعہ قید ہوئے لیکن وہ رنگ کبھی پیدا نہ ہوا۔ پنجاب کی تقریباً سب جیلیں دیکھی بھالی ہیں۔ لیکن ۱۹۳۰ء میں ڈم ڈم جیل ڈھاکہ کی زیارت بھی ہوگئی۔ وہاں افسروں سے ایسی ٹھنی کہ رہائی تک اکھاڑہ جما رہا۔ دوست زندانی مصائب سناتے لذت محسوس کرتے ہیں اور میں عیب، یہ اپنا اپنا زاویہ نظر ہے۔ میں ان مصیبتوں کو رسوا کرنے کا عادی نہیں۔ میرے لئے جیل خانہ صرف نقل مکانی ہے۔ اپنے گردوپیش باغ و بہار فراہم کر لیتا ہوں اور قید یوں گزر جاتی ہے۔ جیسے صحراؤں سے بادل۔

ایک شب جیل خانہ میں سورۂ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا۔ چودھویں رات کا چاند آسمان پر جگمگا رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ قرأت کی تاثیر میں ڈوب کر ٹھہر گیا ہے۔ ایک گھنٹہ اسی تلاوت میں گزر گیا۔ اتنے میں پنڈت رام جی لال سپرنٹنڈنٹ جیل نے پکارا دیکھا تو وہ کھڑا ہے۔ اور رخسار اس کے آنسوؤں سے تر ہیں کہنے لگا۔ شاہ جیؒ! خدا کے لئے بس کرو۔ میرا دل اب قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ اب مجھ میں رونے کی سکت نہیں۔ اللہ اللہ یہ قرآن کی محبت کا اعجاز تھا۔

ایک دن گورنمنٹ انڈیا کا برطانوی نژاد ہوم ممبر معائنہ کے لئے آ پہنچا۔ میں بیٹھا ہوا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "کہئے شاہ جیؒ آپ اچھے ہیں۔" میں نے کہا "خدا کا شکر ہے"۔ دوبارہ پوچھا۔ "کوئی سوال"؟ "میں صرف اللہ سے سوال کیا کرتا ہوں۔" یہ میرا جواب تھا۔ وہ فوراً بولا "نہیں میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں؟"۔ "جی ہاں! آپ میرا ملک چھوڑ کر تشریف لے جائیے!" "فوراً" پلٹ گیا۔ اس واقعہ کو ۲۵ برس گزر گئے ہیں اور ربع صدی کے بعد انگریز خود کہہ رہا ہے کہ وہ جا رہا ہے۔ وہ جب یہاں رہنے پر مصر تھا۔ تو ہندوستان جیل خانہ تھا۔ اب وہ جانے کا اعلان کر رہا ہے۔ تو ہندوستان آتش کدہ ہے۔ ؎

"کہ ہم نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں۔"

میرے عقیدے میں اب دو چیزیں ہیں۔

قرآن کی محبت اور انگریز سے نفرت

(لولاک ۲۱ راگست ۱۹۶۴ء)

امرتسر میں شاہ جیؒ کا خطاب

بعض ناعاقبت اندیش لوگ کہتے ہیں کہ مرزائیت کے ساتھ ہمارے شیعہ سنی اور وہابی کی طرح کے فروعی اختلافات ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ ان (انگریزوں) کے لئے اپنے خود کاشتہ پودے کی مخالفت ناقابل برداشت ہے۔ ہم انشاء اللہ اس پودے کو جڑ سے اُکھاڑ کر رہیں گے۔

مرزائیت کے وجود میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ تیرہ سو سال سے عیسائیت کے جگر میں ایک کانٹا تھا۔ کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحدت ملی یا مرکزیت عطاء ہوئی تھی یہ دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ تھی۔ عیسائیت چاہتی تھی کہ اسلام کی وحدت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس (وحدت) کی بربادی کے لئے پنجاب سے مرزا قادیانی کو کھڑا کیا گیا۔ اس نے ایڑی چوٹی کا زور وحدت ملی کو تباہ کرنے میں لگایا۔ یہ اختلافات فروعی ہیں؟ کہ نبی کے مقابلہ میں نبی کھڑا کر دیا گیا ہے۔

اور مدینۃ النبی کے مقابلہ میں مدینۃ المسیح

اور جنت البقیع کے مقابلہ میں بہشتی مقبرہ بنایا گیا ہے۔

میرا جرم یہ ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں۔

اس جرم میں یہ سزا (۲ سال) بالکل کم ہے۔ میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر ایسی ہزار جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہوں مجھے شیروں اور چیتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا جائے۔ اور پھر کہا جائے کہ تمہیں بجرم عشق محمدؐ یہ سزا دی جا رہی ہے۔ تو میں خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول کروں گا۔ میرا آٹھ سالہ بچہ عطاء المنعمؒ اور اس جیسے ہزاروں بچے خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر نچھاور کر دوں گا۔

(۲۴ اپریل ۱۹۳۵ء حیات امیر شریعت ص ۱۸۲، ۱۸۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الامیر

نظام قدرت کے تحت خاکی انسان طفولیت سے کہولت تک زندگی کے مختلف ادوار سے گذرتا اور نشیب و فراز کے سفر طے کرتا ہوا بالآخر پیوند خاک ہو جاتا ہے۔ اسے قبر میں اتارنے کے بعد اس کے اعزہ و اقارب دل ہی دل میں اس کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے بعض ایسے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان ماخوذ نتائج کو زبان پر لانا ممکن نہیں ہوتا۔ یوں سمجھئے کہ بعض انسان نوے سو برس کی زندگی گزار جاتے ہیں لیکن ان کی زندگی کا پہیہ چونکہ انہی کی ذات کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ لہٰذا ان کے بارے میں کہنے کے لئے کسی کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عمر کے اعتبار سے کافی بڑے مگر شخصیت و کردار کے اعتبار سے کافی چھوٹے ہوتے ہیں "جمہوریت" یعنی عددی اکثریت انہی کو حاصل رہی ہے۔

ادھر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عمر تو ان کی بھی سو پچاس سال ہی ہوتی ہے لیکن ان کے فکر و نظر، علم و فن اور افکار و کردار کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ وہ چلتے زمین پر ہیں لیکن ان کے قدم آسمان پر پڑتے ہیں۔

ان کا خورد و نوش عام انسانوں جیسا ہوتا ہے لیکن ان کے چرچے ملائکہ کی صفوں میں ہوتے ہیں، ظاہری جسامت اور قد و قامت میں وہ عام انسانوں کی طرح ہی ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا قد اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ ان کی دستار کے بل گننے کے لئے بڑے بڑوں کو ایڑیاں اٹھا کر اوپر دیکھنا پڑتا ہے۔ دنیا کے محلات میں ان کی رسائی نہ بھی ہو تب بھی محلات میں بسنے والی مخلوق ان کے نام سے خائف رہتی ہے اور عوام کا ایک ہجوم ان کے نام سے خون میں

حدت محسوس کرتا اور ان کے نشیمن کے طواف سے دل میں ٹھنڈک سی محسوس کرتا ہے۔ اور اپنی باقی مخلوقات کے دل میں اپنے ان بندوں کی محبت یوں ڈالتا ہے کہ نکالنے سے نکلتی نہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ قَالَ لِجِبْرِيْلَ اِنِّي اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ وَيُنَادِيْ جِبْرِيْلُ فِيْ اَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يَضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِي الْاَرْضِ ٥ (رواہ الترمذی)

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبریلؑ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ بے شک مجھے فلاں بندے سے محبت ہوگئی ہے اے جبریل تم بھی ان سے محبت کرو، پس جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبریل آسمانی مخلوقات میں منادی کرتے ہیں کہ بے شک اللہ کو اپنے فلاں بندے سے محبت ہوگئی ہے اے آسمان والو تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ تمام آسمانی مخلوقات اس بندے سے محبت کرنے لگتی ہیں۔ پھر اس بندے کی محبت، زمین کی مخلوقات کے قلوب میں ڈال دی جاتی ہے"۔

اس حدیث مبارکہ کو قانون بنا کر ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے سب سے زیادہ محبت اپنے آخری رسول سرتاج انبیاء امام الانبیاء ﷺ کو عطا فرمائی۔ آپ کے بعد درجہ بدرجہ صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ حدیث وفقہ اور صوفیاء کرام سے لوگ حد درجہ محبت کرتے رہے۔ انہیں شخصیات میں سے ایک اہم ترین شخصیت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ہے جن سے دنیا محبت کرتی ہے۔ جنہوں نے تاجدار ختم نبوت کے پرچم ختم نبوت کو بلند کیا اور اپنی حیات ناپائیدار کے ۵۰ سال حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اعداء وحاسدین، فرنگیوں اور افرنگ کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام قادیانی کے جھوٹے مذہب کی مخالفت میں گذار دیئے اور اس کو جڑ و بن اکھاڑنے میں صرف کر دیئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا نے اس شخص سے ٹوٹ کر محبت کی، انہیں امیر شریعت جیسے معزز و محترم لقب سے نوازا اور آج انہیں دنیا سے رخصت ہوئے نصف صدی بیتنے والی ہے

ان کی یادیں آج بھی تازہ ہیں، اور زمانہ مزید طلب محسوس کرتا ہے کہ ان یادوں کو آنے والی نسلوں تک منتقل کیا جائے۔

چنانچہ زیر نظر کتاب اسی فکر کا ثمر ہے۔ شاہ جی پر بہت کچھ لکھا گیا۔ اور بہت کچھ لکھا جائے گا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغ و ناظم تبلیغ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے حضرت امیر شریعتؒ کی زندگی مبارک کے مختلف گوشوں پر قلم اٹھایا ہے۔ اور ایک مرتبہ پھر نئی نسل کو شاہ جیؒ کی خدمات سے روشناس کرانے کی کوشش ہے۔

زیر نظر کتاب میں بہت سے متفرق گوشے سامنے آ رہے ہیں۔ جو آنے والی نسل کے لئے یقیناً راہنمائی کا باعث ہوں گے۔

میری دُعا ہے کہ اللہ پاک عزیز محترم مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبولیت عامہ نصیب فرما کر خدام ختم نبوت کے لئے مشعل راہ بنائے۔

فقیر خان محمد عفی عنہ

(مرکزی امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت)

خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف

نقاب کشائی

حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ دامت برکاتہم
(شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)

خطیب العصر سالار احرار امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے چہرۂ انور کے دیدار کی پہلی مرتبہ سعادت عمدۃ العارفین الحاج سید مہربان شاہ بخاریؒ کے سالانہ اجتماع میں نصیب ہوئی، جو سالانہ عرس کے نام سے خانقاہ قادریہ مہربانیہ اکوڑہ خٹک میں منعقد کرتے تھے۔ حضرت امیر شریعتؒ نے تین گھنٹے مسلسل ختم نبوت کے موضوع پر آیات و احادیث کی روشنی میں نادرِ روزگار خطاب سے عظیم الشان اجتماع کو مسحور کر دیا تھا، جس میں صوبہ سرحد کے جید، ممتاز اکابر، مشائخ، علماء اور دانشور حضرات موجود تھے۔

حضرت شاہ جیؒ نے مقررہ تاریخ پر اپنے قدوم میمنت لزوم سے اہالیانِ سرحد کو نوازا۔ اشتہارات اور اخبارات کے ذریعے حضرت شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری کی خوشخبریاں پہلے سے شائع ہوگئی تھیں۔ مقررہ اجتماع میں لاکھوں فرزندانِ توحید نے شرکت فرمائی۔ بندہ بھی اکوڑہ خٹک ریلوے سٹیشن پر اپنے بڑوں کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے استقبال کے لئے حاضر ہوا تھا۔ ریلوے سٹیشن میں بے پناہ ہجوم تھا۔ مجلس احرار اسلام کے کافی رضاکار اپنے مخصوص لباس میں پورے نظم و ضبط کے ساتھ محوِ انتظار تھے۔ میرے والد بزرگوار حضرت مولانا سید قدرت شاہ صاحبؒ بھی مجلس احرار اسلام کے سرگرم رکن تھے۔ ایک عجیب منظر تھا، دور سے ٹرین نے وسل دیا۔ کچھ علماء کرام اور معتقدین حضرت شاہ جیؒ کے استقبال کے

لئے راولپنڈی چلے گئے تھے۔ وہ دور سے دروازہ میں اپنے رومال ہلا رہے تھے۔ پتہ چلا کہ شاہ صاحبؒ اسی بوگی میں ہیں۔ پھر سٹیشن سے لے کر جلسہ گاہ تک حضرت شاہ صاحبؒ کو ایک فقید المثال جلوس میں لایا گیا۔ تمام راستے میں نعرہائے تکبیر، مجلس احرار اسلام زندہ باد، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد، تاج وتختِ ختم نبوت زندہ باد، اور قادیانیت، مرزائیت مردہ باد کے فلک شگاف نعروں سے اکوڑہ خٹک کے راستے اور درودیوار گونج رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر رات 12 بجے شروع ہوئی اور ٹھیک 3 بجے سحری کے وقت پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ اللہ اکبر، سامعین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی عرش معلیٰ سے یہ آیتیں نازل ہو رہی ہیں۔

دوسرے سال جب دوبارہ حضرت شاہ جیؒ کی تشریف آوری کی بشارتیں نشر ہوئیں، تو سرحد کے دور دراز علاقوں سے شیدایانِ اسلام پروانوں کی طرح اجتماع کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ جیؒ جب سٹیج پر رونق افروز ہوئے، تو اس وقت سرحد کے ایک نادرۂ روزگار خطیب پروفیسر مولانا ادریس صاحبؒ تصوف اور سلوک کے موضوع پر پشتو زبان میں پوری فصاحت، بلاغت اور سلاست کے ساتھ تقریر فرما رہے تھے، جو اپنے دور کے عظیم محقق اور مسلّم الثبوت سکالر تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان کی تقریر کو پورے غوروخوض سے سن رہے تھے، ان کی تقریر کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر کا اعلان کیا گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ پر ایک وجدانی کیفیت طاری تھی۔ حددرجہ بشاشت وانشراح کے ساتھ خطبہ شروع فرمایا۔ خطبہ میں پورے دس منٹ صَرف ہوئے۔ سب لوگ رو رہے تھے۔ میرے کانوں نے آج تک کسی بڑے سے بڑے خطیب کا ایسا دلکش، جاذبِ قلب وجگر خطبہ نہیں سنا۔

دشمن کے مقابلے میں تیار رہنے کا حکم

دوسرے دن عصر کی نماز کے بعد حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ دریائے کابل کے کنارے تشریف لے گئے، جو اکوڑہ خٹک کے شمال میں واقع ہے۔ کافی علماء اور مجلس احرار کے رضاکاروں کا ہجوم تھا۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ پر پستول کی کاٹی دیکھ کر ایک عالم نے

حضرت شاہ جیؒ سے استفسار کیا کہ حضرت آپ اس دفعہ پستول لے آئے ہیں۔ فرمایا:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ○

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان دشمنانِ اسلام کے دھمکانے اور ڈرانے کے لئے ہر قسم کا اسلحہ اور قوت مہیا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے قوت کی تفسیر میں فرمایا "الا انّ القُوَّةَ الرَّمْیُ" الرمی کا اتنا جامع و مانع ہے کہ اس میں اسلحہ کی تمام اقسام داخل ہیں۔ تیراندازی سے لے کر پستول، بندوق، ٹینک، جنگی جہازوں کی بمباری اور جدید سے جدید جنگی آلات اس میں شامل ہیں۔ ترھبون، ارھاب سے ہے۔ ارھاب کا معنیٰ ڈرانا، بِدکانا، چِڑکانا، ٹِکانا ہے پھر شاہ صاحبؒ نے اس میں کافی تفصیل فرمائی۔ ارھاب کے معنی اردو اور پنجابی میں بیان کئے پھر ہم سے پوچھنے لگے کہ ارھاب کے معنی پشتو زبان میں کیسے کریں گے؟ شاہ صاحبؒ کی عادت تھی کہ ایک کلمہ کی تحقیق میں مختلف زبانوں کے ترجمے فرمایا کرتے تھے۔

"لا لنفی الجنس" کا مسئلہ

ایک دفعہ "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کی تشریح میں فرمانے لگے، "لَا لِنَفِی الْجِنْسِ" ہے۔ یہ جب کسی کلمے پر داخل ہو جاتا ہے، تو اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتا ہے۔ "لا رجل فی الدار" کا معنیٰ ہے گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ **"گھر وچ کوئی جڑانئ ھیگا، درخانه هیچ مرد نیست"** پوچھا پشتو میں کیا معنی کریں گے۔ ایک عالم نے جواب دیا **"کورکښ څوک سړے نشته"** پھر فرمانے لگے کہ ایک دفعہ ایک بھکاری نے ایک گھر کے دروازے میں کھڑے ہو کر آواز دی کہ اللہ تمہارا بھلا کرے، میں مسافر بھوکا ہوں، مجھے کچھ دال بھاجی دے دو، تو گھر کے اندر سے ایک آدمی نے جواب دیا کہ سائیں جی، گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے، تو فقیر نے کہا کہ بھائی آپ دو منٹ کے لئے آدمی بن کر مجھے روٹی لا دیں۔ کیا آپ خسرے اور ہیجڑے ہیں؟ فرمایا کہ اے علماء کرام! لا کا کلمہ مجھ سے سیکھو۔ دیگر مسائل میں آپ حضرات سے سیکھوں گا، میں نے لا میں تخصص کیا ہے۔ میں نے مسئلہ ختم نبوت کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ ختم نبوت کے منکر قادیانیوں کو برٹش سامراج کی پشت پناہی حاصل ہے۔ یہ فتنہ پوری قوت کے

ساتھ پھیل رہا ہے۔ اگر علماء و مشائخ نے ذرا بھر بھی تکاسل و تغافل سے کام لیا تو لاکھوں فرزندانِ توحید کو یہ قادیانی فتنہ اپنے ارتدادی سیلاب میں بہالے جائے گا۔ [1]

امیر شریعتؒ کا عربی خطبہ تقریر

دار العلوم حقانیہ، جو پاکستان کے بڑے اہم اسلامی مراکز میں ایک امتیازی، دینی اور علمی ادارہ ہے۔ اس کے بانی و مہتمم حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر حضرت امیر شریعتؒ کئی بار دار العلوم حقانیہ کے سالانہ جلسہ ہائے دستار بندی میں تشریف لائے تھے۔ ایک بار حضرت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تقریر فرما رہے تھے۔ اچانک بجلی فیل ہوگئی۔ سٹیج پر بڑے بڑے علماء اور مشائخ جلوہ افروز تھے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ، ضیغم اسلام، شیر سرحد حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ اور دیگر بے شمار علماء موجود تھے۔ حضرت مولانا لاہوریؒ کرسی سے اترے اور حضرت شاہ جیؒ کو کرسی پر بٹھایا۔ شاہ جیؒ نے اپنے خصوصی انداز میں خطبہ شروع کیا۔ شاہ جیؒ کو رب العالمین جل جلالہٗ نے آوازِ داؤدی سے نوازا تھا۔ وہ ایک عجیب، دلکش روح پرور اور نرالے انداز میں خطبہ پڑھتے تھے۔ قرآن مجید کی آیت بھی قرأت و تجوید اور خوش آوازی سے تلاوت فرمایا کرتے تھے:

میرؔ جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

حضرات ! آج ہماری جماعت مجلس احرار اسلام مسئلہ ختم نبوت کے تحفظ میں لگی ہوئی ہے۔ فتنہ مرزائیت اور قادیانیت کے دجل و فریب اور دسیسہ کاریوں کی دھجیاں اڑانے کے درپے ہوگئی ہے۔ بہت دنوں سے مسئلہ ترجیح میں پھنسا ہوا ہوں۔ ترجیح کے معنی کسی ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت اور فوقیت دینے کے ہیں۔ اس پر آشوب دور میں ترجیح کے قابل وہ مسئلہ ہے، جس پر ہماری جماعت احرار اسلام مصروف عمل ہے۔ میں دینی مدارس و معابد

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ہذا کا ص 330 تا ص 332

دار العلوموں اور مذہبی تبلیغ کی ضرورت و اہمیت کا منکر نہیں۔ مگر ان تمام شعبوں کا بنیادی مسئلہ، تحفظ ختم نبوت کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ تبلیغ کا پہلا اور سب سے اہم شعبہ ہے۔ جس کا انکار قرآن و حدیث کے انکار اور بیخ کنی کے مترادف ہے۔

علماء صوفیاء اور مشائخ کو انتباہ

ختم نبوت کے اسی اساسی عقیدہ میں اگر ذرّہ بھر بھی فرق آ جائے تو ایمان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ میں دار العلوم حقانیہ کے اس عظیم الشان، فقید المثال اجتماع میں علماء و مشائخ کے سامنے اپنے رنج و غم اور دکھ و درد کا بھرا ہوا پیغام سنانے آیا ہوں۔ فیضی کا شعر جو بچپن سے یاد ہے، بے دریغ زبان پر آیا:

یا با خبری از خود و از ہر دو جہان
یا بے خبری از خود و از ہر دو جہاں

ان کنت لا تدری فتلک مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

محترم علماء کرام، معزز مشائخ عظام، گدی نشین حضرات! آپ کو کیا خبر؟ قادیانیت و مرزائیت کا خطرناک فتنہ کتنی تیزی اور قوت و اشتعال کے ساتھ ہمارے پاکستان میں پھیل رہا ہے۔ برطانیہ کے اس خود کاشتہ پودے کے سر پر اب بھی برطانیہ کا ہاتھ ہے۔ آپ اس فتنہ کو معمولی سمجھتے ہوئے اپنے درس و تدریس میں مصروف، صوفیائے کرام اور گوشہ نشین حضرات اپنے خلوت خانوں میں بیٹھ کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دنیا سے قطع تعلق اور کنارہ کشی کو اپنا منتہائے مقصود اور ذریعہ فلاح سمجھ بیٹھے ہیں۔

اے! ہم نے تو تبلیغ کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ میں اکیلا تو دعوت و ارشاد پر مامور نہیں بلکہ میں بھی "رجل منکم" ہوں۔

قادیانیت کے ایمان سوز جرائم

میرے محترم علماء کرام! آپ حضرات کو معلوم نہیں۔ قادیانی مبلغین پوری جسارت

اور دیدہ دلیری سے سادہ لوح، ان پڑھ مسلمانوں کو قادیانی بنا رہے ہیں۔ اگر بزرگانِ ملت اور علماء کرام، اس فتنہ کی سرکوبی کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تو قادیانیت کے ایمان سوز جراثیم تمام عالم اسلام کو اپنے لپیٹ میں لے لیں گے۔

امیر شریعتؒ......نادرۂ روزگار خطیب

ردّ قادیانیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے علماء حق کا ایک جم غفیر پیدا فرمادیا تھا۔ مگر شاہ جیؒ کو رب العالمین جل جلالہ نے قادیانیت کے شجرۂ خبیثہ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے جس نادرۂ روزگار خطابت سے نوازا تھا۔ وہ انہی کا حق اور انہی کا طرۂ امتیاز تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ و بیانات کو جس جاذبیت اور مقناطیسی کشش واثر سے نوازا تھا، وہ کسی اور خطیب کی تقاریر میں نہیں تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے شیخ الاسلام مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، قطب العالم حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، زینت العارفین شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ، یادگارِ اسلاف حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ اور دیگر سینکڑوں اولیاء عبادالرحمٰن، دن رات دعائیں کرتے تھے۔ وہ ہر باطل کے لئے ایک سیف مسلول تھے۔ ان کی ایک ہی تقریر دیگر علماء کرام کے کئی تقاریر پر کئی درجہ وزنی ہوتی تھی۔

یہ مژدہ جانفزا سن کر بہت خوشی ہوئی کہ شاہ جیؒ کی جماعت کے مبلغ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے آپ کے سوانح و خطبات پر کتاب مرتب کی ہے۔ اور بندہ سے فرمائش کی کہ آپ کی حیات، خطابت اور عظیم الشان خدمات پر چند سطور تحریر کردوں۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر یہ چند سطور تحریر کردی ہیں۔

میری دُعا ہے کہ اللہ پاک اس کتاب کو نافع خلائق بنا کر ختم نبوت کے عظیم محاذ سمیت تمام محاذوں پر کام کرنے والے علماء کرام، مشائخ عظام، خطباء قوم اور دینی کارکنوں کے لئے مشعل راہ بنائے۔ (آمین ثم آمین)

شیر علی شاہ

ماہنامہ ’’بینات‘‘ کراچی کا تبصرہ

مولانا سعید احمد جلالپوری مدظلہ

برادر مکرم جناب مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی زید لطفہ کو اللہ تعالیٰ نے اکابر علماء دیوبند اور خصوصاً عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زعماء کے جہد و مجاہدہ، ایثار و قربانی، قومی، ملی خدمات اور مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کی لازوال خدمات پر مشتمل تاریخ، ان کے علوم و معارف، سوانحی خاکے اور خطبات مرتب کرنے کا خصوصی ذوق اور بہترین ملکہ عطا فرمایا ہے، اس سے قبل جب ان کی تصنیف ’’خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ سوانح و افکار‘‘ سامنے آئی تو راقم الحروف نے ان سے عرض کیا کہ ترتیب اُلٹ گئی، اس کام کی ابتدا حضرت امیرِ شریعت کی سوانح سے ہونا چاہئے تھی، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے انہوں نے اس پر سنجیدگی سے غور کیا اور اس پر محنت شروع کر دی، جس کے نتیجہ میں آج پیش نظر کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت امیر شریعتؒ قدس سرہٗ کی شخصیت اس قابل ہے کہ ان پر ملک بھر کی یونیورسٹیوں میں مستقل ایک چیئر اور شعبہ ہونا چاہئے اور ان کی حیات و کردار، علمی، عملی کارناموں، قید و بند کی صعوبتوں، حق گوئی و بے باکی، انگریز دشمنی، منکرین ختم نبوت سے بغض و عداوت، صدیقی جذبہ اور فاروقی دبدبہ کے علاوہ ان کی نجی زندگی، ان کا زاہدانہ اور درویشانہ ذوق و مزاج، ملکی و ملی حالات پر دور اندیشی اور مسلمانوں کے دلوں پر حکمرانی کے راز اور دنیا بھر کے اہل علم کی نظروں میں محبوبیت کے اسباب کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھنا چاہئے، مگر

ہے کاش! کہ ہم ٹکے ٹکے کے آدمیوں پر قومی و ملکی خزانہ برباد کرتے ہیں، لیکن مسلم امہ کے درخشندہ تارے اور آفتاب و ماہتاب ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔

بہر حال مولانا شجاع آبادی اس وقیع کارنامہ پر ہماری طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ پر اس سے پہلے بھی کام ہوا ہے مگر پیش نظر کتاب ماشاءاللہ کئی اعتبار سے اپنے سابقہ مجموعوں سے فائق ہے۔

اس کتاب کو پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، مضامین کی ترتیب یہ ہے۔

- **باب اوّل**: سیرت وسوانح
- **باب دوم**: منظوم خراج عقیدت
- **باب سوم**: مکتوبات
- **باب چہارم**: حضرت شاہ صاحبؒ کی شاعری اور شعر گوئی۔ کتاب ظاہری حسن ورعنائی کے علاوہ باطنی خوبیوں سے مرصع ہے، بلاشبہ مصنف نے نہایت وارفتگی سے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ چنانچہ پڑھنے بیٹھیے تو پڑھتے چلے جایئے کے مصداق چھوڑنے کو جی نہیں کرتا۔ اُمید ہے اہلِ ذوق اس کی پذیرائی میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔

ماہنامہ ”**بینات**“ کراچی
ذوالحجہ 1425/فروری 2005ء

ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' لاہور کا تبصرہ

(تبصرہ نگار: سید قاسم محمود)

یہ مارچ 1930ء کی بات ہے۔ لاہور میں انجمن خدام الدین کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اسٹیج پر مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا احمد سعید دہلوی اور مولانا ظفر علی خان جیسے اکابرین تشریف فرما تھے۔ اُس وقت ایک 38 سالہ گھبرو جوان تقریر کر رہا تھا۔ تقریر بڑی جذباتی اور زوردار تھی۔ تقریر کے اثر سے ہر شخص ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ اس جذباتی فضا سے متاثر ہو کر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کھڑے ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ آج تم ایک عجیب تقریر سن رہے ہو اور رو رہے ہو۔ تمہارے رونے کا کوئی بھروسا نہیں۔ کل تم قہقہے لگا رہے ہو گے۔ اگر تمہارے آنسوؤں میں سچائی ہے تو آج ہی کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو اور اُس کو اپنا امام بناؤ اور ابھی بناؤ، تاکہ سب اُس کی رہنمائی میں چلیں اور دین کے لئے کام کریں۔ اچانک مولانا ظفر علی خان آگے بڑھے اور کہا کہ میں اس مقصد کے لئے آج کے مقرر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ مولانا بخاریؒ نے کہا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ یہاں مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ تشریف فرما ہیں۔ وہ اس کے اہل ہیں۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیے۔ مولانا کشمیریؒ نے فرمایا: میں ایک بوڑھا اور ضعیف آدمی ہوں۔ اس مقصد کے لئے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہی موزوں ہیں، اور میں خود ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، اور اپنی تقریر میں فرمایا کہ آج سب سے بڑا فتنہ قادیانیت ہے، اس فتنے کے خلاف کام کرو۔ جلسے میں موجود تمام اکابر علما، اور حاضرین

نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے ۔مولانا ظفر علی خان نے اپنی تقریر میں بار بار صاحب بیعت کو"امیر شریعت" کہہ کر پکارا۔ اُس دن سے لے کر اپنی رحلت تک لوگ انہیں "امیر شریعت" سمجھتے اور کہتے رہے۔(اور آج بھی امیر شریعتؒ آپ کے نام کا حصہ شمار ہوتا ہے)

زیرنظر کتاب امیر شریعت کے سوانح و افکار پر ایک جامع تحقیق ہے اور آغا شورش کاشمیری کی تالیف سے آگے بڑھ گئی ہے۔ آغا جی کی تالیف میں اُن کے اپنے تاثرات اور ذاتی یادوں کا بیان تھا۔ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کی اس تالیف میں حقائق و معلومات زیادہ ہیں۔کتاب پانچ ابواب میں منقسم ہے۔

- پہلا باب امیر شریعتؒ کے سوانح کے لئے وقف ہے (از 23 ستمبر 1892ء تا 22 اگست 1961ء) اُن کے خانگی حالات کے ساتھ ساتھ ملی وقومی تحریکات میں اُن کی فعال شرکت کا حال پوری جزئیات کے ساتھ بیان ہوا ہے۔تحریک کشمیر، تحریک ہجرت، تحریک عدم تعاون تحریک مدح صحابہ تحریک خلافت، مجلس احرار اسلام کے قیام اور خصوصاً تحریک ختم نبوت میں اُن کی جاندار سرگرمیوں کا احوال لطف اندوزی سے پیش کیا گیا ہے۔
- دوسرے باب میں اُن کے انتقال پر شاعروں نے جو منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا تھا، اُس کا انتخاب ہے اور اس ضمن میں شورش کاشمیری، عبدالحمید عدم، احسان دانش، حبیب جالب، حفیظ تائب اور عبدالکریم ثمر اور ساغر صدیقی جیسے بڑے شاعروں کی مرثیہ نما نظمیں شامل کی گئی ہیں۔
- 7 جولائی 1927ء کو لاہور میں مہاشہ راجپال کی کتاب (خاکم بدہن) "رنگیلا رسولؐ" کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ایک بڑا اجلاس منعقد ہوا تھا۔

جس سے خطاب کرتے ہوئے امیر شریعتؒ نے فرمایا:

"آج مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کے دروازے پر اُم المؤمنین عائشہؓ صدیقہ اور اُم المؤمنین خدیجۃ الکبریٰؓ آئیں اور فرمایا، ہم تمہاری مائیں ہیں۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کافروں نے ہمیں گالیاں دی ہیں (پھر ایک زبردست کروٹ کے ساتھ لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ جلسہ ہل گیا)......ارے دیکھو!

تو!......اُم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ دروازے پر تو نہیں کھڑی ہیں (جلسے میں کہرام مچ گیا۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے) دیکھو......دیکھو! سبز گنبد میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں۔ خدیجہؓ و عائشہؓ پریشان ہیں۔ اُم المؤمنین تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں......عائشہؓ پکارتی ہیں......وہی عائشہؓ جنہیں رسول اللہ ﷺ پیار سے حمیراؓ کہا کرتے تھے......جنہوں نے رسول کو رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی......اُس کے ناموس پر قربان ہو جاؤ......بچے بیٹے ماں پر کٹ مرا کرتے ہیں۔"

اس باب میں مختلف موضوعات پر شاہ صاحبؒ کے سینکڑوں تاریخی خطبات کے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک بڑا عبرت آمیز ہے۔

◉ تیسرے باب میں بعض مشاہیر قوم کے نام شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کا متن دیا گیا ہے۔ کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر شریعتؒ شاعر بھی تھے۔

☆ چوتھے باب میں اُن کے بڑے فرزند مولانا ابوذر بخاری کی کتاب سواطع الالہام میں علامہ طالوتؒ نے اُن کی سخن فہمی اور سخن شناسی کا تجزیہ پیش کیا ہے شامل ہے۔ کتاب کے مؤلف مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی جو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی ناظم تبلیغ ہیں۔

کتاب عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت (حضوری باغ روڈ، ملتان) اور مکتبہ ختم نبوت کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔

"ندائے خلافت" لاہور

☆22 دسمبر......9 ذی قعدہ☆

ماہنامہ "لولاک" ملتان کا تبصرہ

زیرِ تبصرہ کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سوانح و افکار جو تقریباً پانچ سو بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے۔ جس میں کچھ اضافہ جات اور کچھ ترمیمیں کی گئی ہیں۔ پہلے ایڈیشن میں خطبات بھی شامل تھے۔ جنہیں اس ایڈیشن سے علیحدہ کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔

کتاب کی کتابت، طباعت، جلد عمدہ ہیں۔

مکتبہ ختم نبوت ۳۸ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور، ادارہ تالیفات ختم نبوت اُردو بازار لاہور اور مکتبہ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان نے مل کر شائع کی ہے۔

ا کتاب پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور قاری اپنے آپ کو شاہ جیؒ کی مجلس میں حاضر محسوس کرتا ہے۔ شاہ جیؒ جیسی شخصیات صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ اور صدیوں اپنے انقلابی افکار کی وجہ سے زندہ رہتی ہیں۔ شاہ جیؒ پر چھوٹی بڑی اٹھارہ کتب لکھی گئیں۔ اور پندرہ رسائل و جرائد نے مختلف اوقات میں خصوصی نمبر شائع کئے۔

اللہ پاک مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی زید مجدہٗ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائیں کہ انہوں نے مذکورہ بالا کتب اور رسائل میں غوطہ زنی کر کے ایک شاندار مجموعہ ترتیب دے کر قوم کو بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ پاک ان کی سعی و کوشش کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے خدام ختم نبوت کے لئے اس مجموعہ کو مشعل راہ بنائے۔

(آمین ثم آمین بحرمة سید العالمین)

ماہنامہ "لولاک" ملتان جنوری ۲۰۰۸ء

تبصرہ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور

(تبصرہ نگار: شیخ حفیظ الرحمن قریشی)

◉ مجاہد ختم نبوت اور تحریک کے زعما کے سوانح نگار مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کی نئی تالیف، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ چھپ گئی ہے۔ جسے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان نے شائع کیا ہے۔ کتاب کو مکتبہ ختم نبوت 38- غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور اور مکتبہ ختم نبوت لاہور کی دوسری شاخ مکتبہ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پٹنہ میں 23 ستمبر 1892ء کو پیدا ہوئے اور 21راگست 1961ء کو ملتان میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے۔

آپ بیسویں صدی کے برصغیر کے نامور عالم دین، بے مثال خطیب قادر الکلام شاعر اور ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو بیسویں صدی کے دجال کے دجل و فریب کے جال سے بچانے اور فتنہ قادیانیت کے استیصال کے لئے ایک عظیم الشان تحریک برپا کی۔ آپ کے مجاہدانہ کارناموں نے خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی فتنہ ارتداد کی سرکوبی کے لئے داستان عزیمت کی یاد تازہ کردی۔ زیر نظر کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی حیات و سوانح افکار پر ایک انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا گیا۔ یہ تالیف پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب اپنی جگہ ایک مکمل کتاب ہے۔

◉ **پہلا باب**: سوانح و سیرت پر مبنی ہے۔ یوں تو تمام ابواب قدر و قیمت میں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں مگر اس باب میں سینکڑوں نادر جواہر ریزے جمع کر دیئے گئے ہیں۔

- **دوسرا باب:** منظوم خراجِ تحسین۔
- **تیسرا باب:** مکتوبات سے متعلق ہے۔
- **چوتھا باب:** اور آخری باب میں نامور ادیب، شاعر اور صاحب قلم علامہ طالوت نے حضرت امیر شریعتؒ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شعر گوئی اور سخن فہمی پر مبسوط اور فاضلانہ تبصرہ کیا ہے۔ یہ باب بھی حضرت شاہ جیؒ کے بارے میں ایک انکشاف ہے۔ کیونکہ بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ امیر شریعتؒ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے ...... بلاشبہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مگر یہ کتاب اس دلانہ ویز ذخیرے میں ایک منفرد مقام کی حامل ہے۔ اس کتاب کو مکمل کرنے کے بعد قاری آپ کو سچ مچ اپنے سامنے زندہ جاوید پاتا ہے۔

''سنڈے میگزین نوائے وقت''

☆9 جنوری 2005ء☆

✿✿✿✿......✿✿✿✿

عرض مرتب

خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی سوانح حیات پر مختلف دینی رسائل نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس مبارک سلسلہ کا آغاز اگر امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے کیا جاتا۔ تو بہت ہی اچھا ہوتا بندہ نے نہ تو شاہ جیؒ کی زیارت کی اور نہ ہی سنا۔ اور اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ شاہ جیؒ پر قلم اٹھاؤں۔ ویسے بھی شاہ جیؒ پر ان کے رفقاء معاصرین اور صاحبزادگان نے لکھا اور خوب لکھا۔ اور شاہ جیؒ کی سیرت و سوانح پر کئی ایک کتب مارکیٹ میں موجود بھی ہیں۔ میرے ایک بہت ہی پیارے دوست مولانا عبدالرحمٰن جامی جلال پور پیروالا سے جب بھی ملاقات ہوئی تو انہوں نے تقاضا کیا۔ کہ شاہ جیؒ پر ایسی کتاب مرتب کی جائے۔ جس میں حالات زندگی کے علاوہ خطبات بھی شامل ہوں نیز انہوں نے اپنی لائبریری میں موجود تمام کتب بھی بھجوادیں۔

2004ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوّت کے تیسرے امیر مجاہد ملّت مولانا محمد علی جالندھریؒ کے خطبات کی ترتیب اور اشاعت کی اللہ پاک نے توفیق دی۔ جس میں خطبات کے علاوہ ایک باب سوانحی خاکہ پر بھی مشتمل تھا۔ تو احباب کا تقاضا بڑھا کہ ترتیب کے خلاف نہ چلیں۔ مجلس کے امراء کی ترتیب کو سامنے رکھتے ہوئے شاہ جیؒ کے خطبات اور سوانح پر بھی ضرور کام کریں۔ احباب کے تقاضا کے جواب میں بندہ وہی عذر دھراتا رہا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوّت کے پانچویں امیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے خطبات، مقالات پر کام شروع کیا الحمدللہ ایک ضخیم مجموعہ تیار ہوگیا۔ تو اس کی طباعت سے پہلے

داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت بنوریؒ پر کتاب شائع کرنے سے، پہلے شاہ جیؒ پر کتاب آنی چاہئے۔ اس پر محنت شروع کی تو الحمد للہ ایک ضخیم مجموعہ تیار ہو گیا۔ تو اب کتاب کی ترتیب کچھ اس طرح ہو گی۔

باب اوّل: **سیرت و سوانح** اور اس کے ذیل میں کئی عنوانات ہوں گے۔

باب دوم: **منظوم خراج تحسین**

باب سوم: **مکتوبات** اس ضمن میں آج تک دستیاب ہونے والے تمام خطوط شامل ہیں۔

باب چہارم: **شاعری** اس باب میں آپ کی شعر گوئی اور سخن فہمی پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ جو ملک کے نامور ادیب، شاعر اور صاحب قلم جناب علامہ طالوت کے قلم سے ہے۔

اظہار تشکر و امتنان

میں شکر گذار ہوں مناظر ختم نبوت مولانا خدا بخش صاحب، مولانا عبد الرحمٰن جامی صاحب جلال پور پیروالہ مجلس کے بزرگ مبلغ مولانا بشیر احمد صاحب، ماسٹر عزیز الرحمٰن رحمانی عزیزم مولانا ثناء اللہ سعد صاحب، عزیزم قاری ابوبکر صدیق، عزیزم عمر فاروق عزیزم عثمان غنی، عزیزم حافظ سیف اللہ، عزیزی قاری علی حیدر، عزیزی قاری محمد بلال مکی، اور تمام رفقاء کا جن کے مشوروں اور تعاون سے یہ مجموعہ اشاعت پذیر ہوا۔ اللہ پاک ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

محمد اسماعیل شجاع آبادی

ناظم تبلیغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ ملتان

22-8-2004

موبائل نمبر: 0300-6347103

مقدمہ ایڈیشن سوم

آج سے دو سال پہلے "سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سوانح و افکار" شائع ہوئی۔ جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات زندگی میں سے چیدہ چیدہ حالات کو ذکر کیا گیا۔ نیز شاہ صاحبؒ کے دستیاب خطبات بھی یکجا کر دیئے گئے۔ جس سے کتاب کی ضخامت بڑھ گئی۔

تو ضرورت محسوس کی گئی کہ کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ پہلا حصہ سوانح و افکار پر مشتمل ہو۔ دوسرا حصہ خطبات پر۔ چنانچہ کتاب کو نئے سرے سے پڑھا گیا۔ اور تصحیح کی گئی۔ کچھ امور کا اضافہ اور کچھ سطور کم کی گئیں۔ چنانچہ معمولی حذف و اضافہ کے ساتھ تیسرا ایڈیشن پیش خدمت ہے۔ جسے نو 9 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

- **باب اوّل** : سوانح و سیرت
- **باب دوم** : پاکستان اور شاہ جی
- **باب سوم** : مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام میں بنیادی کردار
- **باب چھارم** : تحریک پاکستان 1953ء میں قائدانہ کردار
- **باب پنجم** : علالت اور وفات
- **باب ششم** : امیر شریعت پر ہونے والا تحریری کام
- **باب ھفتم** : منظوم خراجِ تحسین
- **باب ھشتم** : مکتوبات
- **باب نھم** : شاہ جیؒ کی شاعری

1۔ جو مواد جہاں سے لیا گیا۔ حوالہ اور مضمون نگار کا نام بھی دیا گیا۔ تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

ممکن ہے بعض مقامات پر حوالہ صحیح نہ آ سکا ہو۔ البتہ کوشش بھرپور کی گئی۔

2۔ حوالہ درج کرنے میں تحریف یا تدلیس سے کام نہیں لیا گیا۔

3۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کی ابتدائی تشکیل **1949**ء میں ہوئی اور باضابطہ انتخاب **1954**ء میں ابتدائی تشکیل جانشین امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاریؒ کے جاری کردہ ''الاحرار'' اور شاعر انقلاب مرزا غلام نبی جانبازؒ کی مصنفہ ''حیات امیر شریعت'' کے حوالہ سے دی گئی۔ اور ایسے ہی منیر انکوائری رپورٹ میں **1953**ء میں میں تحریک میں شامل تنظیموں کے نام میں مجلس عمل (جاری کردہ مجلس تحفظ ختم نبوت) کا نام موجود ہے۔ نیز مشہور احراری سکالر مولانا مجاہد الحسینی زید مجدہٗ نے اپنی تاریخ علماء دیوبند میں **1953**ء کی تحریک میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا بار بار نام لیا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ مجلس کا قیام **1953**ء سے پہلے معرض وجود میں آ چکا تھا۔

4۔ تبصرہ نگاروں کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے حذف و اضافہ کا عمل کیا گیا ہے۔ امید یکہ قارئین کرام اُسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

5۔ ناسپاسی ہوگی کہ رفقاء محترم مبلغین عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت مولانا اللہ وسایا مدظلہٗ، مولانا بشیر احمد، مولانا محمد طیب فاروقی اسلام آباد، مولانا قاضی احسان احمد کراچی، مولانا عبدالحیم نعمانی چیچہ وطنی، مولانا محمد قاسم رحمانی بہاولنگر، مولانا محمد اسحاق ساقی، مولانا عبدالستار حیدری لیہ، حاجی محمد طفیل جاوید، قاری حفیظ اللہ منیجر ماہنامہ ''لولاک'' ملتان کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے تعاون، مشاورت، سے تیسرا ایڈیشن پیش کرنے کے قابل ہوا۔ اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اور بندہ کی مغفرت اور صاحب سوانح و افکار کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔

شاہ جیؒ نے ایک واقعہ سنایا

◉ مولانا تاج محمودؒ فرماتے ہیں:

شاہ جیؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی کا ایک واقعہ سنا رہے تھے۔ کہ ایک دفعہ انہوں نے آریوں سے کلکتہ میں مناظرہ کیا تھا۔ مرزائی کہتے ہیں۔ کہ اس مناظرے میں شرط یہ تھی۔ کہ اگر آریہ پنڈت ہار جائے تو کل آریوں کو مسلمان ہونا ہوگا۔ اور اگر مرزا صاحب ہار جائیں تو کل ہندوستان کے مسلمانوں کو آریہ ہونا پڑے گا۔

مرزا غلام احمد اس مناظرے میں جیت گئے اور اس طرح ہندوستان کے کروڑوں مسلمان آریہ ہونے سے بچ گئے۔ شاہ جیؒ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میں اس مفروضے کو تسلیم ہی نہیں کرتا کہ آریہ پنڈت کے ہار جانے سے کسی آریہ نے مسلمان ہو جانا تھا۔ یا مرزا غلام احمد کے ہار جانے سے کسی مسلمان نے آریہ ہو جانا تھا۔ کوئی مسلمان مرزا صاحب کی ہار جیت کے ساتھ اپنا ایمان باندھے ہوئے نہ تھا۔ لیکن اگر مان بھی لیا جائے۔ کہ مرزا صاحب کے ہارنے سے چند مسلمان آریہ ہو جاتے۔ اور مرزا صاحب کا احسان ہوا کہ وہ مناظرہ جیت کر ان کا ایمان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ تو آخر یہی ہوا نا کہ آریہ سے چند مسلمانوں کو بچایا اور خود سینکڑوں مسلمانوں کو بے ایمان بنا کر مرتد کر دیا۔

سعدی کی دلچسپ کہانی

شاہ جیؒ نے گلستان سعدی کی ایک حکایت سنائی کہ سعدی ایک دفعہ سیر و سیاحت میں تھے کہ فرنگیوں نے انہیں قیدی بنا لیا۔ اور ان سے بیگار لینا شروع کر دی۔ اس علاقہ کے ایک مسلمان نواب جو انگریزوں کے ٹوڈی تھے۔ اور سعدی کے علم و فضل سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہاں کے گورنر سے ملے اور ان سے عرض کیا کہ سعدی دنیائے اسلام کا عظیم ادیب اور شاعر ہے۔ آپ کی قید میں ہے اور مٹی گارے کے کام میں مزدوروں کے ہمراہ ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ گورنر نے دس روپے جرمانہ کر دیا۔ جو نواب نے ادا کر دیا اور سعدی کو اپنے ساتھ لے آئے۔ نہلایا، دھلایا نئے کپڑے دیئے، گھر میں رہنے کو جگہ دی۔

کچھ دنوں بعد اپنی ایک لڑکی کی شادی ایک سو روپیہ حق مہر کے بدلے شیخ سعدی سے کر دی۔ لڑکی نوابزادی تھی اور سعدی ایک درویش اور شاعر تھا۔ ان کا آپس میں جوڑ نہ بیٹھا لڑائی بھڑائی ہونے لگی۔ ایک روز وہ عورت سعدی کو طعنہ دیتے ہوئے کہنے لگی۔ چل بے چل تو وہی تو ہے جسے میرا باپ دس روپے کے بدلے خرید کر لایا تھا۔ اس پر سعدیؒ نے فرمایا ہاں بیگم وہی ہوں جسے تیرا باپ دس روپے میں خرید کر لایا تھا۔ لیکن سو روپے کے بدلے آگے تیرے ہاتھ میں فروخت کر ڈالا۔

پھر شاہ جیؒ نے ترنم سے سعدی کی یہ رباعی پڑھی۔

شنیدم گو سفندے رابزرگے
رہانیداز دہاں ودست گرگے
شبانگہ کارد بر حلقش بنا لید
روزے گو سفند از وے بنالید
کہ از چنگال ور بودی
چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی

شعروں کا ترجمہ اور مرزا غلام احمد

ان شعروں کو شاہ جیؒ نے مرزا غلام احمد پر فٹ کیا۔ اور ان کا ترجمہ کیا کہ ایک بزرگ رات کو اٹھے کہیں بھیڑ کے بچے کو بھیڑیا لئے جا رہا تھا۔ انہوں نے پتھر پھینکا اور اسے چھڑا لیا۔ گھر لے آئے بہت پیار کیا۔ گھاس دانہ ڈالا۔ بھیڑ کے بچے نے سمجھا کہ یہ بزرگ مجھے کوئی فرشتہ مل گیا۔ لیکن اگلی رات کو بوڑھے نے بھیڑ کے بچے کو گرا کر تیز چھری سے اُسے ذبح کر ڈالا بھیڑ کے بچے کی روح نے فریاد کی کہ اے بابا تو نے مجھے بھیڑیئے کے پنجے سے تو چھڑا لیا تھا۔ لیکن جب میں نے انجام کار دیکھا۔ تو خود میرے لئے بھیڑیا بن گیا۔

فرمایا ٹھیک ہے مرزا صاحب نے چند مسلمانوں کے ایمان آریوں سے بچائے ہوں گے۔ لیکن انجام کار خود ہزاروں مسلمانوں کو مرتد کر کے بے ایمان کر دیا ہے۔

باب اول
سوانح و افکار

شاہ جیؒ !...... ایک نظر میں

☆ 1892ء 23 ستمبر سید ضیاء الدین احمد کے ہاں پٹنہ میں پیدائش۔

☆ 1896ء والدہ محترمہ کی وفات۔

☆ 1906ء پنجاب پہلی دفعہ آمد۔ 1911ء دوسری دفعہ آمد

☆ 1914ء امرتسر میں قیام کی ابتداء

☆ 1914ء امرتسر کے ناگڑیاں واپسی اور شادی

☆ 1916ء خطابتی زندگی کا آغاز

☆ 1916ء جلیانوالہ باغ کے حادثہ سے متاثر ہوکر سیاست میں ورود

☆ 1919ء کوچہ جیل خانہ امرتسر کے عوام مولانا غلام مصطفیٰ سے شاہ صاحب کو اپنی مسجد کے لئے لے گئے۔

☆ 1919ء گول باغ امرتسر میں مولانا شوکت علیؒ کی زیر صدارت خلافت کانفرنس میں پہلی تقریر۔

☆ فروری 1921ء کانگرس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں پہلی مرتبہ شرکت اور خطاب

☆ 14 مارچ 1921ء رہائی۔

☆ 1923ء شدھی و سنگھٹن تحاریک کے خلاف مہم کا آغاز

☆ 26 ستمبر 1924ء اتحاد کانفرنس دہلی میں شرکت

☆ 1925ء مرزائیت کے خلاف امرتسر کے مولانا داؤد ابن نور محمد کے فتویٰ پر دستخط

☆ 1927ء تحریک انسداد فتنہ راجپال

- ☆ 4 جولائی 1927ء شاہ محمد غوث کے احاطہ (لاہور) میں شاتمِ رسولؐ پر معرکۃ الآراء خطاب
- ☆ 6جولائی 1927ء تحریک انسداد فتنہ راجپال کے سلسلہ میں گرفتاری۔
- ☆ 1928ء امرتسر کے نام نہاد پر کرم شاہ کے خلاف مہم کا آغاز اور ایک ہی تقریر سے اس کا فرار۔
- ☆ 6اپریل 1929ء شاہ صاحب کی تقریر سے متاثر ہو کر غازی علم الدین شہید نے مہاشہ راجپال کو قتل کر دیا۔
- ☆ 1929ء ڈیرہ غازیخاں میں سردار احمد خاں پتائی کی درخواست پر جاہلانہ رسوم کے خلاف مہم کا آغاز جو تازیست جاری رہا۔
- ☆ 29 ستمبر 1929ء چوہدری افضل حقؒ، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا ظفر علی خانؒ، خواجہ عبدالرحمٰن غازی کی سرکردگی میں شاہ جیؒ کی زیر صدارت آل انڈیا مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔
- ☆ مارچ 1930ء انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی تحریک پر ہندوستان کے پانچ 500 صد علماء نے متفقہ طور پر امیر شریعت منتخب کیا۔
- ☆ 3 مئی 1930ء امروھہ (مراد آباد، یوپی) میں جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس میں سولہ گھنٹے کا مسلسل خطاب۔
- ☆ 30اگست 1930ء دیناج پور (مشرقی پنجاب) سے تحریک حقوق خود اختیاری کے سلسلے میں گرفتاری۔
- ☆ 1931ء مرزائیت کے تعاقب کا آغاز۔
- ☆ 21اپریل 1931ء دیناج پور جیل سے رہائی۔
- ☆ جولائی 1931ء حبیبیہ ہال لاہور میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی زیر صدارتِ مجلس احرار کی پہلی کانفرنس میں شرکت اور خطاب۔
- ☆ 10اگست 1931ء مولانا حبیب الرحمٰن کے ہمراہ گاندھی سے ملاقات۔

☆ اکتوبر 1931ء تحریک کشمیر کا آغاز۔

☆ 1931ء تحریک کشمیر کے سلسلہ میں دہلی سے گرفتاری۔

☆ 1933ء کپورتھلہ ایجی ٹیشن۔

☆ مئی 1931ء مدرسہ عربیہ شجاع آباد میں دورانِ تقریر پان میں زہر ملا کر ہلاک کرنے کی ناکام کوشش۔

☆ مارچ 1934ء قادیان میں مجلس احرار کا قیام۔

☆ 1934ء 24، 25، 26 / اکتوبر قادیان میں امیر شریعتؒ احرار تبلیغ کانفرنس کا انعقاد اور خطاب۔

☆ نومبر 1934ء ڈیرہ دون ضلع سہارن پور سے گرفتاری۔

☆ 3 مئی 1935ء کوئٹہ کا قیامت خیز زلزلہ جس میں احرار رضا کاروں نے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔

☆ 6 جون 1935ء گورداس پور کے سیشن جج نے اختتام عدالت قید کی سزا سنائی۔

☆ 1935ء قتل کی چوتھی سازش ناکام

☆ 1935ء گورداس پور سے رہائی۔

☆ 6 دسمبر 1935ء قادیان میں نماز جمعہ پڑھنے کی بنا پر گرفتاری۔

☆ 1936ء تحریک مدح صحابہؓ۔

☆ 23 اکتوبر 1936ء اچھوت کانفرنس لاہور کی صدارت اور خطاب۔

☆ 10 جولائی 1937ء لکھنؤ کی کانگرسی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کا اعلان۔

☆ 1936ء تحریک فلسطین۔

1938ء 22، 23 اکتوبر ڈسٹرکٹ احرار کانفرنس قصور میں شرکت اور خطاب۔

☆ 1939ء احرار کانفرنس بمبئی۔

☆ اگست 1939ء مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے ہمراہ دورہ میانوالی کے لئے روانگی

☆ ستمبر 1939ء دورانِ سفر قصبہ شہر سلطان سے واپسی

☆ 13 ستمبر 1939ء فوجی بھرتی کے حکم پر غور کرنے کے لئے امرتسر میں احرار کی ہائی کمان کے اجلاس میں شرکت۔

☆ 28 جون 1939ء تحریک فوجی بھرتی بائیکاٹ کے سلسلہ میں لالہ موسیٰ سے گرفتاری۔

☆ 11،12 جولائی 1941ء احرار صوبائی کانفرنس سیالکوٹ۔

☆ 23 جولائی 1934ء یوم تحفظ قرآن منایا گیا۔

☆ 24 ستمبر 1943ء حج پر پابندی کے خلاف احتجاج۔

☆ 1943ء قرارداد حکومت الٰہیہ

☆ ستمبر 1943ء قحط بنگال کے متاثرین کے لئے احرار ریلیف فنڈ کا قیام

☆ 1946ء صوبہ بہار میں مسلمانوں کا قتل عام امیر احرار نے تین امدادی قافلے روانہ کئے۔

☆ 1946ء انتخابات میں احرار کی شکست۔

☆ 1946ء اہل خانہ کے ہمراہ امیر شریعتؒ قیام کے لئے کشمیر روانہ ہو گئے۔

27 مارچ 1946ء مجلس احرار اسلام کے اجلاس شرکت کے لئے دہلی روانگی۔

☆ 30 مارچ 1946ء جمعیۃ علماء ہند کے راہنماؤں سے مذاکرات۔

☆ 26 اپریل 1946ء اردو پارک دہلی میں دہلی کی آخری تقریر۔

جون 1946ء کانگرس کی طرف سے مجلس احرار کو عبوری حکومت میں شرکت کی دعوت۔

☆ 19 مارچ 1946ء "بریڈ لے ہال" لاہور میں مجلس احرار اور پنجاب سوشلسٹ پارٹی کا مشترکہ اجلاس۔

☆ 22 مارچ 1947ء مجلس احرار کی جنرل کونسل کا لاہور میں اجلاس۔

☆ مارچ 1947ء لاہور میں آمد و قیام۔

☆ 1947ء احرار آزاد امدادی فنڈ کا قیام۔

☆ 3 جون 1947ء وائسرائے کی طرف سے تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان۔

☆ 14 اگست 1947ء فرنگی سامراج پاک سرزمین پاک سرزمین سے ہمیشہ کے لئے نابود ہو گیا۔

☆ اگست 1947ء لاہور سے خانگڑھ روانگی اور نوابزادہ نصر اللہ خاں کے ہاں قیام

☆ 24 دسمبر 1947ء ماسٹر تاج الدین انصاری کے نام پالیسی خط۔

☆ اپریل 1947ء خانگڑھ سے ملتان روانگی اور کرائے کے مکان میں قیام (تازیست)

☆ 1949ء ایک قرارداد کے ذریعے احرار کی سیاسی حیثیت ختم کر دی اور مسلم لیگ سے تعاون کا فیصلہ کر لیا گیا۔

☆ 9 مئی 1951ء برکت علی محمڈن ہال لاہور میں منعقدہ کنونشن میں شرکت۔ جو بعد ازاں تحریک ختم نبوت 1953ء کی بنیاد بنا۔

☆ 1951ء ناگڑیاں ضلع گجرات میں والد محترم کا انتقال۔

☆ 26 مئی 1952ء شہدائے ملتان کو خراج عقیدت۔

☆ 2 جون 1952ء آل مسلم پارٹیز کنونشن کراچی۔

☆ 13 جولائی 1952ء برکت علی ہال لاہور میں آل مسلم پارٹیز میٹنگ

☆ دسمبر 1952ء مجلس احرارِ اسلام کو غیر قانونی جماعت قرار دیا گیا۔

☆ فروری 1953ء تحریک راست اقدام۔

☆ 22 فروری 1953ء آرام باغ کراچی میں پہلا خطاب دربارہ ختم نبوت ا۔

☆ 28 فروری 1953ء کراچی سے گرفتاری۔

☆ 27 اپریل 1953ء کراچی جیل سے بمعہ احباب سکھر جیل منتقلی۔

☆ 19 جون 1953ء گورنر پنجاب نے واقعات کی تحقیقات کے لیے آرڈی نینس نمبر 3 جاری کیا گیا جس کے تحت تحقیقاتی عدالت قائم کی گئی۔

☆ یکم جولائی 1953ء تحقیقاتی عدالت نے اپنے کام کا آغاز کیا۔

☆ 25 جولائی 1953ء سکھر جیل سے لاہور سنٹرل جیل منتقلی۔

☆ فروری 1954ء لاہور سنٹرل جیل سے رہائی۔

☆ 13 ستمبر 1954ء مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کی۔ آپ پہلے امیر منتخب ہوئے۔

☆ 16 نومبر 1954ء دوران وضو انگلی پر فالج کا حملہ جو "لا نبی بعدی" کے دم سے

ٹھیک ہو گیا۔

☆ دسمبر 1954ء حاجی دین محمد لاہور کی طرف سے حج بیت اللہ کی دعوت۔

☆ 1955ء اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ "سواطع الالہام" شائع ہوا۔

☆ 14 جون 1955ء مجلس تحفظ ختم نبوت کے سالانہ اجلاس (فیصل آباد) میں شرکت اور خطاب

☆ 14 ستمبر 1955ء ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ملتان کے سامنے حاضری۔

☆ 19 مارچ 1956ء درمیانی شب کو جلالپور پیروالہ ضلع ملتان سے ایک تقریر کی بنا پر گرفتاری۔

☆ 14 اپریل 1956ء خانیوال کی ایک تقریر کی بنا پر ملتان سے گرفتاری۔

☆ جولائی 1956ء ملتان کی میونسپل حدود میں نظر بند کر دیا گیا۔

☆ 3 جولائی 1956ء "نوائے پاکستان" لاہور (اخبار) کے لیے پیغام۔

☆ 11 جولائی 1956ء ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت نے امیر شریعت پر سے تمام پابندیاں اٹھالیں۔

☆ اگست 1956ء بغرض علاج لاہور آمد اور حاجی دین محمد کے ہاں قیام

☆ 13 نومبر 1956ء لاہور سے ملتان واپسی۔

27 اگست 1957ء کنڈا سرگانہ (ملتان) میں شیعہ سنی فسادات کے موضوع پر خطاب پر ملال۔

☆ (مئی 1959ء صدر سکندر مرزا کی طرف سے ملاقات کی خواہش کا اظہار

☆ 195 انٹرنیشنل تبلیغی مشن (لندن) کی طرف سے دورہ لندن کی دعوت۔

☆ جنوری 1961ء فالج کا دوسرا شدید حملہ

☆ مارچ 1961ء فالج کا تیسرا شدید حملہ اور نشتر میڈیکل کالج ملتان کے ہسپتال میں داخلہ۔

☆ جون 1961ء دوبارہ لاہور بغرض علاج آمد۔

21 اگست 1961ء شام چھ بج کر پچاس منٹ پر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

22 اگست 1961ء بڑے صاحبزادہ سید ابو معاویہ ابو ذر حافظ عطاء المنعمؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور ملتان ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا خاندان

آپ حضرت سیدنا حسن ؓ کی اولاد میں۔ چھتیسویں (36) پشت میں ان سے ملتے ہیں۔ آپ کے خاندان میں بڑے بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی آپ کے خاندان سے ہیں۔ آپ کے اجداد بخارا سے کشمیر آئے کشمیر سے پنجاب میں وارد ہوئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا زمانہ تھا۔ ضلع گجرات کے ایک گاؤں سر ہالی میں مقیم تھے۔ کاروباری سلسلہ میں دہلی اور پٹنہ آیا جایا کرتے۔ جب پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ حضرت شاہ صاحب کے دادا حضرت سید نور الدین احمد بخاریؒ اس گاؤں سے چلے آئے اور ایک دوسرے گاؤں ناگڑیاں میں مقیم ہوگئے۔ ان کے فرزند اور حضرت شاہ صاحب کے والد ضیاء الدین احمد بخاری پشمینہ کا کاروبار کرتے تھے اس سلسلہ میں پٹنہ جاتے اور ایک حکیم صاحب کے ہاں ٹھہرتے جن کا نام حکیم سید احمد اندرابی تھا نے آپ کے والد محترم کی شرافت اور اخلاق سے متاثر ہوکر اپنی صاحبزادی سے نکاح کر دیا۔ آپ کی والدہ محترمہ سیدہ فاطمہ اندرابی حضرت خواجہ باقی باللہ کی نواسی تھیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت مجدد الف ثانی کے پیر و مرشد تھے۔ اب حضرت شاہ صاحبؒ کے والد وہیں رہنے لگ گئے۔

شاہ جیؒ کی پیدائش

1 ربیع الاوّل 1380ھ 1891 عیسوی جمعہ کے دن نور کے تڑکے حضرت شاہ صاحبؒ پٹنہ میں پیدا ہوئے ددھیال کی طرف سے آپ کا نام عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ننھیال کی طرف سے آپ کا نام شرف الدین احمد رکھا گیا۔ مگر ابھی عمر چار برس کی تھی کہ والدہ کا سایہ سر

ے اٹھ گیا۔ اور آپ کو نانا نانی نے اپنی لڑکی کی یادگار کے طور پر پالا پوسا اور گھر ہی میں پڑھایا یہاں تک کہ نانا نانی کا بھی انتقال ہو گیا۔

تعلیم و تعلم

اب شاہ صاحبؒ کا آغاز شباب تھا آپ نے پنجاب کا رُخ کیا اور آخر کار امرتسر آکر ٹھہر گئے۔ یہاں کے علماء سے درسی کتابیں پڑھیں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ سے فقہ، جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی و مہتمم مفتی محمد حسن امرتسریؒ سے حدیث اور مولانا نور احمد سے تفسیر پڑھی اور مولانا حبیب الرحمٰن مکی سے بخاری شریف کا درس لیا۔[1]

سلطان عبدالحمید ترک کی بیٹی کے بچوں کے اتالیق قاری سید عمر عاصم عرب کسی وجہ سے پٹنہ آئے اور مسجد خواجہ عنبر میں قرآن پاک کا درس دینے لگے۔ قدرت نے انہیں لحن داؤدی سے نوازا تھا۔ شاہ جیؒ کی روایت کے مطابق جب وہ قرآن پاک پڑھتے تو ہندو مرد، عورتیں اور بچے ان کی خوش آوازی سے لطف اندوز ہوتے۔ شاہ جیؒ نے ان سے قرآن پاک کی تصحیح کی۔ اور ایک مسجد کے امام ہو گئے۔ رسوم و بدعات کے خلاف تبلیغ فرماتے رہے۔ عالم و حافظ تھے۔ خوبرو جوان تھے۔ اس پر خوش آوازی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ قرآن پڑھتے تو سننے والے مسحور ہو جاتے۔ اتنے میں ہندوستان میں تحریک خلافت شروع ہو گئی۔ شاہ جیؒ نے اپنی سیاسی و خطابتی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے کیا۔

سیاسی دور کا آغاز

اس تحریک نے حضرت شاہ صاحبؒ کے دل و دماغ کو اتنا متاثر کیا کہ فرنگی اقتدار کی مخالفت اور اس کے خود کاشتہ پودوں کا استیصال ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ چند دنوں میں آپ علاقہ بھر کے کیا ملک کے مقبول راہنما بن گئے۔ علماء اور سیاسی طبقہ میں بڑا رسوخ حاصل کیا۔ مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے بلند پایہ خطیبوں کو آپ کی خطابت کا لوہا ماننا پڑا۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب کی

1۔ ہفت روزہ ''چٹان'' 8 جنوری 1962ء

مؤمنانہ نگاہوں نے بھی آپ کو تاک لیا۔ یہاں سے آپ کی اعلیٰ قومی زندگی اور سیاسی دور کا آغاز ہوتا ہے۔ والد صاحب اور دیگر اعزہ و اقارب تو ناگڑیاں ہی میں رہے مگر شاہ صاحبؒ کی اب مستقل سکونت امرتسر میں تھی۔ انقلاب سے پہلے ہی لاہور تشریف لے آئے تھے۔ پھر مستقل سکونت ملتان میں اختیار فرمائی۔ حضرت شاہ صاحب نے پورا زور لگایا کہ والد صاحب بھی ملتان تشریف لے آئیں۔ مگر انہوں نے فرمایا۔ میں نے جہاں قرآن پاک کے ایک ہزار ختم کئے ہیں۔ وہیں مروں گا۔

مجلس احرار اسلام کا قیام

کانگریس انیسویں صدی کے آخر میں ایک انگریز کے پروگرام کے مطابق قائم ہوئی۔ ابتداء میں اس کا پروگرام بڑا محدود تھا۔ لیکن اب وہی کانگریس ملک پر چھا چکی تھی۔ اور اس کے عزائم اتنے واضح ہو گئے تھے۔ کہ انگریزی حکومت اس سے خوف کھانے لگی کانگریس میں برصغیر کے نامی گرامی علماء کرام قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے۔ لیکن عددی اکثریت بہر حال غیر مسلم اقوام کی تھی۔ پنجاب کی مخلص سنجیدہ، اور بیدار مغز قیادت حالات کی اصلاح کے لئے سوچ و بچار میں مصروف تھی۔ حالات اس طرح بنا دیئے گئے تھے۔ کہ یہاں کے اہل دل مسلمانوں کی موثر تنظیم ضروری سمجھی جا رہی تھی۔

چنانچہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے مشورہ پر شاہ جیؒ کی صدارت میں ایک اجلاس منعقد کیا جس میں فیصلہ کیا کہ "ہندوستان کی آزادی کا سہرا دوسری قوموں کے ساتھ مسلمانوں کے سر بھی رہنا چاہئے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ غیر ملکی حکمرانوں سے گلوخلاصی کے لئے مسلمانوں کے اندر حریت پسند تنظیم کا ہونا نہایت اہم ہے۔[1]

نتیجتاً 1929ء میں لاہور میں مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ اس اجلاس میں حضرت امیر شریعتؒ نے جداگانہ حقوق اور انتخابات اور جداگانہ تنظیم کے عنوان سے عوام کو تعاون کی دعوت دی۔ چنانچہ تشکیل جماعت کے پونے دو سال بعد 11 رجولائی 1931ء حبیبیہ ہال لاہور میں اس نئی، فعال، مخلص، انقلابی اسلامی جماعت کا پہلا اہم اجلاس منعقد ہوا۔ جس

1 کاروان احرار جلد اول ص 82

میں کانگریس سے بنیادی اختلافات کی نشاندہی اور اغراض و مقاصد کی تشریح کر کے قوم کو نیا لائحہ عمل دیا گیا۔

❁ صاحبزادہ طارق محمود لکھتے ہیں:

تحریک خلافت کے خاتمہ کے بعد 29 دسمبر 1929ء معروف راہنماؤں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، چوہدری افضل حقؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، غازی عبدالرحمٰن امرتسریؒ، شیخ حسام الدین مولانا مظہر علی اظہر نے مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی جولائی 1931ء میں حبیبہ ہال میں اس کا باضابطہ اجلاس چوہدری افضل حقؒ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ [1]

مجلس کی تشکیل کے تین سال بعد ہی احرار کا علم "ہاتھ میں لے کر انہوں نے "آزادی کشمیر" کی جنگ شروع کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ اس تحریک میں 6005 رضا کار گرفتار ہوئے۔

مجلس احرار اسلام کے مقاصد

(1) ہندوستان کے لئے پُرامن ذرائع سے کامل آزادی حاصل کرنا۔

(2) سیاسیات ہند میں مسلمانوں کی صحت کا بھرپور کردار۔

(3) مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے لئے کوشش کرنا۔ [2]

تصوف سے دلچسپی

شاہ جی کو تصوف سے مناسبت ضرور تھی۔ لیکن نہ تو وہ روایتی صوفی تھے نہ روایتی وہابی۔ ان دونوں کے بین بین تھے۔ ان کا قادری۔ چشتی نقشبندی سلسلوں سے باطنی رابطہ سا تھا۔ مگر وہ تصوف کو اسلام سے کوئی مختلف چیز نہیں سمجھتے تھے۔

وہ اصطلاح احسان سے تعبیر کرتے تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک احسان ایک ایسی عبادت ہے گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ ظاہر ہے

1۔ روزنامہ آزاد لاہور 30 اگست 1962ء

2۔ کاروان احرار جلد اول ص148

کہ نظریہ کا یہ فیضان کتابوں سے نہیں بلکہ بزرگوں کی صحبت اور ان کی توجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

شاہ جیؒ ان معنوں میں ضرور صوفی تھے کہ وہ جن چیزوں کو معروفات کے تحت مانتے تھے۔ ان کے نزدیک وہ علم الیقین اور عین الیقین ہی نہیں بلکہ حق الیقین کا درجہ رکھتی تھیں ان کا عقیدہ تھا کہ تصوف وجدان کی تنقیح کرتا ہے۔ اور علم سے وسعتِ فکر پیدا ہوتی ہے۔ اس بارے میں ان کا نقطۂ نگاہ امام مالک کا تھا۔ جو شخص صوفی ہوا اور فقیہ نہ ہوا وہ گمراہ ہوا اور جو فقیہہ ہوا اور صوفی نہ ہوا وہ فاسق رہا۔ جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہو گیا۔

الغرض ان کے نزدیک باطنی شعور کے تصفیہ و اتقا کا نام تصوف تھا (جس کے حصول کے لئے آپ نے پہلے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ آپ کی وفات کے بعد قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ حضرت رائے پوریؒ سے اس حد تک تعلق آگے بڑھا۔ کہ حضرت آپ کو مرشد فرمایا کرتے حضرت رائے پوریؒ سے سننے والے حضرات اب بھی زندہ ہیں حضرت نے شاہ جیؒ کی تعریف و توصیف میں فرمایا کہ انہوں نے عرصہ بہت ذکر اذکار کئے) جس تصوف سے مسکنت پیدا ہو یا خلق خدا سے کنارہ کشی پر منتج ہو۔ وہ اس سے سخت بیزار تھے انہوں نے عنفوانِ شباب میں سلوک و طریقت کی کچھ منزلیں طے کیں۔ تزکیہ نفس کے لئے دو دو سال تک متواتر روزے رکھے چھ چھ گھنٹے میں قرآن مجید ختم کیا۔ ستاروں سے بازی لگائی تو انہیں ہرا دیا۔ کئی کئی روز پانی میں نمک ملا کر جو کے ستوؤں پر بسر کی۔ تنور کی روٹی کے خستہ ٹکڑوں پر گزارہ کیا۔ غرض اس ریاضت کا نتیجہ یہ نکلا کہ قسامِ ازل نے خطابت کا جوہر آپ میں ودیعت کیا تھا تلواروں کی طرح صیقل ہو گیا۔ [1]

نوٹ :۔ بعض لوگ یہ کہتے سنے گئے کہ شاہ جیؒ نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے بیعت توڑ لی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بندہ نے جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر ابو معاویہ بخاریؒ سے استفسار کیا تو مرحوم نے فرمایا کہ شاہ جیؒ حضرت پیر صاحب گولڑویؒ کی وفات تک ان سے منسلک رہے ان کی وفات کے بعد 1931ء قطب الارشاد حضرت رائے پوریؒ سے متعلق ہو گئے۔

✿✿✿✿ ..... ✿✿✿✿

---

1 ہفت روزہ "چٹان" لاہور 28 اگست 1961ء

قومی زندگی کا آغاز

''شاہ جی'' نے قومی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے کیا۔ یہ وہ دور تھا۔ جب برطانوی سامراج نے ترک کی خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے شروع کر دیئے۔ اور کمال اتاترک سے خلافت کے خاتمہ کا اعلان کرایا۔ جس سے برِ صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں اشتعال لازمی امر تھا۔''

چنانچہ منشی احمد دین لکھتے ہیں:

1919ء کے فوراً بعد جب امرتسر کے لوگ مارشل لاء اور جلیانوالہ باغ کے حادثہ جانکاہ پر بری طرح نڈھال تھے۔ یکا یک لفظ خلافت سننے میں آیا۔ اس وقت مولانا محمد داؤد غزنوی پہلے بزرگ تھے جو میدان میں نکلے اور انہوں نے مسلمانوں کو مسئلہ خلافت سمجھانا شروع کیا۔ ساتھ ساتھ دولت عثمانیہ ترکی کے خاتمہ کا ماتم بھی کیا۔ یہ زمانہ عالم اسلام پر چاروں طرف سے مصیبتوں اور آفتوں کا زمانہ تھا۔ جزیرۃ العرب اور دیگر مقامات مقدسہ غیروں کے قبضہ میں تھے۔ جب اس اجمال کی تفصیل مسلمانوں کو سنائی جانے لگی تو مسلمان عوام کے اندر صدمہ اور جوش کی ایک لہر پیدا ہوگئی۔

حضرت شاہ صاحبؒ اس وقت صرف مذہبی وعظ فرماتے تھے وہ مولانا داؤد غزنوی کے ساتھ شریک نہ ہوئے البتہ کبھی کبھی مولانا غزنوی کے نظریہ پر شاہ صاحب مخالفانہ انداز بھی اختیار کر لیتے۔ مجھے شاہ صاحب نے بتایا کہ ایک بار مولانا داؤد صاحب نے خود کوشش کر

نے مجھ سے ملاقات کی اور کئی گھنٹوں کی ملاقات میں موجودہ مسئلہ کو کھول کر بیان کیا۔ تب شاہ صاحب قائل ہو گئے پھر کیا تھا پھر تو امرتسر کے مسلمانوں کی کایا ہی پلٹ گئی۔ شاہ صاحب کا عہد جوانی اور ساتھ ساتھ جوشِ ایمان اور قوت بیان...... ایک آگ لگ گئی۔

میرے لئے سیاسی جلسوں میں شمولیت کا پہلا موقع تھا مسئلہ خلافت اور انگریز حکومت کی چیرہ دستیاں مسلمانوں کے دلوں کے زخموں پر نمک کا کام دیتی تھیں۔ امرتسر ابھی ابھی زخم کھا کر نکلا تھا مگر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریروں اور مذہبی وعظوں نے ہندو مسلمان سب کے اندر بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا۔ اتنے میں 1919ء کا دسمبر آ گیا اور کانگرس کا سالانہ جلسہ زیر صدارت پنڈت موتی لال نہرو امرتسر میں منعقد ہوا، ساتھ ساتھ مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ بھی حکیم اجمل خان صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔

یہ دسمبر امرتسر کے لئے تو بارانِ رحمت ثابت ہوا کہ ہندوستان کے تمام لیڈر امرتسر پہنچ گئے جو جیلوں میں تھے وہ رہا کر دیئے گئے۔ علی برادران (مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی) بھی جیل سے رہا ہو کر سیدھے امرتسر وارد ہوئے یہ زمانہ علی برادران کے عروج کا زمانہ تھا۔ مولانا شوکت علی کی صدارت میں آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا محمد علی نے حالات حاضرہ اور عالم اسلام کی تباہی و بربادی پر تقریر کی۔ اس جلسہ میں جناب شاہ صاحب نے تقریر فرمائی اور دس لاکھ روپیہ چندہ کے لئے اپیل کی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور روپیہ کی فراہمی شروع ہو گئی۔ مولانا ظفر علی خان اس جلسہ میں موجود تھے مگر حکومت کی طرف سے ان کو تقریر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ زمانہ زمیندار اور مولانا ظفر علی خان پر انگریزوں کے انتہائی عتاب کا تھا۔ مگر اسی اجتماع میں اُن کو تار ملا کہ مولانا کی زبان بندی ختم کر دی گئی ہے۔ تب امرتسر کا یہ قومی ہفتہ پوری شان سے منایا گیا۔ یہیں شاہ صاحب کا گہرا تعلق علی برادران سے ہو گیا۔

مولانا آزادؒ کے ہاتھ بیعت جہاد

کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کا دورہ پنجاب ہوا یہ دورہ زیادہ تر مذہبی تھا اور مولانا مسلمانوں سے بیعت جہاد لے رہے تھے۔ لاہور کی شاہی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد رانا فیروزالدین نے (جو اس وقت خلافت کمیٹی پنجاب کے سیکرٹری جنرل تھے) اعلان کیا کہ جو

مسلمان مولانا آزاد کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے وہ کر سکتا ہے اس مجمع کے آخر میں شاہ صاحب حوض کے قریب ہی کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ہی مولانا عبدالقادر صاحب قصوری بھی تھے۔ شاہ صاحب نے سنا تو سخت بے چین ہوئے۔ مولانا عبدالقادر صاحب سے کہا کہ دیکھو سب کام خراب ہو رہا ہے یہ کہہ کر شاہ صاحب نے ایک پھلانگ لگائی اور لوگوں کے گویا سروں سے گزرتے ہوئے ممبر تک پہنچ گئے صدر خاموش تھا ان سے کہا کہ میں اس اعلان کی وضاحت کروں گا۔ مولانا عبداللہ قصوری خاموش رہے۔ شاہ صاحب نے اپنی خداداد قرأت اور بلند آواز سے مجمع کو اپنی طرف متوجہ کر لیا یہ پہلا موقعہ تھا کہ مولانا آزاد بھی محو حیرت شاہ صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے شاہ صاحب نے اس عظیم الشان مجمع کو چند منٹوں کے اندر اندر اپنی گرفت میں لے لیا اور اس نقطہ کی وضاحت فرمائی کہ جو لوگ پہلے کسی مرشد سے بیعت ہیں ان کی اس بیعت سے اثر نہیں پڑتا وہ بیعت ارشاد تھی اور یہ بیعت جہاد ہے۔''

یہ کہہ کر اپنے ہاتھ مولانا آزاد کے ہاتھوں میں دے دیئے اور کلمات بیعت کا ورد شروع کیا۔ شاہ صاحب پہلے پڑھتے پھر تمام مجمع پڑھتا تھا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تمام در و دیوار سے یہی آواز آ رہی ہے۔ ایسا منظر پھر زندگی میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس واقعہ کے بعد شاہ صاحب کا تعلق براہ راست مولانا آزاد سے ہو گیا۔

علی برادران امرتسر میں رہا ہو کر پہلی بار آئے تو اُس وقت ان کا نعرہ مسلمانوں کے لئے ایک ہی تھا ہجرت یا جہاد کیونکہ مسلمانانِ عالم پر ایسا تاریک دور تھا کہ انہیں کوئی راستہ نہیں ملتا تھا برطانیہ پہلی جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد اتنا مغرور تھا کہ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ برطانیہ کا وزیر اعظم جنگ عظیم کا فاتح یہودی تھا۔ عرب کے بھی کئی ٹکڑے کر کے رکھ دیئے۔ اس کے علاوہ ایشیا اور افریقہ کا کوئی خطہ ایسا نہ تھا جو آزاد ہو ایران، افغانستان، عرب، مراکش، الجزائر، مصر تمام بلاد اسلامیہ برطانیہ یا اُن کے اتحادیوں کے زیر تصرف تھے فلسطین پر جب انگریزوں کا قبضہ ہوا تو فاتح فوجی افسر کے سینے پر تمغہ آویزاں کرتے ہوئے برطانیہ کے یہودی وزیر اعظم نے کہا تھا یہ آدمی صلیبی جنگ کا فاتح ہے اس نے فلسطین کو فتح کیا ہے۔''

حالانکہ دورانِ جنگ میں برطانیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ فتح

کی صورت میں عرب اور مقامات مقدسہ آزاد رہیں گے اور یہ جنگ مذہبی نہیں ہے سیاسی ہے۔
لیکن وہ وعدہ ہی کیا جس کو انگریزوں نے پورا کیا ہو۔[1]

ہجرت

حضرت شاہ صاحب کی زندگی کے حالات مختصر ہی کیوں نہ بیان ہوں مگر وہ نامکمل اور سراسر نامکمل رہیں گے اگر تحریک ہجرت کا ذکر ان کے ساتھ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس تحریک کے روح رواں شاہ صاحب ہی تھے۔ اگر اس قافلہ کے ہراول جناب عزیز ہندی تھے۔ جنہوں نے پہلے پہل اس کا بیڑا اٹھایا۔

اس بات کی تفصیل آج میں کافی حد تک بیان کرنے کی پوزیشن میں ہوں جو حقیقت حال پر مبنی ہوگی میرے بعد اب کوئی دوسرا آدمی زندہ بھی نہیں جو اس تحریک کے بنیادی پہلو پر روشنی ڈال سکے۔ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد ہمیشہ سے ہندوستان کے انقلاب کی پناہ گاہ رہی ہے اور افغانستان میں جب غازی امان اللہ خان برسراقتدار آئے تو آزادی ہند کے حامی تھے۔ مگر ان کی مجبوری تھی کہ ان کے والد کے زمانہ ہی سے شاہِ افغانستان انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا۔ عملاً برطانوی سفیر مقیم کابل کی حکومت افغانستان میں تھی۔ بادشاہ برائے نام ہی تھا امان اللہ نے آتے ہی پہلا حملہ جب انگریزی سرحد پر کیا تو اس وقت انگریزی فوج بہت کم تھی اور پنجاب میں شورش ہونے کی وجہ سے مارشل لاء نافذ تھا۔ فوج پنجاب میں تھی۔ حکومت ہند کے لئے وقت بڑا مشکل تھا اس افغانی حملہ کی وجہ سے ایک تو عملاً مارشل لا اٹھ گیا۔ دوسرے پنجاب کی شورش کے باعث انگریزوں کو امان اللہ سے عارضی صلح کرنا پڑی۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو انگریزوں کا پنجاب کو پریشان کرنے کا فیصلہ ابھی بہت باقی تھا۔ اس کا ایک فائدہ ہندوستان کو یہ بھی ہوا کہ حکومت برطانیہ کی پالیسی ہندوستان کی طرف عارضی طور پر کچھ نرم پڑ گئی۔

ان تمام حالات کے باوجود 1920ء کا ہندوستان سخت آزمائش سے گزر رہا تھا اس کو کوئی راستہ نہ ملتا تھا کہ وہ اب کیا کرے؟ یہی وہ دور ہے جب ہجرت کی تحریک یکا یک شروع ہوئی اور اس کا اثر مسلمانوں پر بے پناہ ہوا۔

1۔ ''چٹان'' لاہور سالنامہ 1962ء ص 86

حضرت شاہ صاحب نے کافی غور و فکر کے بعد اس میں ہاتھ ڈالا کیونکہ حکومت افغانستان نے اپنی طرف ہجرت کرنے والوں کو بلایا اُس سے امید کی یہ کرن پیدا ہوئی کہ شاید حکومت پر کچھ دباؤ پڑ جائے اور وہ مسلمانانِ ہند کے مطالبات پر توجہ دے۔ اب شاہ صاحبؒ نے ہجرت کی تحریک میں جان ڈالنی شروع کی۔

پنجاب سندھ اور صوبہ سرحد کے اندر تو یہ قابو سے باہر ہوگئی اور حکومت انگریزی سخت گھبراہٹ میں پڑ گئی۔ سپیشل گاڑیاں بھی چلنی شروع ہوگئیں۔ صوبہ سرحد کے چیف کمشنر سر سمٹن کرافٹ نے تو ایک قافلہ کو ہاتھ جوڑ کر روکنے کی کوشش کی مگر مسلمان سر پر بکف جا رہا تھا اور اپنی لاکھوں کی جائیداد کو چھوڑ کر بے وطن ہو رہا تھا۔ جب یہ تحریک زوروں پر تھی تب سرکار انگریزی کی مشنری حرکت میں آئی سینکڑوں کی تعداد میں انگریز کے ایجنٹ مسلمان ان قافلوں میں شامل ہو گئے تا کہ انتشار پیدا کر سکیں۔

حکومت افغانستان نے اپنی بساط کے مطابق مہاجروں کا استقبال کیا اور ان کو جاتے ہی زمین وغیرہ دے دی کہ یہ اپنی روزی وغیرہ کا کچھ بندوبست کریں۔ مگر انتشار پسندوں نے پہلے سے ہی مہاجرین کے اندر بددلی پیدا کرنی شروع کر دی حالانکہ راستہ میں غیر علاقہ کے افغانوں نے اپنی اسلامی جذبہ کا بڑھ چڑھ کر ثبوت دیا۔

اسی دوران میں ہندوستان کی تحریک خلافت کے راہنما مولانا شوکت علیؒ نے شاہ امان اللہ خان کو ایک زبانی پیغام بھیجا۔ جس سے شاہ امان اللہ کو یہ پیغام دے کر اس کا ردِعمل معلوم کرنے کی کوشش کی جو خاموشی کی صورت میں ملا۔ مولانا شوکت علی نے شاہ کو یہ پیغام دیا کہ:

> '' آدمی، روپیہ سب طرح سے ہم انگریز کے خلاف تمہاری مدد کریں گے، مگر ہندوستان کی زمین کا ایک انچ بھی نہیں دیں گے۔''

یہ پیغام سن کر امان اللہ خان دم بخود رہ گئے۔

دوسری طرف حکومت انگریزی نے افغانستان کی خودمختاری مان لی جس کے لئے کابل کی حکومت جدوجہد کر رہی تھی مگر ساتھ ہی کابل کی حکومت کو اشارہ مل گیا کہ حکومت ہند سے تعلقات بہتر کرنے کی ایک راہ یہ بھی ہے کہ مہاجرین کو ہندوستان واپس بھیج دو۔ ان دونوں نے

حکومت کابل کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ اس نے مہاجرین کی پشت پر جو دست شفقت رکھا تھا وہ واپس لے لیا۔ تب مہاجرین کے لاکھوں کے اجتماع کے اندر پریشانی اور انتشار شروع ہوا۔ پھر وہ طبقہ بھی مہاجرین کے اندر ہی تھا جو اپنے لئے موقع کی تلاش میں تھا۔ اُس نے بھی فائدہ اٹھایا۔ اس طرح یہ تحریکِ ہجرت ناکام ہوئی مگر افغانستان آزاد ہو گیا۔

اس ناکامی کے ساتھ ہی مہاجرین کے قافلے واپس آنے شروع ہوئے اور افغان سرکار کا شکوہ شروع ہو گیا۔ بات بھی یہی تھی کہ افغانستان والوں نے جس طرح دعوت دی تھی پھر ویسا سلوک نہیں کیا۔ وہ بھی مجبور تھے ان کی سیاست اس کی اجازت نہ دیتی تھی۔ اس تحریک کا سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی طبیعت پر بھی اثر ہوا۔ انہوں نے اپنا قیام امرتسر کی بجائے گجرات پنجاب میں تبدیل کر لیا۔[1]

تحریک عدم تعاون اور قومی تعلیم

حضرت شاہ صاحبؒ شروع شروع میں تو عدم تشدد اور عدم تعاون کے قائل نہیں تھے بلکہ اس کے خلاف اُن کی کئی ایک تقریریں میں نے سنی ہیں۔ لیکن اگست 1920ء میں کانگریس کا سپیشل اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ جہاں گاندھی جی نے اپنا لائحہ عمل کانگریس کے سامنے رکھا۔ اس کام میں گاندھی جی تن تنہا تھے۔ صرف مولانا آزادؒ اُن کے ساتھ تھے جن کے ساتھ گاندھی جی کی نئی نئی ملاقات ہوئی تھی۔ ''عوامی ایجی ٹیشن'' کے لئے شوکت علی اُن کے ساتھ تھے باقی سب لیڈر خلاف تھے۔ اس اجلاس کے صدر ''لالہ سنجپت رائے'' بھی اس پروگرام کے خلاف تھے۔ شاہ صاحبؒ اس اجتماع میں مولانا آزاد کی تقریر سے متاثر ہو کر اس پروگرام کے حق میں ہو گئے۔ جب کلکتہ سے لوٹے تو وہ ایک نئے سانچہ میں ڈھلے ہوئے تھے۔ شاہ صاحبؒ میں انگریز دشمنی تو کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انگریز کی ڈپلومیسی اور اس کی تلوار نے تمام مسلمانانِ عالم کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کر دیا تھا۔

شاہ صاحب یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اگر ہندوستان انگریز کی غلامی سے آزاد ہوتا ہے تو عالم اسلامی کی غلامی کی زنجیریں سب کی سب ٹوٹ کر گر جائیں گی لیکن ہندوستان کی آزادی کے

1۔ ہفت روزہ چٹان 15 جنوری 1962ء ص 82

لئے ہندو مسلم کا اتحاد بنیادی بات ہے اگر یہ نہیں ہے تو سب کام بیکار ہیں چنانچہ کانگرس کی راہنمائی میں ترک تعاون کی تحریک کا آغاز ہوا۔

جمعیت علماء ہند نے پولیس اور فوج کی نوکری کے حرام ہونے کا اعلان بھی کر دیا گاندھی جی نے کہا کہ وکیل وکالت کا پیشہ چھوڑ دیں۔ اسکول اور کالج کے طالب علم طالب علمی چھوڑ دیں۔ اس فقرے پر اب سارے ملک میں کام ہونے لگا ہزاروں کی تعداد میں طالب علم اپنی تعلیم ترک کر کے درسگاہوں سے باہر آ گئے ...... نیشنل تعلیم کے لئے مختلف کالج اور سکول قائم ہوئے جس میں قومی تعلیم شروع ہوئی جس کا مقصد آزادی کی جنگ کے لئے سپاہی اور لیڈر مہیا کرنا تھا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے گجرات میں "آزاد ہائی اسکول" کی بنیاد رکھی۔

جیسی ان کی طبیعت تھی ویسا کام ہوا، ایک طوفان اٹھا اور گجرات کے ضلع سے جو سب سے زیادہ رجعت پرست مانا گیا ہے ایک لاکھ روپیہ سکول کے لئے جمع ہو گیا۔ عمارت تیار ہو گئی، ہزاروں کی تعداد میں طالب علم حصول علم کے لئے اس سکول میں داخل ہوئے۔ مولانا آزاد خاص کر سکول کی وجہ سے گجرات تشریف لے گئے اور اہل گجرات نے ان کا شاندار استقبال کیا۔

لطیفہ

☆ حضرت شاہ صاحب رونق محفل تھے ہی، خلوت ہو یا جلوت سکہ آپ کا چلتا تھا مگر قدرت نے مجمع عام میں فتح کا سہرا انہی کے لئے مخصوص کر رکھا تھا آزاد ہائی اسکول کا چندہ کرتے کرتے شاہ صاحب کا دورہ وزیر آباد کے شہر میں ہوا جو گجرات کا ہی حصہ ہے مگر وزیر آباد کے شاطروں نے شروع سے ہی طے کر رکھا تھا کہ اس شہر میں کسی کا قدم نہ جمنے دیا جائے وہ کتنا نیک مقصد لے کر ہی کیوں نہ آیا ہو۔ اس سازش میں انگریز پرست شامل تھے۔ جب پہلی بار گاندھی جی بھی اس شہر میں وارد ہوئے حالانکہ وہ صرف پنجاب پر کئے گئے مظالم کی تحقیقات کے لئے تھا تو کسی نے بھی ان کو اپنے گھر پر ٹھہرانے کی جرأت نہ کی تھی۔ وزیر آبادی مسلمانوں کا تو یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی مہمان قومی یا مذہبی کام کے لئے باہر سے آتا اس کی خوب خاطر تواضع کرتے اور جب پبلک جلسہ ہو یا مسجد کے اندر خطبہ ہو تو عین اُسی حالت میں آپس میں دست و گریبان ہو جاتے، مگر کوئی گزند نہ پہنچتا لیکن اس طرح جلسہ کے امن کو برباد کر دیتا۔

حضرت شاہ صاحب وزیر آباد تشریف لے آئے اور نماز جمعہ کے لئے شاہ صاحب سے درخواست کی گئی کہ آپ ہی پڑھائیں۔ شاہ صاحب کو اس شہر کے لوگوں کا کردار معلوم تھا مگر انہوں نے قبول کر لیا اور خطبہ کے ابتدائی حصہ میں ہی مسلمانوں کو اتنا گرمایا کہ سوائے شاہ صاحب کی بات سننے کے کسی کا اور کسی طرف خیال نہ گیا شاہ صاحبؒ نے نماز سے قبل ہی چندہ کر لیا اور روپیہ قابو کر کے ایک آدمی کے سپرد کر دیا کہ وہ لے کر گجرات چلا جائے تب مجمع میں نماز ادا ہوئی۔ نماز کے بعد جب ان شیطانوں کو پتہ چلا روپیہ بھی باہر جا چکا ہے تو وہ آکر شاہ صاحب کے پاؤں پر گر گئے اور کہا کہ ہم ہارے اور آپ جیتے۔ قصہ شاہ صاحب کی زبانی میں نے سنا تھا کہ آزاد ہائی اسکول کا کام زوروں پر تھا اور شاہ صاحب دن رات اسی میں مصروف تھے کہ امرتسر تشریف لے گئے ان کی ہمشیرہ کی شادی تھی۔ وہ ان کی تیاری کے لئے آئے تھے۔ امرتسر کے لوگوں نے نماز جمعہ کے بعد حضرت شاہ صاحب کا وعظ مسجد خیر الدین مرحوم میں رکھا یہ وعظ ان کی گرفتاری اور تین سال قید کا باعث ہوا۔ اس تقریر کا موضوع تھا ''حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی ٹکر'' جس میں آخری شکست فرعون کی ہوئی شاہ صاحب نے آزادیٔ ہند کی اس تحریک کا انجام انگریز حکومت کی موت اور اہل ہند کی فتح پر ختم کیا۔ شاہ صاحب کا طرز بیان اور پھر مضمون کی دلچسپی نے اہل امرتسر کو مبہوت کر دیا۔ اس کا اثر حکومت نے بھی لیا۔ دفعہ 124 الف کے تحت مقدمہ چلا کر تین سال قید سخت کی سزا دی غالباً یہ پنجاب کا دوسرا مقدمہ تھا۔ اس سے قبل پانی پت کا مقدمہ چل رہا تھا یہ تحریک آزادی کی آزمائش کا زمانہ تھا کہ جو بھی گرفتار ہو وہ مقدمہ میں نہ تو صفائی پیش کرے اور نہ وکیل کرے، صرف ایک بیان دے کر عدالت کا فیصلہ سن لے۔ اس وقت یہ بہت اہم بات تھی اور شاہ صاحب کے لئے بھی یہ روز اوّل ہی تھا۔ مگر شاہ صاحب نے بیان میں چند آیات قرآنی تلاوت فرما کر بیان ختم کر دیا۔ اس کا اثر عدالت کے کمرہ میں ایسا ہوا جیسا کہ ماحول ہی بدل گیا ہو۔ سزا کے بعد شاہ صاحب لاہور سنٹرل جیل میں پہنچا دیئے گئے جہاں کچھ نئے پولیٹیکل قیدی پہلے سے موجود تھے۔ اس زمانے کی جیل کی خوراک خدا کی پناہ۔ آدمی کھا نہیں سکتا تھا۔ لاہور جیل کا داروغہ پنجاب کا مشہور جابر و ظالم جیلر تھا جس کو نواب بیگ کے نام سے یاد کرتے تھے، جب وہ شخص جیل کے اندر داخل ہوتا تو خدا

کو بھول جاتا۔

شاہ جیؒ کا بیان ہے کہ پہلے دن کھانے کی قطار میں بیٹھا تو دو روٹیاں اور دال لوہے کے ایک برتن میں ڈال دی۔ حال یہ تھا کہ اگر دونوں ہاتھ کھول کر وہ روٹی ہاتھوں پر نہ کی جاتی تو زمین پر دو ٹکڑے ہو کر گر جاتی۔ یہ روٹی چنے اور گندم کے آٹے کی ہوتی مگر اس میں آٹے سے زیادہ کچھ اور ہی ہوتا اور کچی رکھی جاتی تا کہ وزن ٹھیک رہے۔ میں نے دال کو دیکھا تو اس میں پانی زیادہ تھا۔ تب میں نے کوشش کی کہ پانی تھوڑا گرا دیا جائے کچھ دال کے دانے نیچے سے مل جائیں گے تو روٹی کھا سکوں گا۔ میں رفتہ رفتہ پانی گراتا گیا اور اس انتظار میں رہا اب دال نظر آتی ہے مگر سب پانی ختم ہو گیا اور دال نہ ملی۔ اُدھر جیل کے بند ہونے کا وقت ہو چکا تھا۔ کوئی دوسری صورت سامنے نہ تھی نمک مرچ یا کسی دوسری چیز کا ملنا تو کارِ مشکل تھا اس شام صبر و شکر کے ساتھ صبح کرنی پڑی اس کے بعد یہ قافلہ کچھ ماہ بعد پنجاب کے سرحدی ضلع میانوالی جیل میں منتقل کر دیا گیا۔

میانوالی ڈسٹرکٹ جیل

میانوالی جیل میں ایک کے بعد دوسرا بزرگ آزادی کی راہ اختیار کرتا ہوا پہنچتا رہا اور یہ قید اہل علم و دانش کی اور سیاسی مفکروں کی مجلس بن گئی۔ گاندھی جی نے سول نافرمانی انفرادی طور پر شروع کی۔ میانوالی جیل میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ مولانا داؤد غزنویؒ، عبدالمجید سالک مولانا اختر علی خاں صاحب، صوفی اقبال احمد انصاری پانی پتی، مولانا احمد سعید دہلوی صاحب، عبدالعزیز صاحب انصاری، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی اور ان کے علاوہ مشہور کانگرسی بزرگ مولانا عبداللہ چوڑی والے، لالہ شنکر۔ لال دیتش، بندھو گیتا وغیرہ لوگ تھے۔ باقی والنٹیر کوئی ڈیڑھ سو کے قریب تھے۔ میں بھی ایک رضا کار کی حیثیت سے سزایاب ہوا اور امرتسر سے میانوالی جیل میں ایک گروہ کے ساتھ پابجولاں بھیج دیا گیا کچھ دن بعد میری پہلی ملاقات جناب شاہ صاحب ہوئی۔

یہ **1923**ء کے شروع کی بات ہے۔ مجھ جیسے نو آموز کے لئے یہ ماحول زندگی کا سرمایہ بنا شاہ صاحب نے بکمال مہربانی مجھے قرآن کریم ناظرہ پڑھایا میں بالکل نابلد اور جاہل

نوجوان تھا اُن کی فیض صحبت نے میری جیل کی زندگی میں تربیت فرمائی جس کا میں شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد زندگی بھر کے لئے ایک دلی تعلق قائم ہو گیا۔

جب کبھی امرتسر سے باہر دورے پر جاتے تو واپسی پر اپنے دورے کے خاص خاص واقعات مجھے بٹھا کر سناتے جو آج مجھے حفظ ہیں۔ ہم رہا ہوئے تو زمانہ بدل چکا تھا۔ کانگرس کی تحریک کو بند ہوئے دو سال گزر چکے تھے اور ملک کے اندر فرقہ وارانہ سرگرمیاں جاری تھیں۔ خلافت اور کانگرس تحریک کے مقابلے پر رجعت پرست مسلمان اور ہندو میدان میں اتر چکے تھے جن کو کم و بیش حکومت کی معاونت حاصل تھی۔

اہل گجرات نے شاہ صاحب کا شاندار استقبال کیا اور کوشش کی کہ وہ گجرات شہر میں ہی قیام کریں مگر وہ اپنے پرانے امرتسر شہر میں ہی آ کر مقیم ہوئے۔

شاہ صاحبؒ ہندو مسلم اتحاد کے لئے دل سے قائل تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی سیاسی مقصد نہ بھی ہو تو بھی ایک اچھی شہری زندگی کے لئے نیک ہمسایہ کے طور پر ہمیں گزر بسر کرنی چاہیے۔ وہ 1923ء سے لے کر 1927ء تک پنجاب خلافت کمیٹی ہی کے ممبر رہے اور قومی کاموں کے لئے وہ باہر دورے پر جاتے تھے۔

کیونکہ ان کی مانگ سارے ملک میں ہمیشہ رہتی تھی جس کو وہ بخوبی پوری بھی نہیں کر پاتے تھے۔ شاہ صاحب مسلمانوں کے اندر رسومات قبیح کے سخت خلاف تھے اور اس پر ہمیشہ اپنی تقریروں میں زور دیتے تھے۔ جو شریعت حقہ کے خلاف تھیں۔ بعض مقامات پر دولت پسندوں سے ان کا جھگڑا بھی ہو جاتا۔ مگر وہ اپنی بات پر پہاڑوں کی مانند قائم رہتے۔[1]

خانقاہ ڈوگراں

اگر میں غلطی نہیں کرتا تو ایک آدمی بالکل غریب مفلوک الحال لاہور ہی میں شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خانقاہ ڈوگراں چلنے کے لئے شاہ صاحب کو مجبور کرنے لگا۔ وہ انکار کرتے رہے مگر بعد میں پتہ چلا کہ وہ شاہ جی کو اپنے ساتھ ہی لے گیا جب شاہ صاحبؒ

1۔ چٹان لاہور ص 83

تیسرے دن واپس تشریف لائے تو انہوں نے حسبِ دستور مجھے یہ بتایا کہ:

جب میں اس بستی میں پہنچا تو وہاں کسی کو معلوم نہ تھا کیونکہ مجھے لے جانے والا آدمی ہی وہ بالکل اکیلا تھا اور بستی غالباً ساری کی ساری راجپوت مسلمانوں کی تھی جن کو مذہبی وعظ وغیرہ سے کچھ زیادہ لگاؤ نہ تھا۔ میں ایک مسجد میں ٹھہرا۔ اسی آدمی نے خود ہی ٹین بجا کر اعلانِ وعظ کیا۔ جلسہ کے لئے جو جگہ تجویز کی وہ ایک تکیہ تھا اور اس کے باہر ایک بڑ کا درخت تھا۔ اس کے نیچے انتظام کیا گیا۔ جب میں جلسہ گاہ میں پہنچا تو وہاں عجیب منظر تھا کوئی پچاس آدمی زیادہ سے زیادہ ہوں گے اور کوئی سو گز کے فاصلہ پر ایک مداری اپنا کھیل وغیرہ دکھا رہا تھا جہاں ڈیڑھ سو آدمی تھے اس کیفیت کو دیکھ کر مجھے سخت مایوسی ہوئی اور میں سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں؟ یکا یک مجھے خیال آیا کہ تو ہزاروں آدمیوں کی حاضری میں تو خوش ہو کر جذبہ کے ساتھ بولتا ہے مگر یہاں بھی تو خلق خدا ہی ہے۔ اگر اللہ کا پیغام ان چند آدمیوں کو سنائے گا تو کیا تیرا کچھ بگڑ جائے گا اس خیال کا آنا تھا کہ میرے جسم میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی دل میں دعا کی کہ مولا کچھ سامان یہاں بھی کر دے کہ تیرے بندوں میں تیرا پیغام پہنچا سکوں۔ اتنے میں ایک پولیس والا آیا اس نے اس مداری کو جو دور تماشا دکھا رہا تھا مار بھگایا۔ جو لوگ وہاں تھے وہ اب میری تقریر میں شامل ہو گئے۔ اب حاضری دو سو کے قریب ہو گئی تب میں نے اپنے وعظ کا ڈھنگ بھی بدلا۔ آدھ گھنٹہ کے اندر اندر گاؤں کے بڑے بڑے زمیندار راجپوت سب کے سب آ کر اس وعظ میں شریک ہو گئے تب میں نے تقسیم وراثت کا قرآن حکیم کا فیصلہ مسلمانوں کے سامنے رکھا اور یہ بھی کہا کہ پنجاب کے زمیندار مسلمان جس میں سید، پٹھان، مغل، راجپوت، جاٹ سب شامل ہیں 1857ء سے لے کر آج تک جتنے بندوبست ہوئے ہیں ان سب نے قرآن سے انکار کر کے ہندو قانون یعنی رواج کو مانا ہے ایسی حالت میں ہم میں سے کون مسلمان ہے اور کون نہیں اس کا فیصلہ تم کسی مفتی شرع سے جا کر کروالو۔

اس بحث کا شروع ہونا تھا کہ زمیندار طبقہ اٹھا اور آوازیں آنی شروع ہوئیں کہ:۔

''ایک مولوی ہماری بے عزتی کر رہا ہے۔''

اس پر شاہ صاحبؒ نے قرآن حکیم کے مکمل قانون کا انگریز کی عدالت میں کھڑے ہو

کر انکار کرنا وہ بھی اس زمین جائیداد کے لئے جو اسی کی عنایت سے تمہارے پاس ہے اس پر ناراض ہوتے ہو کہ ایک معمولی مولوی ہماری بے عزتی کرتا ہے۔

تھوڑا سوچ لو میں لاہور سے چل کر آیا ہوں اور ریل کا کرایہ میں نے اپنی جیب سے دیا ہے واپسی کا میری جیب میں ہے۔ تمہاری مسجد کی روٹی میں نے کھائی نہیں پھر تمہارا مجھ پر دباؤ کیسا؟ رہا زمانہ جہالت کی یا ذات کا سوال تم راجپوت یا جاٹ ہو تو میں سید ہوں پھر بھی تم سے اونچا ہوں۔ ان سب باتوں کو چھوڑ کر جب میں اللہ کا کلام سنانے کے لئے کھڑا ہوا ہوں تو پھر میری جواب دہی تو اس کے سامنے ہے تمہاری ہستی ہی کیا ہے؟ تین گھنٹے کی مسلسل تقریر کے بعد شاہ صاحب کی فتح ہوئی اور یہ طبقہ زمینداران سرنگوں ہوا پھر تو شاہ صاحب کی حق گوئی اور جادو بیانی نے وہ منظر پیش کیا کہ آخر شاہ صاحب بھی خوش ہو کر اس بستی سے شام کو لوٹے۔

شاہ صاحبؒ کی روزانہ زندگی کے واقعات کچھ اسی قسم کے ہیں اور ہر واقعہ ایک سبق لئے ہوئے ہے۔ قدرت نے ان کو خاص کام کے لئے بھیجا تھا جو انہی کا حصہ تھا۔[1]

کتاب ''رنگیلا رسول'' (حاکم بدہن)

اہل نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ محبت نبوی ﷺ میں بالکل دیوانے تھے جب کہیں سیرت نبوی ﷺ پر وعظ کا موقع آتا تو پھر ان کی سنجیدگی متانت کے ساتھ ساتھ جوش اور ادب عقیدت کا جذبہ ہر لفظ سے ٹپکتا تھا۔ جس زمانے کا میں ذکر کر رہا ہوں یہ غالباً 1927ء کا زمانہ تھا اور میں بھی نوجوانی میں بطور کارکن خلافت کمیٹی میں کام کرتا تھا۔

کہ یکا یک اخبارات کے اندر ایک طوفان اٹھا کہ کسی صاحب چموپتی۔ ایم۔ اے نے اپنے خبث باطن کا ثبوت مہیا کیا ہے اور ایک کتاب ''رنگیلا رسول'' کے نام سے شائع کی اس کتاب کے خلاف خود حکومت نے بھی دفعہ 103 الف کے تحت مقدمہ دائر کیا۔ شائع کرنے والے کو دو سال قید سخت کی ماتحت عدالت سے سزا ہوئی۔ لیکن اپیل ہائی کورٹ میں گئی تو جسٹس دلیپ سنگھ نے ملزم کو بری کر دیا۔ اس فیصلہ کے خلاف ایک ہیجان پیدا ہو گیا جس کا مطلب تھا کہ اسی قسم کا گندہ لٹریچر شائع کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔ اس میدان میں شاہ صاحبؒ، مولانا حبیب

---

1 ''چٹان'' لاہور سالنامہ 1962ء ص 94

الرحمٰن صاحب لدھیانوی، خواجہ عبد الرحمٰن غازی اترے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک قانون بنائے جس سے پیشوایان مذاہب کی عزت کا تحفظ ہو سکے اور جب تک یہ قانون نہیں بنتا ایک ہنگامی قانون نافذ کیا جائے۔ جب لاہور کی حالت خاص طور پر نازک ہوگئی تو حکومت نے پرانا ہتھیار دفعہ **144** نافذ کر دیا۔ ادھر خلافت کمیٹی اپنے جلسہ کا اعلان ...... دلی دروازے کے باہر کر چکی تھی تب شام کے وقت جلسہ احاطہ عبد الرحیم خاں میں کیا گیا اور دفعہ **144** کی خلاف ورزی کا فیصلہ مجلس خلافت پہلے کر چکی تھی۔ اسی جلسہ میں شاہ صاحب کی جادو بیانی کام آئی۔ اور آپ نے سول نافرمانی کا حکم دیا۔ (مولانا محمد علی جالندھریؒ فرماتے تھے۔ کہ اس تقریر میں شاہ جیؒ نے فرمایا کہ جو شخص حضور ﷺ کی توہین کرے تو پھر بھونکنے والی زبان نہ رہے۔ یا سننے والے کان نہ رہیں غازی علم دین شہیدؒ شاہ جیؒ کا مرید تھا۔ شاہ جیؒ کی تقریر سن کر چلا گیا۔ اور شاتم رسول راجپال کو قتل کر دیا۔ [1]

آغا شورش کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ جب راجپال نے کتاب لکھی۔ لاہور میں جلسہ ہوا حضرت مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلویؒ لاہور آئے۔ شاہ جیؒ نے تقریر کی صدارت مفتی کفایت اللہ فرما رہے تھے۔ مولانا احمد سعید دہلویؒ بھی سٹیج پر موجود تھے ...... شاہ جیؒ کھڑے ہوئے خطبہ مسنونہ پڑھا ...... اور بڑی مغموم آواز میں کہا حضرات آج فاطمۃ الزہراؓ آئیں تو مفتی صاحب کانپنے لگے اور احمد سعید بھی۔ کہ شاہ نے کیا کہہ دیا۔ فرمایا ہاں ہاں آئیں تھیں ...... انہوں نے سوال کیا۔ فاطمہؓ نے کہا اے میرے ابا کی مسند کے وارث اور عائشہ نے کہا ایک میرے شوہر کی مسند کے وارث، آج تیرے لاہور میں میرے ابا کی عزت راج پال کی معرفت لُٹ گئی ہے۔ اور ایک نے کہا میرے خاوند کی عزت بازاروں میں لٹائی جا رہی ہے۔ اور تم ابھی تک زندہ ہو۔ [2]

اور انہوں نے پندرہ منٹ صرف اپیل کی مگر نہایت پر زور اپیل ...... اور اس مجمع سے بیس آدمیوں کا پہلا دستہ سول نافرمانی کے لئے روانہ کر دیا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا حتیٰ کہ ساٹھ آدمی گرفتار ہوگئے تھے کہ مسٹر اگلوی ڈپٹی کمشنر لاہور نے جلسہ کے باہر کھڑے ہو کر تین بار یہ کہا کہ:

---

1. خطبات جالندھری ص 185

2. خطبات شورش مندرجہ خطبات ختم نبوت اول 286 ص 285

''کہ میں اس جلسہ کو خلاف قانون قرار دیتا ہوں''

تب یہ جلسہ برخاست ہوا۔ اور یہ خبر تمام ملک کے اندر آگ کی طرح پھیل گئی۔ حکومت نے اس بات سے متاثر ہو کر ہائی کورٹ میں مقدمہ چلایا اور مسٹر محمد شفیع اس میں سرکاری وکیل تھے ملزموں کو سزا ہوگئی۔ اس کے بعد قانون کی شکل بھی بن گئی مگر شاہ صاحب اور غازی صاحب کو ان کی تقریروں کی بنا پر ایک ایک سال کے لئے جیل جانا پڑا۔

خاکسار کو جیل تو خیر دیکھنی نصیب نہ ہوئی مگر اس تحریک میں اپنی بساط کے مطابق کام ضرور کیا۔ شاہ صاحبؒ کی زندگی کا یہ وہ معرکہ تھا کہ جس کی وجہ سے حکومت میں بھی گہری تشویش پیدا ہوگئی اور یہ کہا جانے لگا کہ یہ آدمی انقلاب برپا کر سکتا ہے۔ اس ایک سال کی قید کے بعد شاہ صاحب باہر تشریف لائے تو ان کی زندگی اب پہلے سے بھی زیادہ سادہ ہوگئی۔ گھر کے اندر تمام برتن مٹی کے رکھے اور لباس وہی ایک کرتا اور ایک شلوار کھدر کی جو وہ خود ہی دھو کر پہن لیتے تھے۔

کراچی کانگریس

میں 1928ء سے ہی انقلابی تحریک میں شامل ہو چکا تھا پھر بھی شاہ صاحب سے مراسم رہے تھے مگر میل ملاقات کو مواقع حالات نے بہت کم کر دیا تھا۔ میں تین سال کی سزائے قید گزار کر آیا تو آتے ہی بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں کی سزائے موت سے رہائی کے لئے ایجی ٹیشن میں لگ گیا پھر کراچی میں آل انڈیا نوجوان کانفرنس کی تیاری میں مصروف تھا کہ کانگرس کا اجلاس سر پر آ گیا اتنے میں یہ تینوں انقلابی نوجوان لیڈر لاہور کے اندر تختہ دار پر کھڑے کر دیئے گئے اور یہ تحریک ختم ہوگئی۔

اب کراچی کانگرس فاتحانہ انداز میں ہو رہی تھی کیونکہ گاندھی جی اور وائسرائے لارڈ ارون میں معاہدہ طے پا گیا تھا اور اس کانگرس میں اس معاہدے کی تصدیق ہونے والی تھی۔ اور گاندھی فخر سے سر اونچا کئے ہوئے تھا۔ شاہ صاحب بھی کراچی تشریف لائے جب بطور مبصر کے وہ کھلے اجلاس میں گئے تو جلدی باہر بھاگ آئے اور پھر نہ گئے۔ میں ان کی قیام گاہ پر بغرض سلام حاضر ہوا تو انہوں نے آب دیدہ ہو کر رات کا ماجرا بیان فرمایا کہ:

''میں جب کانگرس کے اجلاس میں گیا تو میرے چاروں طرف مختلف صوبوں

کے نمائندے ڈیلی گیٹ بیٹھے ہوئے تھے۔اور ہر صوبہ نے مجھ سے خواہش کی تھی
کہ میں ان کے صوبہ ڈیلی گیٹ بن جاؤں مگر میں نے یہ کہہ کر انکار کیا تھا کہ
میں اپنے صوبہ پنجاب اور شہر امرتسر ڈسٹرکٹ کانگرس کو خط بھی لکھا تھا کہ مجھے
ڈیلی گیٹ منتخب کیا جائے اور پنجاب کانگرس کو بھی خط لکھا تھا۔''

مگر کسی نے میری بات کی طرف توجہ نہ دی۔ اور رات مجھے شرم آئی کہ مجھے دیکھ کر دوسرے صوبوں کے لوگ کیا کہیں گے۔''

تب میں نے شاہ صاحب کو امرتسر کی تفصیل بتائی کہ:

آپ کا نام ڈاکٹر کچلو کی صدارت میں پیش ہوا مگر کوشش کر کے گرا دیا گیا کیونکہ امرتسر کانگرس میں ہمیشہ فرقہ پرست اور متعصب ہندو طبقہ غالب رہا ہے، کچلو جن کا لیڈر تھا یہ کاروائی ان کی ہے آپ افسوس نہ کریں البتہ پنجاب کانگرس کی غفلت شعاری کا ماتم ضرور کریں۔جس کے صدر مولانا عبدالقادر قصوری تھے تب ان کو اور بھی قلق ہوا۔ اس کے بعد بھی ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہیں آئی مگر ان کی عزت اور شان کو دیکھ کر بعض اپنے بھی حاسد ہو گئے تھے لیکن کوئی ان کی گرد کو بھی نہ پہنچتا تھا۔

قومی تحریک **1930**ء کا علمبردار صف اوّل کا سپاہی نہ تھا وہ جنرل تھا جس کے سامنے بڑے بڑے لیڈروں کا رنگ بھی نہ جمتا مگر وہ فقیر انسان آخر ان باتوں سے بے نیاز ہو چکا تھا تو بھی خدا نے اس کو بہت کچھ دیا وہ مادی اشیاء کی شکل میں نہ ہو لیکن دلوں کا بادشاہ تھا لوگ ان کی راہ دیکھتے تھے۔ بنا ان کے محفل جمتی ہی نہ تھی جہاں وہ آ گئے برات کے دُلہا کی حیثیت اختیار کر گئے ۔ جناب شاہ صاحب کی زندگی وقت کا تقاضا تھی ۔ جو قدرت نے پورا کیا۔ ہندوستانیوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور خاص کر مسلمانانِ ہند کو ان کی بھولی ہوئی راہ دکھائی مگر ناقدر شناس قوم نے ان کی قدر نہ کی ۔[1]

●●●● ●●●●

1 چٹان سالنامہ 1962ء ص 95

شاہ جیؒ کا سیاسی پس منظر

⦿ ...... شاہ بزم ورزم اور ریل وجیل کے ساتھی شیخ حسام الدینؒ رقمطراز ہیں:

حضرت شاہ صاحبؒ کی پبلک زندگی اس وقت شروع ہوئی جب برطانیہ، فرانس، زار شاہی روس اور اطالیہ ویونان اپنی اسلام دشمن چالوں اور سازشوں سے ترکان آل عثمان کے خلاف جسے عرف عام میں خلافت اسلامیہ کے مقدس ومحترم لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ مشرق وسطیٰ اور طرابلس میں کامیاب وناکام جنگ لڑ چکا تھا، اور اسلامی دنیا میں نفرت وحقارت اور اسلام ازم کے جذبات واحساسات عالم گیر تحریکات کے رنگ میں ابھرنی شروع ہوگئی تھیں۔ برطانیہ اور روس ایران کے شمال اور جنوبی علاقوں کی باہمی تقسیم پر رضامندانہ خفیہ معاہدات کے باوجود اپنے مذموم مقصد میں ناکام ہو چکے تھے۔ لیکن موقع کی تلاش میں برابر سرگرم تھے۔ غازی انور پاشا اور کمال پاشا کی سرکردگی اور رہنمائی میں انجمن اتحاد وترقی کے جانباز وسرفروش قائدین ایک طرف تو حریص اور عیاش سلطان اور ان کے زمانہ ساز اور غدار درباریوں اور عہدیداروں کے چنگل سے اندرون ملک کی گرتی ہوئی بنیادوں کو سہارا دینے اور اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے میں ایک حد تک فائز اور کامران نظر آتے تھے۔ تو دوسری طرف ملک وملت کی محبت سے سرشار ہوکر طرابلس کے ریگزاروں میں اسلام دشمن طاقتوں کو بری طرح پامال وزخمی کر چکے تھے، کہ تمام طاقتیں سلطنت عثمانیہ کے وجود کو ہی ختم کرنے پر ادھار کھائے بیٹھی تھیں۔ اور مناسب موقع کی تلاش میں تھیں۔ کہ وہ اپنی سامراجی قوتوں کو اعلانیہ استعمال کر کے اسلام کے اس آخری سہارے کو بھی بیخ وبین سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم کی صورت میں انہیں یہ موافق موقع دستیاب ہوا۔

"لولاک" لائل پور ۲۵ر دسمبر ۱۹۶۷ء

پہلی جنگ عظیم

اگست ۱۹۱۴ء میں یوگوسلاویہ کے شہزادے کے قتل کے شاخسانہ پر پہلی عالم گیر جنگ شروع ہوئی اور امن عالم یک لخت ایک خونریز اور خونخوار لڑائی کی ہولناک تباہی کی آماجگاہ بن گیا۔ برطانوی سامراج نے برصغیر پاک و ہند یعنی اس وقت کے متحدہ ہندوستان کو اپنی مملکت کا حصہ تصور کرتے ہوئے ملک کی رائے معلوم کرنے کے تکلف سے بے نیاز ہو کر جنگ میں حلیف کی حیثیت سے شرکت کا اعلان کر دیا جسے اس وقت کی سیاسی دنیا نے ناپسندیدگی کے اظہار میں اپنی عافیت دیکھی۔ وائسرائے کے حکم کے ماتحت جنگ کے مقتضیات کی روشنی میں تقریر و تحریر پر احتساب کر دیا گیا۔ اور ''ناپسندیدہ اخبارات'' پر پابندی عائد کر کے نظر بندیوں اور ضبطیوں کے ہتھیار علی الاعلان اور بلا تکلف استعمال کیے گئے۔ پڑھی لکھی دنیا جو پہلے ہی اجتماعی حیثیت میں احتجاجات کے چکر میں خوگر تھی۔ اقتدار کی اس ملک گیر دراز دستی پر منقار یز ہو کر رہ گئی۔ مولانا محمد علی جوہر کے کامریڈ اور ہمدرد مولانا ابوالکلام آزاد کے ''الہلال، البلاغ'' مولانا ظفر علی خان کا ''زمیندار'' اس سیاسی دارو گیر میں سرفہرست تھے۔ علی برادران، مولانا آزاد اور دیگر زعمائے ملت نظر بندیوں کا شکار بنا کر دور دراز مقامات پر پوری احتیاط اور خاموشی کے ساتھ پہنچا دیئے گئے۔ علمائے دیوبند کے مجاہدین کا ایک ذی وقار گروہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی قیادت میں گرفتار کر کے مالٹا میں محبوس کر دیا۔ اور ہندوستانی مرکزی خفیہ پولیس کے محکمہ کی طرف سے ایک فتویٰ تیار کیا گیا جس پر مشرق وسطیٰ اور ہندوستان کے مقتدر علماء سے اس مضمون کے دستخط حاصل کیے گئے، کہ آل عثمان خادم حرمین شریف ہونے کے باوجود برطانوی استعمار سے برسر جنگ ہونے کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہیں، مجھے افسوس ہے کہ اس ناپاک تحریر پر یوپی کے دو ممتاز مدرسہ ہائے فکر کے برگزیدہ بانیوں کے بھی دستخط حاصل کیے گئے۔ محض اس افترا اور کذب بیانی سے کہ دولت عثمانیہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اسلام چھوڑ چکی ہے۔ اور ملت ترکیہ کے شیر دل مجاہدین بیرونی سرمایہ اور عورت کے چکر میں پھنس کر ملت اسلامیہ کو تاخت و تاراج کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ بلکہ ان میں سے ایک

پنجابی بزرگ نے تو مسلمان فوجوں کو یہ یقین دلا کر امام ضامن کے تعویذ بھیجے تھے، کہ ترک کافر ہو چکے ہیں ان کی گولی تم پر قطعاً اثر نہیں کرے گی البتہ تمہاری بندوقوں سے داغی ہوئی گولیاں ترکوں کے سینہ پر براہ راست پیوست ہوں گی۔ خواندہ و ناخواندہ مسلم و غیر مسلم خطاب یافتہ گروہ سب کے سب اس کار خیر میں آقایان دلی نعمت کا پورے مخلصانہ اور سعادت مندانہ طریق پر ہاتھ بٹا رہے تھے پختہ کار اور جہاں دیدہ مناظر و واعظ اور پنڈت سوامی اور گرنتھی بھی تمام ملک میں اس محکمہ کے اشارہ پر فرقہ وارانہ مجالس اور مناظرے منعقد کرنے پر مامور کئے گئے۔ تاکہ سادہ لوح عوام اس گورکھ دھندے میں محصور ہو کر اپنے اردگرد کے حالات پر توجہ دینے کے قابل نہ ہو سکیں اس پر ہی بس نہیں کیا گیا بلکہ اس دراز اور ننگ اسلام طائفہ نے سقوط بغداد پر انگریز کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے چراغاں بھی کئے، جس میں سرکاری طور پر مسلمان کہلانے والا طبقہ سرفہرست تھا۔ مذہبی بیان کردہ خاکے کے ساتھ غیر ضروری نہ ہو گا۔ اگر یہاں پر چند الفاظ میں اس دور کا سیاسی مرقع بھی چند الفاظ میں پیش کر دیا جائے، تاکہ قارئین معاشرے کے سیاسی و مذہبی خدوخال کو بخوبی سمجھتے ہوئے اندازہ کر سکیں کہ یہ مرد قلندر کن خوفناک عزائم اور ہلاکت آفریں ماحول سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سعی کرتا رہا۔

"**لولاک**" لائل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

انقلاب روس، خفیہ معاہدے، اور ان کے نتائج

عالمگیر جنگ کے اختتام پذیر ہونے سے ایک سال پہلے یعنی اکتوبر ۱۹۱۷ء میں روسی مزدوروں اور کسانوں کی متحدہ یورش کے سامنے زار روس کی فلک بوس عمارت غیر متوقع طور پر زمین بوس ہوئی۔ اور دنیا کو پہلی دفعہ یہ باور کرنے کے امکانات واقعاتی حیثیت میں سامنے آئے، کہ اس گئے گذرے دور میں بھی سرمایہ دارانہ جاگیردارانہ نظام مملکت غریب و بے کس انسانوں کے ہاتھوں زیر و زبر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس خونیں ڈرامہ کے کامیاب ڈراپ سین کے ساتھ ہی دنیا کے سامنے ان خفیہ معاہدات کی نقول بذریعہ اخبارات دیکھنے میں آئیں۔ جن کے مطالعے سے دنیا کے مسلمانوں کو بالخصوص اور کائنات ارضی پر سانس لینے والی مخلوق کو بالعموم یہ ناقابل یقین سچائی نظر آئی کہ دول خارجہ اپنے تمام ادعائے امن گستری اور انصاف پروری

کے باوجود اس حد تک اسلام دشمنی پر اتری ہوئی تھیں۔ کہ اس نے ایک ہی وقت میں شریف مکہ کو سیادت عربیہ کے قیام و فروغ کے نام پر یہ یقین دلایا تھا کہ اگر عرب من حیث القوم اس جنگ میں انگریزوں کے حلیف بن کر ترکی کا مقابلہ کریں گے۔ تو دول خارجہ یعنی انگریز، فرانس، روس، اٹلی، اور یونان اس کا اقرار کرتے ہیں، کہ وہ دنیائے اسلام میں ملت عربیہ یعنی سیادت عربیہ کی ایک واحد مملکت کی تدوین و ترتیب کے ذمہ دار و ضامن ہوں گے۔ دوسری طرف عین اسی زمانہ میں شریف حسین کی اولاد سے علیحدہ علیحدہ خفیہ عہد نامے کر کے یہ طے پایا تھا کہ مملکت عربیہ کے نام پر فیصل اور عبداللہ (شریف حسین کے دو بیٹے) شریف حسین کی ماتحتی میں دے دیئے جائیں گے۔ اگر شریف حسین حجاز پر حکومت کرنے سے انکار کرے، تو اس ٹکڑے پر اس کے چھوٹے بیٹے شہزادہ علی کو بادشاہ تسلیم کیا جائے گا۔ اس کے بدلہ میں شام، فلسطین، فرانس اور برطانیہ کی حکمرانی میں دس سال کے لئے دے دیئے جائیں گے۔ دنیا نے یہ دیکھا کہ گویا عرب من حیث القوم ترکی بھائیوں کی جانوں سے قتل و غارت کی ہولی کھیلتے ہوئے نظر آئے لیکن واقعۃً سیادت عربیہ کی وحدت کی بجائے عربستان پانچ ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔ اور نہ صرف شریف حسین غدار اسلام ناکام و نامراد ہو کر قبرص کے جزیرے میں زہر کی وجہ سے ختم کر دیا گیا۔ بلکہ اس کی اپنی اولاد باپ سے بغاوت کر کے خود بھی اس بے ایمانی اور غداری کا ثمر حاصل نہ کر سکی۔ اس پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ دنیا یہ دیکھ کر اور زیادہ متنفر ہوئی کہ اسی زمانہ میں وزیر خارجہ برطانیہ لارڈ بالفور نے دنیا کے یہودیوں کے سرمایہ اور امداد کو اس شرط پر حاصل کیا کہ دنیائے اسلام کے عین مرکز یعنی فلسطین میں یہودیوں کا وطن بھی بنا دیا جائے گا۔ جس کے بعد قیامت تک کے لئے مرکز اسلام میں اس ناسور کی موجودگی میں سیاسی و سماجی ترقی کی تمام راہیں مسلمانوں پر مشکل کر دی جائیں گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یعنی نہ تو عرب من حیث القوم کسی ایک سیادت پر مجتمع ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ کامیابی کے ساتھ اپنی قومی اور مذہبی حریف یعنی مملکت اسرائیل سے دو دو ہاتھ کر سکتا ہے اس صورت حال سے بجا طور پر دنیائے اسلام میں برطانیہ، فرانس وغیرہ کے خلاف نفرت و حقارت کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی اور مسلمانوں نے پہلی دفعہ سنجیدگی کے ساتھ اسلام دشمن قوتوں

کے خلاف سر جوڑ کر سوچنا شروع کیا۔ مصر اور ہندوستان ان تحریکوں کا مرکز قرار پائے۔ اور متفقہ طور پر یہ اعلان ہوا کہ برطانیہ و فرانس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہندوستان اور سویز کے علاقوں کو مکمل طور پر ان کی دستبرد سے مطلقاً آزاد کرنا ازبس ناگزیر ہے۔

امرتسر کی عظیم سیاسی تحریکوں میں شاہ جیؒ کی شرکت اور ان کی پہلی گرفتاری

سامعین میں ہمارے شاہ جیؒ کی زیارت کے شوق میں سرتاپا محویت دیکھ کر اتنے میں قائدین کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا، کاروں کی معیت میں یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے مظہر اپنی اپنی جگہوں پر پراجمان ہوئے صدارت کی کرسی پر مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم تھے۔ اور ان کے دائیں بائیں بیٹھنے والوں میں ڈاکٹر مختار انصاری، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا حسرت موہانی، مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، میاں فضل حسین، مسز نائیڈو، پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال مولانا محمد داؤد غزنوی، ملک برکت علی، اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو تھے۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد حضرت علامہ اقبالؒ نے علی برادران کو مخاطب کر کے وہ قطعہ پڑھا جو ''اسیری'' کے نام سے مشہور ہو چکا ہے۔ اسی اجلاس میں جب برطانوی اصلاحات کو رد کرنے کی قرارداد تحریک وغیرہ کی منازل طے کر چکی تو رئیس احرار حضرت مولانا حسرت موہانی نے رائے شماری سے پہلے شعر میں انگریزوں سے بیزاری کا اعلان کیا۔

''**لولاک**'' لائل پور ۲۵ / دسمبر ۱۹۶۷ء

جانے پہ ہو راضی تو تیرے سر کی قسم
کر کے چندہ ابھی لے دوں تجھے لندن کا ٹکٹ

اس پر حال تالیوں اور نعروں سے گونج اٹھا، ہمارے شاہ جیؒ کی پرمسرت داد بھی کسی تھی۔ واضح رہے کہ اس وقت شاہ صاحبؒ صرف رسوم پر ہی وعظ کہتے تھے۔ یا دوستوں کی محفلوں میں بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی تک ہی اپنے آپ کو محدود کئے ہوئے تھے۔ جس کی دو وجوہات تھیں، اول تو شاہ جیؒ مذہبی و ادبی لٹریچر سے بہت کم شغف رکھنے کی وجہ سے اخبار بینی کی طرف کم راغب تھے۔ دوسرے واعظ و خطیب کی حیثیت میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد

سوئے منزل سوچی سمجھی سکیم کے تحت آپ کا تعلق ایک اس سے اس قدر زیادہ ہو گیا، اور باہمی اعتمادی کی فضا یہاں تک بڑھی کہ نوجوان شاہ جیؒ اس کو اپنا دوست اور بہی خواہ سمجھتے ہوئے اس کی پسند اور ناپسند کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ایک لمبے عرصے تک جاری رہتا۔ لیکن درمیان میں مولانا محمد داؤد غزنوی اور دوسرے سیاسی سوچ رکھنے والے دوستوں سے تبادلہ خیالات نے اثر چھوڑنا شروع کیا۔ جس کے نتیجہ میں یکایک خلافت کمیٹی کے سٹیج سے مسلمانوں کے لیڈر بن کر سیاسی و مذہبی افق پر چمکنا شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۱ء میں مسجد خیر الدین کی ایک تقریر کی پاداش میں تین سال کے لئے میانوالی جیل پہنچا دیئے گئے۔ جس کے بعد جیل سے ریل اور جیل کا وہ لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو مسلسل ۱۲ سال تک جاری رہا۔ میرے خیال میں شاہ جیؒ وہ منفرد زعیم تھے، جو امراء کی کوٹھیوں میں بہت کم اور غرباء کی جھونپڑیوں میں بہت زیادہ قیام میں راحت محسوس کرتے اور شاید اس خصوصیت میں اپنا کوئی مدمقابل نہیں رکھتے تھے۔ ان سے زیادہ کسی قومی کارکن یا قائد نے سفر نہیں کیا۔ اور اگر کیا ہے تو یقیناً اس کے تجربے میں وہ تمام نئے اور پرانے طریقہ ہائے سفر شامل نہیں تھے۔ پیدل سے لے کر اونٹ، گدھا، گھوڑا، موٹر کار، موٹر بس، ریل، بیل گاڑی اور موٹر چھکڑے سب کے سب آپ سے مشن کی تکمیل میں استعمال کئے گئے آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ شاہ صاحب نے عام طور پر تھرڈ کلاس کے سفر کو پسند کیا۔ سیکنڈ یا فسٹ کلاس میں کبھی سفر اختیار نہ کیا، نہ ہی آپ نے کبھی ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کو ترجیح دی۔ بلکہ عام طور پر دوستوں کو یہ کہہ کر اس سفر سے روکتے رہے ”کہ میاں یہ تو صریح ہلاکت ہے بھلا اس کو موت کہا جا سکتا ہے، جہاں گور و کفن تو ایک طرف سرے سے لاش کا پتہ نہ ہو“ اس قسم کے جفاکش، مخلص اور اپنی دھن کے پکے خادم اب کہاں ملیں گے۔

بقول حضرت اقبالؒ

آئے عشاق، گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

”**لولاک**“ لائل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

رولٹ ایکٹ

یہاں پر عرض کر دینا غالباً غیر ضروری نہ ہوگا کہ پہلی جنگ عظیم کی بناء پر ہندوستان کی ایک خاصی تعداد کو مختلف حیثیتوں میں بیرون ملک جنگی خدمات کے سلسلہ میں باہر جانے کا اتفاق ہوا۔ جس کی وجہ سے ان کو دوسرے ملکوں کے سیاسی وسماجی تقاضوں اور ان سے وابستہ فکر و نظر سے نہ صرف واقفیت ہوئی بلکہ خاطر خواہ طور پر متاثر بھی ہوئے، جو برطانوی نوکر شاہی نظام کے مقتضیات کے لئے بہت حد تک ناخوشگوار اور ناپسندیدہ تھا۔ اس لئے وائسرائے اور ان کی کونسل نے برطانوی استعمار کو آنے والے خطرے سے محفوظ رکھنے کے لئے وزیر ہند کی وساطت سے رولٹ کمیشن کے نام پر ایک ایسے انتظامی ڈھانچے کی تیاری کی داغ بیل ڈالی جو اگرچہ بدلے ہوئے حالات کے مقابلہ میں قطعی طور پر قدامت پسند نہ تھی۔ پھر بھی رولٹ ایکٹ کا نام دے کر اس کو ہندوستان کے سر تھوپنے کی کوشش کی گئی، اور تحریر و تقریر پر اس قسم کی ناقابل برداشت پابندیاں عائد کی گئیں۔ جن کی مخالفت کو قومی مطالبہ کی حیثیت سے گاندھی جی نے ملک گیر عوامی تحریک کی بنیادیں استوار یں۔

"**لولاک**" لائل پور ۲۵ ردسمبر ۱۹۶۷ء

چنانچہ اگست ۱۹۱۸ء میں ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں سب سے پہلی عام ہڑتال کی گئی اور ہندو مسلم اتحاد کو عام صورت دینے کے لئے عام طور پر مساجد میں مشترکہ جلسے کئے گئے۔ جن میں ممتاز ہندو لیڈروں نے بھی تقریریں کیں، جن میں آزادی ملک کے ساتھ ساتھ پنجاب کے مظالم کی تلافی، رولٹ ایکٹ کی تنسیخ اور مسئلہ خلافت میں مسلمانوں کی تائید وغیر معاملات متفقہ ملکی مطالبات کی حیثیت میں پیش کیا گیا۔ ملک کی سیاسی فضا میں یکا یک ایک گونہ ارتعاش اور گرمی پیدا ہوئی جس سے متاثر ہو کر مسلمانان ہندوستان نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد پہلی دفعہ اپنے بہترین دل و دماغ مفکر کارکن اور رضا کار پروانہ وار اس میں دھکیل دیے یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے ملک میں عوامی تحریک محلات اور کوٹھیوں سے نکل کر، غریبوں کی جھونپڑیوں، مساجد، پاٹھ شالاؤں اور گوردواروں تک پہنچ گئی۔ ایسے ہمہ گیر جذباتی دور سے ناممکن تھا کہ ہمارے شاہ جیؒ متاثر ہونے سے بچتے رہتے۔

چنانچہ ۱۹۱۶ء ۱۹۱۹ء کا خطیب اور واعظ تمام آسائشوں اور آسودگیوں کو تیاگ کر دیوانہ وار میدان عمل میں اس بے جگری کے ساتھ کودا کہ سلف کے بزرگان عزیمت و استقلال کی قربانیوں کی تاریخ کو ایک نعرۂ مستانہ سے اجاگر اور روشن کر دیا۔

عمر یست کہ افسانہ منقور کہن شُد

من از سر نو جلوہ دہم دارو رسن را

حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات طیبہ کے کن کن محاسن کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے سیاسی اور مغربی مدوجزر میں وہ کون سا مقام آیا جہاں قلب صادق کے لئے کلمۂ حق کو اونچی سے اونچی آواز میں بلند کرنے کی ضرورت ہوئی اور ہمارا شیر نتائج سے یکسر بے نیاز ہو کر وقت کے فرعونوں اور نمرودوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے سب سے اونچے مقام پر نہ دیکھا گیا ہو آزادی کی جنگ ہو یا انگریزوں کی اسلام دشمنی کے خلاف جہاد سردار دو جہاں ﷺ کے ناموس پر حملوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنی ہو یا بانی مذاہب کی عزت کا تحفظ قانونی اعتبار سے ممکن بنایا جا سکے شاہ جیؒ کا عمل سرخروئی کے لباس میں معاصرین میں سب سے زیادہ افضل اور روشن تر نظر آتا ہے راج گوپال تحریک ہو، یا مغل پورہ ایجی ٹیشن، کوئٹہ کے مفلوک الحال زخمی انسانوں کی خدمت اور امداد ہو، یا بے کس مظلوم مسلمانان کشمیر پر ڈوگرہ شاہی مظالم، انتخاب کی ریل پیل ہو یا تحفظ ختم نبوت کے لئے جان کی بازی غرض یکہ ہر مقام اور ہر منزل پر حضرت شاہ صاحبؒ قافلہ سالار کی حیثیت میں رجز خوانی کرتے ہوئے ملے اور ساتھیوں اور جانبازوں کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ سزا کو ہنستے ہوئے قبول کرتے ہوئے نظر آئے۔

چنانچہ جانبازی اور سرفروشی کے ایک ایسے ہی تاریخی واقعہ پر ایک شاعر کا یہ شعر کس قدر رموزوں اور برجستہ نظر آتا ہے۔

ایں است کہ خوردہ و دل بردہ بسے را

بسم اللہ اگر تاب نظر نیست کسے را

"**لولاک**" لائل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء

امیر شریعتؒ کی عوامی زندگی

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری حسنی سید تھے۔ مگر کبھی اس پر فخر نہیں کیا۔ بلکہ جن اضلاع میں ماضی میں سادات عوام کی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے، اور ان سے اپنے سجدے کراتے۔ وہاں شاہ جی نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر حالات کو اعتدال پر لانے کی کوشش کی اور اللہ تعالی نے ان کی سعی مشکور فرمائی آپ نے اوروں کی طرح کبھی بھی اپنے لئے چارپائی یا کوئی اور جگہ مخصوص نہیں فرمائی اور نہ ہی ذات پات کی وجہ سے کسی کو حقیر جانا۔

آپ کو اپنے دوست اور رفیق کار چودھری افضل حق مرحوم کی طرح اس بات سے چڑ تھی کہ اہل صنعت وحرفت اور پیشہ وروں کو کیوں کمین کہا جاتا ہے۔ آپ نے اپنے طرز عمل سے کتنوں کو اسلامی مساوات کا قائل اور اسلام پر مائل فرمایا۔

1932ء میں پنجاب پراونشل احرار کانفرنس امرت سر میں تبلیغی اجلاس کی صدارت فرماتے ہوئے آپ بعض بھنگیوں سے اپنی مبلغانہ گفتگو اور اسلامی دلکشی پر تقریر فرما رہے تھے کہ اونچے سٹیج پر یکا یک ایک مجذوب چڑھ کر آپ سے لپٹ گیا۔ آپ نے اس کو گلے لگا کر فرمایا۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر

اس وقت حال قال کے مطابق اور شاہ صاحبؒ کی روح پرور تبلیغ کا مجمع پر کیا اثر تھا وہ بیان نہیں ہوسکتا۔ آپ نے ہمیشہ عام مسلمانوں کو اپنے ساتھ بٹھایا کھلایا۔ سب کی باتوں پر کان دھرا۔ سب کا احترام کیا اور سب کے دلوں میں گھر کرلیا۔ آپ کی تشریف آوری کی

اطلاع ہوتے ہی عوام، خواص اس طرح آپ کے گرد جمع ہو جاتے جیسے شمع پر پروانے۔ آپ کو برے کاموں سے تو نفرت رہی۔

لیکن برے آدمیوں سے آپ نے کبھی نفرت نہیں کی بلکہ ان کو نہایت میٹھے اور لطیف طریقے سے اپنے قریب کرتے یہاں تک کہ وہ " کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ " کے مصداق ہو کر جان و دل سے فدا ہونے لگتے۔

تبلیغی دورے

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت اچھی صحت اور بہترین سڈول جسم عنایت فرمایا تھا آپ اس نعمت کا بہتر شکر ادا کرتے رہے تقریبا چالیس سال پہلے بعض اضلاع کی یہ حالت تھی کہ مہاجن ہندوؤں کے ہاتھ سے مقروض اور خستہ حال مسلمانوں کی آبرو بھی محفوظ نہ تھی۔ ان پڑھ مسلمان رسوم و بدعات کے جال میں پھنسے ہوئے اسراف کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں تباہ تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ گرم مہینوں میں اونٹ گھوڑے کا یا پیدل سفر چالیس چالیس میل دور گاؤں کا کرتے اور ان کو اسلام سکھاتے ہوئے مشکلات سے نجات دینے کی کوشش کرتے۔ بعد میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے کبھی فسٹ کلاس یا سیکنڈ کلاس کے سفر کی خواہش نہیں کی اور نہ ہی غریبوں کی روکھی سوکھی روٹی کی بے قدری کی۔ آپ اپنی بہترین صحت کو صبر آزما تبلیغ اور طوفانی دوروں کے لئے استعمال کرتے رہے۔

حضرت شاہ صاحب کا علم اور فہم قرآن

قدرت نے آپ کو جو فہم و ذکاء عطا فرمایا تھا وہ شاذ و نادر ہی کسی کو میسر ہوتا ہے خاص کر قرآن کا فہم اور اس کا بیان ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اُردو یا پنجابی میں قرآن نازل ہو رہا ہے۔ آپ کو شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے بے حد دلچسپی تھی۔ آپ فرمایا کرتے کہ قرآن پاک کی کما حقہ قدر نہیں کی جاتی جتنا زور دوسرے علوم پر دیا جاتا ہے اتنا قرآن پر نہیں دیا جاتا۔ بعض جلسوں میں آپ دو پارے کے قریب آیتیں پڑھ ڈالتے۔ ہزاروں حاضرین جہاں آپ کے معارف و لطائف پر جھومتے وہاں نفس تلاوت قرآن پاک سے بھی مست ہو جاتے

ہر ایک یہی چاہتا کہ شاہ جی اور قرآن پڑھیں۔ مشکل مسائل کو آسان زبان میں سمجھا دینا آپ ہی کا حصہ تھا۔ مگر باوجود اس کے کبھی اپنے کو عالم نہیں کہا۔ ہمیشہ اپنے کو علماء کا خادم ہی سمجھا۔ کسی میٹنگ یا اجلاس میں جب کوئی عالم اظہار خیال کے لئے کھڑا ہو جاتا تو حضرت شاہ صاحبؒ اس خیال سے کہ یہ حضرت انور شاہ قدس سرہٗ کا شاگرد ہے ہمہ تن گوش متوجہ ہو جاتے۔ حضرت انور شاہ صاحب کا دلی احترام ایسے ہی بزرگ کر سکتے تھے ماو شما ان کو کیا سمجھیں آپ نے بعض مجالس میں اس امر کو ظاہر کیا کہ لاہور میں بیعت جہاد کے وقت جب میرا ہاتھ حضرت محدث کشمیری انور شاہ کے مبارک ہاتھوں سے ملا اس وقت بدن کے ذرے ذرے کی جو کیفیت تھی وہ ناقابل بیان ہے۔

تحریک ختم نبوت کے ممتاز راہنما اور آپ کے شاگرد رشید مولانا عبدالرحیم اشعرؒ فرماتے تھے کہ شاہ جی نے مجھے خود فرمایا کہ مولوی عبدالرحیم جب علامہ انور شاہ صاحبؒ نے میرے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے تو میرا پورا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا) حضرت علامہ انور شاہ صاحب بھی جوہری تھے۔

انہوں نے بھی جوہر قابل دیکھ کر ہی آپ کو امیر شریعت بنایا جس کو آپ نے بفضلہ تعالیٰ نبھایا اور خوب نبھایا اس مبارک نام اور خطاب کی لاج رکھی۔ جہاں شریعت پر حملہ ہوا آپ سرکوبی کے لئے جا پہنچے۔ کسی طاغوتی قوت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ انتہائی تواضع و انکسار کے باوجود عزت نفس اور خودداری کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا سینکڑوں عربی مدارس بنانے یا چلانے۔ ان کے لئے لاکھوں روپے جمع کر کے دیئے ہر عربی مدرسہ کو آپ کا تعاون حاصل تھا۔ مگر اپنی حاجت کا کسی کے سامنے پیش کرنا تو در کنار کسی کے سامنے کبھی اظہار بھی نہیں کیا۔

مجلس احرار اور مسئلہ کشمیر

اور جب کانگریس سے اختلاف رائے ہوا اور ادھر خلافت کمیٹی نے ساتھ نہ دیا تو آپ نے اپنے رفقاء کار مولانا ظفر علی خاں، چوہدری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، غازی عبدالرحمٰن، مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی اور مولانا مظہر علی اظہر سے مل کر مسلمانوں کی بالکل علیحدہ تنظیم مجلس احرار اسلام قائم فرما دی۔

جس کے صرف دو مقاصد تھے۔ آزادی وطن اور اسلام کی حفاظت یہی دو مقاصد آپ

کی مجاہدانہ گردش کے محور رہے اگر احرار اسلام یہ مجاہدانہ اقدام نہ کرتے تو فرنگی کی دودھاری تلوار چل گئی تھی کشمیر کی شورش سے وہ مہاراجہ پر دباؤ ڈال کر گلگت کو اپنی تحویل میں لینا چاہتا تھا یہ بات تو ہر شکل میں ہونی تھی۔

مگر دوسرا مقصد زیادہ خطرناک تھا کہ ڈوگرہ شاہی کے مقابلہ کے لئے مسلم جذبات سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک کشمیر کمیٹی بنادی گئی تھی جس کا صدر مرزا محمود قادیانی کو مقرر کیا گیا تھا اگر کشمیر کی مہم اس کی صدارت میں چلائی جاتی تو وہ آئینی حدود تک نہ رہتی۔

جس سے ایک تو کشمیری مسلمانوں کے پس جانے کا خطرہ زیادہ تھا دوسرے کشمیری مسلمانوں کو سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے یہ باور کرایا جاتا کہ تمہارے نجات دہندہ مرزا محمود قادیانی ہیں پھر ان کی روحانی خلافت کا سکہ جمایا جاتا۔ اور کشمیر کے بہت سے خطوں کے مرتد ہونے کا خطرہ لاحق ہو جاتا۔

مگر بخاری کے جہاد نے اس اسکیم پر پانی پھیر دیا۔ مرزا محمود کی کمیٹی دھری کی دھری رہ گئی اور کشمیری مورچہ پر غازیانِ احرار جا دوڑے۔[1]

دوسری خدمات

کشمیر کے علاوہ اور بھی جہاں اسلام کے لئے ضرورت پڑی امیر شریعت پہنچ گئے جہاں سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰت کی عزت و ناموس کا سوال آیا آپ نے بمعہ اپنی جانباز جماعت احرار کے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب کے خلاف آپ نے سارے ملک میں آگ لگادی مسئلہ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے قادیان میں مرکز قائم کر کے مرزائیت کے لئے سد سکندری کھڑی کر دی اور جب لکھنؤ میں تمام انسانی تقاضوں کے خلاف تبرائی ایجی ٹیشن شروع ہوا تو آپ نے انتہائی رواداری کے باوجود ''تحفظ ناموس صحابہ'' کے لئے وہاں مدح صحابہ کا مورچہ قائم کر لیا۔ جب سنٹرل اسمبلی میں ایک ہندو کی تحریک پر ساردا ایکٹ پاس ہوا جس کی رو سے نابالغ لڑکیوں کا نکاح ممنوع قرار دیا گیا آپ نے تمام علماء کی متفقہ رائے سے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ غرضیکہ فرنگی اقتدار سے برسر پیکار ہونے کے باوجود آپ

1۔ ترجمان اسلام لاہور 8 ستمبر 1961ء ص 3

نے دوسرے دینی فرائض کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

مجلس احرار کی خصوصیات

حضرت امیر شریعتؒ کے اوصاف کے اثرات آپ کی جماعت احرار میں نمایاں طور پر ظاہر تھے۔ بعض جماعتوں میں قیادت (لیڈر شپ) بہتر ہوتی ہے۔ مگر ممبر اور رضا کار کمزور ہوتے ہیں۔ بعض جماعتوں میں رضا کار بہادر ہوتے ہیں۔ مگر لیڈر بزدل اور بے کار ہوتا ہے بعض میں دونوں کا حال پتلا ہوتا ہے۔ مجلس احرار اسلام پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل رہا کہ اس کو رہنما ملے تو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی چودھری افضل حقؒ اور امیر شریعتؒ جیسے ملے، اور رضا کار ملے تو ایسے جانثار وفادار اور بہادر کہ ہمیشہ کفن بردوش اطاعت کے لئے تیار رہتے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب امیر احرار تھے جو جری اور جرار تھے متقی اور پرہیز گار تھے۔ چودھری افضل حقؒ صاحب جماعت کے دماغ تھے۔ انتہائی ملنسار اور قدر دان تھے۔ آغا شورش کاشمیریؒ کی مخلصانہ خدمات۔ شہید گنج کے زمانہ میں دیکھ کر چودھری صاحب ہی نے ان کو چھاتی سے لگایا۔ اور آگے بڑھایا۔ اور وہ بھی خوب بڑھے۔ امیر شریعت بظاہر تو جماعت کی زبان تھے۔ مگر دراصل وہ روح رواں تھے۔ ان کی خداداد مقبولیت پر جماعتی وسعت وطاقت کا بہت کچھ انحصار تھا۔

حضرت شاہ صاحب کا مشن پاکیزہ مشن تھا۔ ان کے رفقاء کار اور رضا کار ملک میں بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے باوجود مخلص اور پُر جوش کارکن ہیں اور ان کے دل جڑے ہوئے ہیں۔ دراصل حساس و دیندار مسلمانوں کی ایک برادری ہوتی ہے جو ہر آڑے وقت میں اکٹھی ہو جاتی ہے ان بزرگوں کے دامن سے وابستہ ثانوی درجہ کے رہنما سارے ملک میں موجود ہیں جو اپنی اپنی جگہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔

کانگریس مسلم لیگ اور شاہ صاحب

غلامی کے زمانہ میں اہل ملک کے سامنے ایک ہی سوال تھا کہ فرنگی اقتدار کی لعنت کو کیسے ملک بدر کیا جائے۔ کانگرس میں عرصہ تک مسٹر محمد علی جناح بھی شامل رہے لیکن جونہی آزاد ہندوستان کا موہوم سا تصور سامنے آنے لگا۔ انگریز کی جگہ لینے والی حکومت کی تشکیل کا سوال

بھی زیر بحث ہونے لگا۔ ہندو مسلم کی متوقع مشترکہ حکومت میں اس وقت مسٹر محمد علی جناح کے
چودہ نکات کو مسلم مفادات کے تحفظ کے لئے کافی سمجھا گیا۔ مگر ہندوانہ تنگ نظری کی وجہ سے دن
بدن اس بحث کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب فرنگی اقتدار کا خاتمہ آنکھوں کے سامنے نظر
آنے لگا۔ مسلم لیگ نے مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں علیحدہ مسلم حکومت کا مطالبہ کر دیا جس کا
نام پاکستان تھا اور یہ بھی کہا کہ اس سے کم پر کسی صورت میں سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف
گاندھی جی نے کہا کہ ملک کو تقسیم کرنا گئو ماتا کی بوٹیاں کرنا ہے اس وقت سیاسی بحران پیدا ہو گیا۔

مسلم مجاہدین آزادی

آزادی کی جنگ جس میں مسلمانوں کی شرکت سے جان پڑی تھی اس میں لڑنے
والے مسلمان رہنماؤں کی ذہنیت یہ تھی کہ فرنگی نے ہندوستان کی قوت و طاقت کے بل بوتے
پر تمام عالم اسلام آزاد ہو سکے گا اپنے ملک سے انگریزی غلبے کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ
حساس مسلمانوں کو تمام عالم اسلام کی آزادی کا خیال رہتا اور اسی لئے ہر قیمت پر ہندوستان کی
آزادی کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چودھری افضل حق صاحب مرحوم فرمایا کرتے کہ ہندوؤں کو
چکمہ دے کر بھی ساتھ ملا سکو تو بھی نفع کا سودا ہے چاہے یہاں ہماری حاکمانہ شان میں کمی بھی
رہے مگر عالم اسلام کی آزادی خود ہمارے عزت و وقار اور رعب کا ذریعہ ہوگی اور اتنے اسلامی
ممالک کی کفر سے گلوخلاصی کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ بس یہی ایک مسئلہ تھا جس کی وجہ سے مسلم
سیاسیین ہر اس بات کو پسند نہ کرتے تھے جس سے اختلاف اور خانہ جنگی زیادہ ہو کر آزادی کا مسئلہ
کھٹائی میں پڑ جانے کا احتمال ہو۔ انہوں نے سوچا کہ اگر مسٹر جناح اور گاندھی اپنی اپنی بات پر
اڑے رہے تو کہیں فرنگی کی عمر دراز نہ ہو جائے وہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" پر عمل کرتا رہے گا اس لئے
انہوں نے تقسیم کے نام پر پڑنے کی مخالفت کی۔ ان کے نزدیک عالم اسلام کی آزادی کے ساتھ
ہندوستان کے اندر اتنا تحفظ کافی تھا کہ مرکز میں پینتالیس پینتالیس فی صد نشستیں ہندو مسلمانوں کو
ملیں۔ مرکز کے پاس صرف مشترکہ دفاع، مواصلات اور سیاست خارجہ ہو۔ اور صوبجات کو باقی
امور میں مکمل آزادی ہوتا کہ مرکز ان میں مداخلت نہ کر سکے کانگرس اس پر راضی ہو چکی تھی۔ آزاد
خیال مسلمان اس کو کافی سمجھتے تھے مگر مسلم لیگ نے تقسیم سے کم کوئی بات قبول نہ کی۔

ہندوؤں کی تنگ نظری کی وجہ سے مسلمانوں کی رائے عامہ دن بدن مسلم لیگ کے حق میں ہوتی جارہی تھی۔ مگر فرنگی دشمن بخاری نے جس بات کو انگریز کے اخراج کے لئے زیادہ مفید سمجھا اسی پر قائم رہے۔

انگریز پر مار

یہاں تک کہ 1939ء میں انگریز پر خدائی مار پڑی یعنی دوسری جنگ عظیم چھڑ کر لندن کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور جب جنگِ عظیم ختم ہوئی برطانیہ ہندوستان کو غلام رکھنے کے قابل نہ رہا تھا۔ اس نے جلد از جلد آزادی دینی چاہی ادھر مسلمانوں کی اکثریت نے الیکشن میں مسلم لیگ کی وساطت سے تقسیم کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جس کی وجہ سے پاکستان ہندوستان وجود میں آگئے۔ اگر فرنگی پر جنگ عظیم کی مار نہ پڑتی ممکن ہے کہ وہ مذکورہ بالا بیان کے مطابق دونوں قوموں کو لڑا لڑا کر حکومت کرتا رہتا۔ مگر بحمد للہ تعالیٰ کہ وہ مار کھا کر آزادی دینے پر مجبور ہوگیا۔ اس سے آزادی پسند مسلمانوں کا نظریہ ناکام رہا۔ مگر اس نظریہ کا مقصد کہ کسی طرح انگریز جلدی نکل جائے پورا ہوگیا۔

عادات وخصائل

آغا شورش کشمیریؒ لکھتے ہیں۔

شاہ جیؒ خوبصورت عادتوں کے ایک دلفریب انسان تھے۔ قرون اولیٰ میں ہوتے تو صحابہ کی صفِ اوّل میں ہوتے۔ اور کربلا میں ہوتے تو شہدا کے ساتھ شہید ہوتے، ان کی درویشی اور فقیری میں بوئے اسد للّٰہی بھی تھی، اور غیرت شبیری بھی ...... وہ ابوذر غفاریؓ کی طرح املاک پیدا کرنے کے ہر طریق کو ناجائز سمجھتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... سے بے پناہ ارادت رکھتے تھے ...... عہدِ عتیق کے روم و یونان میں ہوتے، تو عجب نہ تھا کہ سقراط کی طرح انہیں بھی زہر کا پیالہ پینا پڑتا ویدوں کے ہندوستان میں ہوتے تو ہمالیہ کے غاروں میں رشیوں کے ساتھ قدم ملا کر چلتے، اور گیتا کے ورق اُچھالتے پھرتے، یا پھر گوتم بدھ کے ساتھ ہوتے جن کی یادیں ایلورا اور اجنتا کے محیر العقول غاروں میں نہ مٹنے والی خطابت کا شاہکار محسوس ہوتی ہیں۔

عجیب وغریب تصویری مرقع

شاہ جیؒ ایک عجیب وغریب تصویری مرقع تھے۔ ان کے چہرے پر فقرائے اسلام کا طنطنہ اور دانشوران یونان کا ہمہمہ ہالہ لئے ہوئے تھا۔ آدمی ان کے نزدیک آ کر اور نزدیک ہو جاتا تھا۔ ان کے مخالف وہی لوگ تھے، جو ان سے دور رہے تھے، یا پھر انگریزوں کے پٹھو، مسلمانوں کے دشمن اور قادیانیت کے متبع، وہ نور کا تڑکا تھے اندھیری رات اس کی گرفت میں

آ کر فکر و ہو جاتی ہے...... پھر اوس کا قطرہ تھے، غنچوں کا منہ دھلاتے اور پھول کھلاتے تھے ان کی عادتیں جو ان کے انفاس کے ساتھ ساتھ چلتی تھیں، اتنی سادہ اور عجیب تھیں کہ عظیم کتابی انسانوں کے سوا ان کا وجود فی زمانا شاذ ہی ملتا ہے۔ مثلاً:۔

ان کا سب کچھ ماضی کا مرہون منت

(1) وہ مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے تھے۔ ہر چیز کو اللہ کی رضا کے تابع سمجھتے حال سے انہیں بس اتنا ہی تعلق تھا کہ اس کو جھنجھوڑتے، اس پر کڑھتے یا کبھی کبھار اس پر قہقہے لگاتے تھے، البتہ وہ ماضی کے انسان تھے، امور ماضی ہی سے محبت کرتے تھے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، سوچنا سمجھنا، بولنا ہنسنا، سب ماضی کا مرہون اثر تھا۔ اور اسلام کے ماضی کے سوا کسی بھی ماضی کے قائل نہ تھے...... وہ تہمند اس لئے باندھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہمند باندھا کرتے تھے، وہ کسی بھی غذا کے عادی نہ تھے۔ ساگ ستو جو ملا، خدا کا شکر کیا اور کھا لیا۔ میں نے ہری مرچوں کی رغبت کے سوا ان میں کسی شے کے لئے رغبت نہیں پائی، انہیں بغیر پکائے بھی کھا جاتے، اور قیمے میں بھون کر بھی۔

ٹھنڈا پانی کثرت سے پیتے، بلکہ تقریر کرتے وقت تھرماس بھی ساتھ رکھتے تھے، اور برف ہی چباتے چلے جاتے، ان کا گلا برفاب سے اور کھلتا، بلکہ کرارا ہوتا تھا۔

اکثر فرش ہی پر بستر کھول کر سو جاتے، یا پھر کھردری چارپائی پر۔ وضو کے لئے لوٹا ہمیشہ ساتھ رکھتے۔ جب پان کھانے کی عادت پختہ ہوگئی تیلیوں کی ایک غریب الحال ٹوکری میں پانوں کی رکھولی، چونا، کتھا اور سپاری کی گولیاں، کھدر کے ٹکڑوں میں لپیٹ لپاٹ کر رکھتے تھے۔

نماز ان کی فطرت ثانیہ

سحر خیز تو تھے ہی، یعنی صبح کی نماز قضا نہ ہونے دیتے۔ نماز ان کی فطرت ثانیہ تھی۔ مگر رات گئے دیر سے سوتے، اور یہ ان کی فطرت ثانیہ ہو چکی تھی جلسوں میں آخری مقرر وہی ہوتے، اور ان کا کوئی جلسہ بارہ ایک بجے رات سے پہلے ختم نہ ہوتا تھا، اور صبح ہو جانا تو عام

معمول تھا۔ جلسہ ختم ہو جانے کے بعد بھی عقیدت مندوں کا ہجوم گھنٹہ دو گھنٹہ گھیرے رکھتا۔ جس روز جلسہ نہ ہوتا، یا گھر پہ ہوتے، تو محفل آرائیاں فرصت نہ دیتیں۔ وہی دو بجے شب کا سونا مقدر ہوتا۔ البتہ رمضان شریف کے مہینے میں یہ معمول نہ رہتا۔ تراویح پڑھ چکنے کے بعد محفل جماتے اور سحری سے کچھ ہی وقت پہلے ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ آخری برسوں میں حال یہ تھا کہ صحبت آرائیاں بالکل مختصر کر دی تھیں۔ وقت کا بڑا حصہ یاد الٰہی میں بسر کرتے، بلکہ صورت حال یہ تھی کہ عبادت کے لمحے قریب ہوتے، تو دوستوں سے کہتے۔ کہ بھائی میری گدائی کا (یعنی اللہ سے مانگنے کا) وقت ہے۔ محفل برخاست ہونی چاہئے۔ پھر خود ہی اٹھ کھڑے ہوتے۔

فقر و استغنا کی سچی تصویر

(3) ہمیشہ ہی موٹا جھوٹا پہنتے، گھر میں بھی یہی حال تھا۔ فقر و استغنا کی سچی تصویر تھے۔ مغربی تہذیب کے خفی و جلی اثرات کا سایہ بھی ان سے میلوں دور رہتا۔ میں نے ان کے گھر میں مغربی مصنوعات، مغربی تصورات اور مغربی نظریات کا گذر تک نہیں پایا۔ ان کی فرنگ دشمنی اور یورپ بیزاری کا یہ عالم تھا، کہ بس میں ہوتا تو اپنے گھر میں بجلی اور پنکھا بھی نہ لگواتے۔ ان دو چیزوں کے سوا میں نے ان کے ہاں کبھی کوئی یورپی چیز نہ دیکھی۔ ریڈیو کے وہ اتنے مخالف تھے کہ سینکڑوں مرید تھے۔ جنہوں نے ریڈیو سیٹ پیش کرنا چاہا، مگر جھنجھلا کر انکار فرما دیا (اور فرمایا) گھر میں استاد جی لانا چاہتے ہو؟

(4) راقم الحروف نے عرض کیا، شاہ جی زمانہ بہت بڑھ چکا ہے اپنے بچوں کو انگریزی مدرسوں میں داخلہ لے دیں، انگریزی کے بغیر تعلیم مکمل نہیں ہوتی، زمانہ کا تقاضا ہے، فرمایا بابا مجھے معاف رکھو میں اس زمانہ کا آدمی نہیں۔ تم مجھے محمد قاسم نانوتوی اور محمود الحسن دیوبندی روحوں سے بغاوت کرنے کی ترغیب دیتے ہو؟ یہ کیوں نہیں کہتے، کہ تمہارے بچے مر جائیں۔ یا اپنے ہاتھوں بچوں کو قتل کر دو۔

انگریز سے نفرت

(5) انگریزوں سے نفرت کا یہ عالم تھا، کہ ''لعنت بر پدر فرنگ'' ان کا نعرہ قلندری تھا، اور موڈ میں آ کر اس زور سے بلند کرتے تھے، کہ درودیوار گونج اٹھتے تھے۔

عیب بینی سب سے بڑا عیب

(6) کبھی کسی شخص کی غیبت نہیں کی۔ نہ دشمن کی نہ دوست کی۔ صرف خیالات سے اختلاف کرتے یا ان پر سخت قسم کی جرح وقدح۔ ان کے نزدیک عیب بینی سب سے بڑا عیب تھا۔ جس شخص کی قومی غداری پر طبیعت منغض ہوتی، فرماتے جو فصل بوئی ہے، دعا کرتا ہوں کہ خود کاٹ کے مرے...... میں نے ان کی زبان سے کبھی کوئی گالی نہیں سنی، البتہ فرنگیوں اور ان خانہ زادوں (قادیانیوں) کے بارے میں درشت سے درشت الفاظ بھی کہہ جاتے تھے۔

جماعت سے ایک دمڑی نہ لی

(7) بظاہر ان کا کوئی کاروبار نہ تھا، ان کے خاص معتقدین ان کی مدد فرماتے تھے۔ مگر نہ تو کبھی چھپ کر ہدیہ قبول فرماتے اور نہ اس پردہ پوشی ہی کے قائل تھے۔ جب کوئی مٹھی بند کر کے کچھ دینا چاہتا، تو مٹھی کھول دیتے، کہ چھپاتے کیوں ہو، کیا چوری کا مال ہے؟ جماعت سے ایک دمڑی نہ لیتے، یہ واقعہ ہے، کہ انہوں نے کسی جماعت سے کبھی نہ کرایہ وصول کیا، نہ وظیفہ لیا، نہ قرض حسنہ اور نہ اعانت قبول کی...... ان کے مداح انہیں خود ہی بے نیاز رکھتے، اور وہ ہر لحاظ سے بے نیاز تھے...... ع

جو بے نیاز کا بندہ ہے بے نیاز رہے

(8) ان کے پاس ایک بہت پرانا بٹوہ تھا، جو ملتان کے ایک مجذوب نے دے رکھا تھا، یا بٹوہ ان کا اپنا تھا۔ مگر اس میں کچھ دھیلے اور پائیاں پڑی تھیں، جو اس مجذوب نے دی ہوئی تھیں انہیں بٹوہ میں تبرکاً رکھ چھوڑا تھا، فرماتے ان کی برکت سے بٹوہ کبھی خالی نہیں رہا۔

اصل چیز عقیدہ

(9) فرماتے جو لوگ روٹی کے لئے جدوجہد کرتے اور اسی کے لئے جیتے ہیں، ان میں اور ایک کتے میں کوئی فرق نہیں، وہ بھی روٹی کے لئے بھونکتا اور دُم ہلا کر مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ روٹی کوئی چیز نہیں اصلی چیز عقیدہ اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی دھن ہے۔

محرم کے دنوں میں باجا بجوا کر تعزیہ نکالنا

(10) مذہباً پکے مسلمان اور بہ لحاظ مسلک "حنفی العقیدہ" تھے۔ دیوبند کے مدرسہ کے پیرو۔ لیکن طبیعت میں کسی کے لئے تنفر نہ تھا۔ ہر فرقے کی اچھائیوں سے محبت کرتے، مرزائیوں کو تو مسلمان ہی نہ سمجھتے تھے...... صوفیاء اور اولیاء کرام کا بے حد احترام کرتے، اور مزے میں آ کر فرماتے، بھئی میں تو چشتی بھی ہوں، نقشبندی بھی، قادری بھی، صابری اور سہروردی بھی......
مولانا داؤد غزنوی نے شکایت کی، کہ مظہر علی اظہر اپنے بیٹے قیصر مصطفیٰ کی شادی پر باجا بجوا رہا ہے، فرمایا بھئی ان سے گلہ نہ کرو، وہ تو محرم کے دنوں میں باجے بجوا کر تعزیہ نکالتے ہیں۔

اپنے دائرہ سے باہر دعوتوں میں عدم شرکت

(11) اپنے دوائر سے باہر عام مجلسی دعوتوں میں شاذ ہی شریک ہوتے تھے، میں نے انہیں اپنے بھائی یورش کاشمیری کے لئے دعائے مغفرت مانگنے کو کہا، تو فرمایا۔ اجی چھوڑو! اس ننھی کلی سے کون حساب لے گا۔ خدا ہماری اور تمہاری طرح تھوڑی ہے۔ قیامت کے روز چنگیز، ہلاکو، ہٹلر، مسولینی وغیرہ کا حساب ہی لمبا ہوگا۔ ہماں شماں سے کون پوچھتا ہے۔

(12) وعدہ بہر حال پورا کرتے، سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں تین سو چھیاسٹھ تقریریں فرماتے۔ لیکن وقت کی پابندی ان کے بس کا روگ نہ تھا، جلسہ میں دیر سے پہنچتے، اور جس کے ہاں جا کر ملنا ہو وہاں وقت مقررہ کا دو چار گھنٹے اوپر ہو جانا تو معمولی بات تھی۔

(13) ان کے پاس کوئی وسیع لائبریری نہ تھی بلکہ تھی ہی نہیں۔ فرماتے ایک قرآن کے سوا میں نے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ ابتداء بعض کتابیں پڑھی تھیں، پھر مطالعہ کا یہ ذوق کچھ دنوں

ساتھ رہا۔ آخر قرآن پاک ہی کو رفیق بنالیا۔ مولانا محمد طفیل منگلوری کی کتاب ''مسلمانوں کا روشن مستقبل''۔ ایک زمانہ میں ساتھ رکھتے اور ساتھیوں کو اس کے پڑھنے کا مشورہ دیتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا ''الہلال'' ظفر علی خاں کا ''ستارہ صبح'' انہوں نے ڈوب کر پڑھے تھے۔...... علامہ اقبال کے کلام کا بڑے انہماک سے مطالعہ کیا تھا۔ ''بال جبریل'' تو سفر و حضر میں ساتھ رکھتے۔

(14) اپنی ذات کی ہر حال میں نفی کرتے، اور جماعت کے دوستوں یا جماعت سے باہر کے انگریز دشمنوں کے قصیدے پڑھاتے اور دعائیں دیتے تھے۔

(15) خط و کتابت کے مطلق عادی نہ تھے بہت کم خطوں کا جواب دیتے، اور شاذ ہی کسی کو خط لکھتے تھے۔ البتہ بعض جوابات بیٹوں سے املا کرا دیتے تھے مضمون نگاری کا شوق مطلق نہ تھا۔ صرف بیاض رکھتے تھے۔[1]

کون سا لحن داؤدی تھا؟

مولانا تاج محمود'' قمطراز ہیں۔

ایک دفعہ مولانا محمد علی جالندھری سندھ کے تبلیغی دورے سے واپس آئے سفر کی تھکان طبیعت ناساز، گلا خراب افسردہ حال شاہ جی کی خدمت میں آ پہنچے۔ شاہ جی خود بھی بیمار تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی۔ شاہ جی مولانا کا بے حد احترام کرتے تھے پوچھا:۔

''محمد علی کیا حال ہے؟''

مولانا نے جواب دیا:۔

''شاہ جی سفر بہت تھا بیمار ہو گیا تقریریں کرنا پڑیں طبیعت سخت خراب ہو گئی اور گلا بھی خراب ہو گیا۔''

شاہ جی نے لیٹے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور فرمایا:۔

---

1. چٹان ص 70

محمد علی خدا کا خوف کر تیرا گلا خراب ہو گیا یہ پہلے کون سا لحن داؤدی تھا جواب خراب ہوا ہے“

حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ شاہ جی خود بھی ہنس دیئے مولانا کی ساری خرابی طبیعت جاتی رہی اور چہرہ کھل گیا۔

وہ عام طور پر فرمایا کرتے تھے کہ میں......اس ملک کے چپے چپے پر پھرا ہوں۔ میری قوم کی نفسیات یہ ہیں کہ یہ ڈنڈے والے کے آگے اور دولت والے کے پیچھے بھاگتی ہے۔[1]

جامع الصفات انسان

سید عطاء اللہ شاہ بخاری بلاشبہ ایک جامع الصفات انسان تھے۔ قدرت نے انہیں دل و دماغ کی بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ انسان الفاظ کے استعمال میں عموماً فیاض ہوتا ہے۔ مدح ہو یا قدح۔ قلم و زبان اکثر بے روک ہو کر چلتے ہیں لیکن شاہ جی کا معاملہ یہ تھا کہ کمالات و محاسن کے جتنے الفاظ بھی فراہم ہو سکتے ہیں انہیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے پلڑے میں شاہ جی کے حسن و خوبی کا سرمایہ ہو تو یقیناً دوسرا پلڑا ہی جھکے گا۔ شاہ جی ایک خاص سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔

اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ شخصیتیں ہی تہذیبی و معاشی حالات کے تقاضوں اور ضرورتوں کا مظہر ہوتی ہیں ان کا وجود عوام سے کہیں بلند ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ عوام کی پیروی کے لئے نہیں، عوام کی رہنمائی کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ اور زمانہ سے ماورئی نہ ہو کر بھی اس سے مستثنیٰ ضرور ہوتے ہیں شاہ جی فکر و نظر اور جہد و عمل کے ایک خاص عہد کی پیداوار تھے اس عہد نے واقعتہً ہماری قومی صفوں میں بڑے بڑے آدمی پیدا کئے۔ شاہ جی گویا اس محفل کا آخری چراغ تھے۔ ع

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں!

---

1 چٹان لاہور 15 جنوری 1962ء ص 70

حضرت امیر شریعتؒ کی احباب و رفقاء سے بے تکلفی

◉ حضرت امیر شریعتؒ فرماتے ہیں:

غالباً ۱۳۶۵ھ مطابق جنوری ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے۔ الیکشن ہی کا زمانہ تھا۔ میں پنجاب سے فارغ ہو کر سرحد پہنچا۔ شاید کچھ انتخاب ہو چکے تھے۔ اور کچھ باقی تھے۔ مجھے پروگرام کے مطابق کئی جگہ تقریریں کرنی تھیں۔ اس سلسلہ میں ہزارہ پہنچا۔ اور وہاں سے فارغ ہو کر اکوڑہ خٹک پہنچے۔ بیت الخلاء کی ضرورت ہوتی۔ تو میں نے پوچھا بھائی "پیشاب پاخانے کی کوئی جگہ ہے۔" تو مولانا غلام غوث کہنے لگے۔ جہاں ہم گئے تھے۔ وہیں کہیں آپ بھی بیٹھ جائیے۔ اب جو میں نے باہر نکل کر دیکھا تو کھلا میدان ہے۔ اس میں کوئی دائیں سے آ رہا ہے۔ اور کوئی بائیں سے کوئی آگے سے اور کوئی پیچھے سے۔ اب میں بیٹھوں گا تو کہاں؟ میں واپس آ کر کمرے میں چپ چاپ لیٹ گیا۔ اور وہیں یہ نظم لکھ دی۔ مجھے "چمگادڑ کے مہمان" کی ضرب المثل یاد آ گئی۔ کہ اس کے کوئی مہمان آ گیا۔ اس نے کہا کہ بھائی کہاں بیٹھیں اٹھیں دن کا وقت تھا۔ اور دن کو چمگادڑ درختوں یا مکانوں میں اُلٹے لٹکے رہتے ہیں۔ اس نے وہیں سے جواب دیا۔ جہاں ہم لٹکے ہوئے ہیں۔ تم بھی لٹک جاؤ۔ اور یہی قصہ مجھے اکوڑہ خٹک میں پیش آ گیا۔ کہ جن کے مہمان تھے۔ انہوں نے بھی "جہاں ہم لٹکے ہوئے ہیں۔ تم بھی لٹک جاؤ۔" کی قسم کا مشورہ دے دیا۔ یعنی جہاں وہ خود لٹکے ہوتے تھے۔ ہمیں بھی لٹکانا چاہا۔

مولانا ہزارویؒ نے مجھے دیکھا تو باہر سے بول اٹھے۔ کہ آپ کہیں نظم تو نہیں لکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا ہاں لکھ تو رہا ہوں۔ کہنے لگے سنائیے۔ میں نے پڑھی تو کہنے لگے کہ لوگوں کو مت سنائیے گا۔ میں نے کہا اچھا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ جب سب اکٹھے ہو گئے۔ تو میں چپکے

سے کاغذ نکال کر نظم پڑھنی شروع کر دی۔ بس جو حال ہوا وہ بیان سے باہر!...... وہ یہ ہے:

ہری پور ہزارہ کے جلسہ کے بعد
یہ آرڈر ملا جیش احرار کو
کہ جانا ہے تم کو اکوڑہ خٹک
یہ فرمان سنتے ہی سب سرخ پوش
باانداز خاص و بخوشی و خروش
روانہ ہوئے سوئے روڈ خٹک
ہوئی شام اور سرخ پوش آ گئے
اٹک پر برنگ شفق چھا گئے
دیئے سب نے بکس اور بستر پٹک
کسی کو جو فطری تقاضا ہوا
مودب وہ اس طرح گویا ہوا
کہ دوں اپنی بوری کو کس جگہ جھٹک
یہ فرمایا اٹھ کے اک خان نے
وہ اک محترم اور ذیشان نے
بشان خصوصی قوم خٹک
خو تم نے سنا ہے وہ شمپکا بات
جو اس نے کہا اپنے میزبان سے
دکھا کر اپنی لٹک اور مٹک
یہاں ٹٹی مٹی کی حاجت نہیں

جہاں ہم لٹکتا ہے تو بھی لٹک

(سواطع الالھام ص۸۱ تا ص۸۳)

حضرت غوث ہزارہ کے حکیم حاذق

● حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

انہی دنوں (صفر ۱۳۶۵ھ مطابق جنوری ۱۹۵۶ء) کی بات ہے۔ (مجلس احرار اسلام) کے دفتر میں بخار سے پڑا ہوا تھا۔ کہ اتنے میں حضرت ہزارویؒ آئے اور پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا بخار ہے۔ کہنے لگے میرے پاس ''کرنجوہ'' بخار کی دوا ہے۔ وہ کھا لیجئے میں نے کہا کڑوا ہوگا؟ تو کہنے لگے کہ بخار میں مفید ہوتا ہے۔ میں نے کہا دیجئے میں نے ہتھیلی پر رکھ کر منہ میں ڈال لیا۔ اور اوپر سے پانی پی لیا۔ جب میں دوا پی چکا تو نہایت سے کہنے لگے کہ آپ کو معلوم ہے۔ کہ اس کو فارسی میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے اس خایۂ ابلیس اور اس پر ایک زور کا قہقہہ لگایا۔ میں نے کہا خدا کے بندے یہی کرنا تھا تو کھانے سے پہلے بتا دیا ہوتا۔ تو فرماتے ہیں۔ کہ بتا دیتا تو آپ کھاتے ہی کہاں۔ خیر کوئی حرج نہیں چیز مفید ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ لے بھائی پٹھان چوٹ کر گیا۔ اگر اس کا جواب نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ خیر اس وقت تو میں نے بات ٹال دی۔ اور چپ کر کے لیٹا رہا۔ لیکن دھیان اسی طرف تھا کہ کچھ ہونا ضرور چاہئے۔ مولانا تو یہ کہہ کر ایک طرف ہٹ گئے۔ اور باہر آمدے والے کمرہ میں جا کے لیٹ گئے۔ اور میں نے کاپی پنسل جو میرے سرہانے رکھی تھی۔ اٹھا کر ایک قطعہ لکھا۔ اب مولانا کو فکر ہوئی کیونکہ وہ مجھے لکھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ تو وہیں سے گھبرا کر پوچھنے لگے کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ آپ کا قصیدہ لکھ رہا ہوں۔ مجھے ''کرنجوہ'' بخار کی دوا کھلا کر آپ نے اسے خایۂ ابلیس بتایا ہے۔ تو آپ کی تعریف لکھی ہے۔ تاکہ بیماروں کو آپ کے علاج اور دواؤں کا پتہ چل جائے۔ کہ آپ کیا کچھ کرتے اور کھلاتے رہتے ہیں۔ کہنے لگے اچھا سنائیے۔ میں نے قطعہ پڑھا۔ اب جو سنا تو ''لاحول ولا قوۃ'' پڑھتے ہوئے اٹھ ہوکے اور کھڑے کہنے لگے کشتہ نہیں بلکہ صفوف تھا۔ میں نے کہا اچھا اگر پہلے نہیں تھا تو اب کشتہ ہو گیا۔ اس پر بے چارے پریشان ہوئے۔ اور لوگوں کو سنانے سے روکتے رہے۔

اور مجلس میں ایک تماشا بنا رہا۔ وہ قطعہ یہ تھا۔

حضرتِ غوث ہزارہ کے حکیمِ حاذق
جو کہ بیماروں سے کم فیس لیا کرتے ہیں
اب یہ معلوم ہوا ہے کہ بخاروں میں حضور
کشتۂ خایۂ ابلیس دیا کرتے ہیں

(**سواطع الا لهام ص ۹۲**)

خوش طبعی اور حاضر جوابی

مولانا عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں:

ایک مجلس میں امیر شریعتؒ نے قرآنی لفظ ''ترھبون'' کا ترجمہ ''یرکانے'' سے کیا۔ اور بطور مثال فرمایا کہ بھینسے جب لڑتے ہیں۔ تو آپس میں سر تو جوڑ لیتے ہیں۔ مگر کمزور بھینسا یرک جاتا ہے۔ وہ گو مقابل بھینسے کو دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر پچھلی طرف سے اس کا گوبر بھی نکلتا ہے۔ مولانا ہزارویؒ نے فوراً کہا پتلا ہو کر۔ شاہ صاحب نے داد دیتے ہوئے کہا واہ واہ سچ ہے۔ جائے استاذ خالی نیست

(**سوانح** مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ص ۸۱)

قافلہ تحریک آزادی کے ممتاز حدی خواں

یہ لوگ جس زمانے میں اپنے بلند آہنگ حوصلوں کے ساتھ سامنے آئے تھے جب تک ہمارے سامنے اس دور کی صحیح تصویر نہ ہو۔ اس وقت تک ہم اس مٹی کے محاسن کا اندازہ ہی نہیں کر پاتے جس مٹی سے ان لوگوں کے پیکر تیار ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ماضی اپنی خاص روایتوں کے ساتھ گور کنارے آ چکا تھا اور اس کے روبرو ایک نیا دور اپنی تمام شدتوں کے ساتھ نشو ونما پا رہا تھا۔ جہاں تہاں برطانوی سامراج کے خلاف خیالات بڑی تیزی سے کروٹیں لے رہے تھے دماغوں میں بہمہ وجوہ احتجاج موجود تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے نتائج نے اس

احتجاج کا راستہ صاف کر دیا۔ پورے ملک کی خواہش آزادی دولت ایکٹ، جلیانوالہ باغ اور تحریک خلافت کے داخلی و خارجی اثرات کے تحت ایک مرکز پر آ گئی۔ اس مرکز نے رہنمائی اور اس کے مظاہر کا ایک نیا قافلہ پیدا کیا۔ شاہ جی اس قافلے کے ممتاز حدی خوانوں میں سرفہرست تھے۔ ادھر غور کرنے سے یہ عجیب و غریب بات کھلتی ہے کہ جو لوگ اس قافلہ میں شریک تھے۔ وہ کسی تنہا خوبی ہی میں منفرد نہیں تھے بلکہ ان کی ذات بہت سی خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ احوال کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ زندگی کا ہر گوشہ تبدیلیوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ نہ صرف دنیا نے ایک نیا سانچہ قبول کر لیا تھا بلکہ فکر و نظر کے بھی دوائر ایک نیا روپ اختیار کر رہے تھے۔ شاہ جی معناً ان علما و صلحا کے وارث تھے جنہوں نے اسلام کی اساس پر انگریزوں کی بیخ کنی کا عہد کیا تھا اور دیوبند کا مدرسہ جن کے امتیازی معتقدات کی علامت تھا۔ اس ذہن کی تعمیر میں بہت سے عوامل کا ہاتھ کار فرما رہا۔ اب جو قومی احتجاج کی اجتماعی روح عدم تشدد کے طریق اور عدم تعاون کی تکنیک سے پرچم کشا ہوئی تو عثمانی خلافت کا سکوت اور عرب ملکوں کے حصے بخرے اس ذہن کے لئے مہمیز ثابت ہوئے۔ اسلامیت اور وطنیت کے ملے جلے جذبات نے 1857ء کے بعد 1919ء میں آزادی کا ایک نیا ولولہ پیدا کیا کہ ذہنی طور پر انگریز سارے ملک کے دماغوں اور دلوں سے نکل گیا۔ رہا تو ان لوگوں کے دلوں میں جو انگریزی بساط کے مہروں کی حیثیت رکھتے اور اپنے گرد و پیش انسانوں کی ایک اقلیتی کھیپ کے وفاداری بشرطِ استواری کے تحت سوداگر تھے۔

انگریزی حکومت کے دبدبے نے 1857ء کے بعد اس برصغیر کو نہ صرف مفتوح کر لیا بلکہ مغلوب لوگوں کے ساتھ مرعوب دماغوں کا بازار بھی رونق پر تھا۔ مگر تحریک لاتعاون کے برگ و بار نے مسلمانوں کی عنانِ رہنمائی دفعتہً ان لوگوں کے حوالے کر دی جنہیں قدرت نے شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، اور نطقِ عربی دے کر پیدا کیا تھا۔ اور جن میں اکثر ماضی مرحوم کے خلوت خانہ تخیل میں زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔

ماضی کا تخیلی پیکر

سید عطاء اللہ شاہ بخاری اسی ماضی کا تخیلی پیکر تھے ان کا ہر وار ایک بانکے پھکیت کی

طرح چوس رہا۔ وہ کبھی نہ تھکنے والی روح لے کر آئے تھے۔ آج چونکہ وہ نہایت آگے نکل چکی ہے اور اس عہد کی اداشناس پود بھی قریب قریب ختم ہو چکی یا ہو رہی ہے۔ پھر قلم و زبان کے نئے نئے ''رستم'' و ''اسفندیار'' پیدا ہو رہے ہیں لہٰذا یہ سمجھنا یا سمجھانا ذرا مشکل ہے کہ ان لوگوں نے ملک و قوم کو کیا کچھ عطا کیا؟

صبح ضرور ہوتی ہے اور سورج بھی وقت پر نکلتا ہے لیکن طلوع و غروب کا فاصلہ یونہی طے نہیں ہوتا۔ پہلے ستارے اجڑتے۔ رات کٹتی پھر پو پھٹتی ہے۔ اس حقیقت کو جاننا اور پہچاننا اشد ضروری ہے کہ قومی آزادی تاریخی اعتبار سے کبھی کسی فرد واحد کی تنہا فراست اور تنہا ہمت کا نتیجہ نہیں ہوتی اور نہ اس کا پودا آناً فاناً بارآور ہوتا ہے یہ حکایت ایک طویل عمل اور ایک طویل عہد سے مرتب ہوتی ہے یہ صحیح ہے کہ قومی خواہشوں اور ملکی ولولوں کا مظہر بسا اوقات ایک ہی وجود ہوتا ہے اور علامۃ الناس کے قدم اس کے قدموں کے ساتھ اٹھنے لگتے ہیں لیکن اصلاً حریت و استقلال کا یہ قصر بے شمار لوگوں کی جگر کاوی، سرفروشی اور فراست ایمانی، دانائی سے اٹھتا اور بنتا ہے۔

حصولِ آزادی کی مثال

مثلاً بھوک ہے۔ اس کے تقاضا پر انسان روٹی کھاتا ہے لیکن بھوک پہلے لقمہ سے نہیں مٹتی بلکہ یکے بعد دیگرے بہت سے لقمے کھانا پڑتے ہیں۔ آخر میں ایک لقمہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھوک نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ آخری لقمہ ہی بھوک کا مداوا نہیں ہوتا بلکہ پہلے لقمہ سے لے کر آخری لقمہ تک جتنے لقمے بھی پیٹ میں جاتے ہیں ان کی اجتماعی طاقت سے پیٹ بھرتا ہے۔ بعینہٖ یہی مثال آزادی کی ہے کہ یہ عمارت سنگ و خشت کی نہیں ہوتی لیکن سنگ و خشت سے بنی ہوئی عمارتوں ہی کے اصول اس پر عائد ہوتے ہیں۔ بنیادیں کھودنے۔ بنیادیں بھرنے دیواریں اٹھانے، اینٹیں لگانے، گارا بنانے اور رنگ و روغن کرنے کے بیسیوں مرحلے پیش آتے ہیں تب ایک عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

شاہ جیؒ بیالیس سال قبل جس ہراول دستے کے ساتھ نکلے تھے وہ لازماً قومی آزادی اور قومی استقلال کی جدوجہد کا مقدمۃ الجیش تھا۔ ان کے سامنے صرف آخری مرحلہ ہی نہ تھا بلکہ

وہ ابتدائی مرحلے میں تھے اور اس مرحلے کو پیدا کرنا بھی ان کے ذمہ تھا۔ انہوں نے بنجر زمینوں میں ہل جوتا انہیں ہموار کیا پھر بیج بویا کھیت سینچا۔ موافق موسم کی نگہداشت کی۔ مخالف موسم کے تاؤ سہے۔ آخر فصل پکی اب کیا ضروری تھا کہ بجائی کرنے والے ہی کٹائی کے وقت موجود ہوتے۔ قافلہ چلتا اور بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ منزل سامنے آ گئی اور ہم آزاد ہو گئے۔ اب نصف صدی پیچھے مڑ کر دیکھیں تو ان بنجر زمینوں کو سیراب کرنے کی مشکلات کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔

ملک کا چپہ چپہ شاہ جیؒ کا شکر گزار

غرض ہندوستان اور پاکستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں شاہ جیؒ کی آواز نہ گونجی ہو برصغیر کے ایک راہنما کا قول ہے کہ یہاں کا چپہ چپہ شاہ جیؒ کے جہد آشنا قدموں کا شکر گزار ہے۔

جس کا منطقی نتیجہ ہماری قومی آزادی کا وجود ہے یا جس معنوی طاقت کی اساس پر یہ ساری عمارت قائم ہے۔

بیان میں جادو زبان میں سحر

ادھر یہ بات بڑے زور سے کہی گئی ہے کہ شاہ جی اردو کے سب سے بڑے خطیب تھے ان کے بیان میں جادو اور ان کی زبان میں سحر تھا ان کے حرف حرف پر لوگ سر دھنتے اور موتی چنتے تھے ان کے خدا، و رسول اور اسلام سے عشق کی حکایتیں بھی زباں زد عام ہیں اور لوگ مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔

مگر ان کی خطابت نے جن بتوں کو توڑا۔ اور ان کی فراست نے جن فوجوں کو پسپا کیا ان کا ذکر پس منظر میں چلا گیا ہے حالانکہ دوسری اہم چیزیں پس منظر کی تھیں۔ ان کا سب سے بڑا کمال ہی یہ تھا کہ انہوں نے ملک کے جمود کو توڑا۔

قوم میں مردانگی کا جوہر پیدا کیا

اور قوم کی سیاست میں مردانگی کا جوہر پیدا کیا۔ فی الجملہ ان کا وجود انعامات میں سے تھا اس پورے ملک میں وہ اپنی ہمہ گیر خوبیوں کے باعث ایک عہد اور ایک ادارہ تھا۔ واقعہ

یہ ہے کہ وہ قیادت و سیادت اور خطابت و سیاست کی ایک انجمن تھے۔ پاکستان میں شاید ہی کوئی شخص ان خصائص کے اعتبار سے ان کا ہمسر ہو۔ انہوں نے 50 سال کا عرصہ صلہ و اجر کی ہر خفی و جلی خواہش کے بغیر بسر کیا۔ اور یہ شرف صرف انہی کو حاصل رہا کہ:۔

(1) اس برصغیر میں ان کی آواز کا جادو سحر کرتا رہا اور خلاف سامراج ذہن نے ان کے آتش کدے سے نشو و نما کی حرارت پائی۔

(2) مسلمان نوجوان میں برطانوی ملوکیت سے وابستہ رہنے کا جذبہ ایک عرصہ سے راہ پا رہا تھا انہوں نے اس جذبے کو بیخ و بن سے اکھاڑا۔ جن نوجوانوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا وہ زیادہ تر درمیانے طبقے کے لوگ تھے جن سے عوامی تحریکوں میں لیڈر شپ پیدا ہوتی ہے۔

(3) غریبوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو امراء کے استحصالات سے برافروختہ ہو کر نہ صرف طبقاتی شعور کی راہ پر آ گئی بلکہ بازارِ سیاست کے ''معرکہ ہائے خرید و فروخت'' سے بلند و بالا ہو کر کام کرتی چلی گئی۔

(4) مسلمانوں میں فعال سیاسی کارکنوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کیا جس کا عام حالات میں قحط تھا اس کھیپ ہی سے اعلیٰ پایہ کے وہ مقرر پیدا ہوئے جنہوں نے انقلابی ذہن کی نقش آرائی میں قابل قدر حصہ لیا۔

(5) عوام کے دلوں میں سے نہ صرف استحصالی گروہ کے خوف کو دور کیا بلکہ ان کے جوہر خودی کو یہاں تک پروان چڑھایا کہ قربانی و ایثار کا تاریک راستہ روشن ہو گیا۔

(6) مسلمانوں میں جن سیاسی و دینی بدعات کو بالالتزام راسخ کیا جا رہا تھا ان کا سانچہ توڑ ڈالا اور بعض معاشرتی خرابیوں کا سد باب کیا۔

(7) خطابت میں نئی نئی راہیں پیدا کیں قیادت کے کاسہ لیس ذہن کو ختم کیا۔ سیاست کو امراء کی جیب کی گھڑی یا ہاتھ کی چھڑی بننے سے روک دیا اور اس کا ایک عوامی مزاج بنا ڈالا۔ اگر تحقیق کی جائے تو یہ بات بھی نکھر کر سامنے آ جائے گی کہ نشو و نما کے اعتبار سے اردو کا دامن ان کی خوبیٔ گفتار کا منت پذیر ہے۔ یہ حقائق اتنے واضح ہیں کہ نصف صدی کے سیاسی شب و روز کا وقائع نگار خود شاہ جی کے سوانح و افکار میں سے تاریخ کی بعض گمشدہ کڑیاں تلاش کر سکتا ہے

دیکھنا یہ ہے کہ اس فرض سے کون عہدہ برآمد ہوتا ہے۔[1]

لباس وخوراک

تمام عمر جھوٹا موٹا پہنا، سادگی کا یہ عالم تھا، کہ آخری دنوں میں تہمند باندھتے تھے فرماتے میاں (حضور ﷺ) بھی یہی باندھا کرتے تھے، کھانے پینے میں کوئی امتیاز نہ تھا، جو ساگ ستو ملا، کھالیا، اس معاملہ میں فقر ودرویشی کا مرقع تھے...... دستر خوان پر جو موجود ہوتا، خدا کا نام لے کر بڑے مزے سے کھاتے تھے چائے خود بنا کر پیتے، اور صحیح چائے پیتے تھے، پان بھی خود ہی بناتے......اور کھاتے تھے......رہن سہن کا عالم بھی یہی تھا۔ ایک فقیر کی جھونپڑی اور ان کے مکان میں کوئی فرق نہ تھا۔ اس اعتبار سے وہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا صحیح نمونہ تھا۔

قرونِ اولیٰ کے صحابہؓ کے خوشہ چین

زندگی میں بہت سے رہنما دیکھے، جو دماغ، نظر طبیعت اور حسن وخوبی کے بے شمار گوشوں میں منفرد تھے، مگر ایک بات شاہ جی کے بارے میں پختہ یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے، کہ وہ قرونِ اولیٰ کے صحابہ ہی کے خوشہ چین تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہوتے، تو ابوذر غفاریؓ، خالد بن ولیدؓ اور بلال حبشیؓ کی صف میں شامل ہوئے۔

●●●● ●●●●

1۔ ہفت روزہ چٹان 1962ء ص 69

ہمہ تن ایثار سراپا اخلاص

شاہ جیؒ کی ذاتِ گرامی بے شمار محاسن کا مجموعہ تھی وہ بظاہر ایک انسان تھے۔ لیکن حقیقت میں قدرت نے انہیں کئی انسانوں کے کمالات اوصاف سے نوازا تھا وہ عشق رسولؐ میں ڈوبے ہوئے بے مثال مفسرِ قرآن و فصیح البیان مبلغ اسلام بڑے دل گردے کے مجاہد، ہمہ تن ایثار سراپا اخلاص وجیہہ صورت مضبوط ڈیل ڈول، سرفروش غازی، سحر طراز مقرر انقلاب انگیز خطیب، پرسوز قاری، باخدا مردِ مومن اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک عظیم انسان تھے۔ ان کے خیالات میں آسمانوں کی بلندی، عقائد میں پہاڑوں کی پختگی، زبان میں دریاؤں کی روانی جلال میں تلواروں کی کاٹ اور جمال میں صبا کی لطافت پائی جاتی تھی۔ وہ نبی نہ تھے بلکہ ان کی زندگی حضور سرور کائناتﷺ کے اس ارشاد کی شہادت واشاعت میں گذری کہ:

"انا خاتم النبیین لا نبی بعدی"

لیکن شکل وصورت سے لے کر نشست و برخاست تک ہر بات میں پیغمبرانہ انداز رکھتے تھے۔ ان کے جس کمال اور جس خصوصیت پر غور کیا جائے۔ حافظ شیرازی کا یہ شعر یاد آ جاتا۔

زفرق تابقدم ہر جا کہ میم!
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا انیجا است

ہم نے انبیاء علیہم السلام کو دیکھا نہیں ان کے حالات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ شاہ جیؒ کی زندگی عبادت وریاضت سے لے کر لطافت وظرافت تک انہیں اکابر کی زندگیوں کا عکس جمیل تھی۔ اگر چہ فیاضِ ازل نے بڑی فیاضی سے اُنہیں بے شمار ملکات وصفات

ودیعت فرمائے تھے۔لیکن ان کمالات میں جو چیز سب سے نمایاں تھی اور جس کی بدولت شاہ جیؒ آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے وہ ان کی خطابت تھی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ حسب ونسب کی شرافت ونجابت سے لے کر آواز کی سحر طرازی اور الفاظ کی فصاحت و بلاغت تک کی تمام نعمتیں انہیں خطابت ہی کے لئے عطا کی گئیں تھیں۔

شاہ جیؒ بڑے عجیب و غریب انداز سے آتے۔ پنڈال نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھتا۔اور جب وہ سٹیج پر پہنچ کر ستاروں میں چاند کی طرح بیٹھ جاتے تو لوگوں کا شعور وغل اور جلسے کی افراتفری سکون وسکوت میں بدل جاتی ہو کا عالم طاری ہو جاتا۔اب شاہ جیؒ مجمع کے سامنے آتے تھوڑی دیر خاموش کھڑے رہتے۔ کچھ پڑھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں اور ہتھیلی پر پھونکتے۔ ہاتھ منہ پر پھیر لیتے۔ میرا زندگی بھر یقین رہا کہ جب شاہ جیؒ مجمع کے سامنے کچھ پڑھ کر پھونکتے تھے۔تو آپ کے دِل کا تعلق کسی اور ہی جگہ ہو جاتا تھا۔

سیماب لفظ اترتا ہے عرش سے

ایک دفعہ سامنے پھر دائیں بائیں غور سے مجمع کو دیکھتے۔ پھر خطبہ کی آیات اور درودِ پاک حجازی لے میں پڑھتے۔عوام کے دل و دماغ مسحور ہو جاتے،عناصر پر سکتہ طاری ہو جاتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ عالم ارواح اور عالم ملکوت بھی شاہ جیؒ کی آواز پر متوجہ ہو گئے ہیں۔تقریر شروع ہوتی منہ سے پھول جھڑنے لگتے ہاتھ اٹھاتے ہلاتے تو محسوس ہوتا کہ عوام پر جادو کر رہے ہیں۔ آیات احادیث کا ایک ذخیرہ اور ان کی ایسی اچھوتی تشریح وتفسیر کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ عربی، فارسی، اُردو، پنجابی، سرائیکی کے شعر ایسے برمحل پڑھتے گویا انگشتری میں نگینے جڑ رہے ہیں۔ لطائف وظرائف بیان کرتے تو مجمع کشتِ زعفران بن جاتا۔کبھی ہنسا دیتے کبھی رلا دیتے رات ڈھل جاتی،سحر قریب ہوتی اور وہ پڑھ رہے ہوتے۔

نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبری داند

نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

نہ کسی کو سردی گرمی کا احساس رہتا۔نہ کسی کو نیند آرام کا خیال،اگر کسی کو کوئی فکر دامن گیر ہوتی تو صرف یہ کہ کہیں رات ختم ہونے کے ساتھ ہی شاہ جیؒ کی تقریر بھی ختم نہ ہو جائے۔

اکثر ایسا بھی ہوا کہ شاہ جیؒ کی تقریر میں صبح اذان ہوئی اور شاہ جیؒ چونک کر موذن کو پکار اٹھے۔

تیری آواز مکے اور مدینے

تب تقریر ختم کر دیتے، لوگ اصرار کرتے شاہ جیؒ کچھ اور فرماتے، بھائی رات ختم ہو گئی۔ اور شاہ جیؒ کی عموماً اس شعر پر ختم کر دیتے۔

وسعتِ دل ہے بہت وسعتِ صحرا کم ہے

اس لئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے!

شاہ جیؒ! کی تقریریں لوگوں کے دل و دماغ کو کیونکر مسخر کر لیا کرتی تھیں یہ ایک لمبی داستان ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ انہوں نے اپنی خطابت سے بڑے بڑے طوفانوں کو روکا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معر کے سر کئے۔ صرف واقعات عرض کرتا ہوں جن سے اندازہ ہوگا کہ کس طرح لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لیا کرتے تھے۔

(۱) ایک دفعہ ریٹائرڈ پولیس افسر نے بتایا کہ ایک مرتبہ شاہ جیؒ مسجد خیر دین امرتسر میں تقریر کر رہے تھے میں ڈیوٹی پر تھا۔ دو بجے شب مجھے اعلیٰ احکام نے طلب کیا اور میری جگہ ایک دوسرا رپورٹر بھیجا۔ میں نے جب اپنی ڈائری ختم کی تو اس میں یہ الفاظ درج کر دیئے۔

”شاہ جیؒ رات کے ۱۱ بجے سے تقریر کر رہے ہیں۔ اب رات کے دو بجے ہیں ان کی تقریر سے حاضرین جلسہ تو درکنار مسجد خیر دین کے در و دیوار اس کے گنبد و محراب اور حوض کے پانی تک منجمد ہو چکے ہیں۔“

شاہ جیؒ ایک حسب طرز خطیب تھے ان خطابت میں سیاست، مذہب، معاش اور معاشرت ہر قسم کے مسائل زیر بحث آتے۔ لیکن ان کی خطابت کا مرکزی نقطہ جس کے گرد نہ صرف ان کی خطابت بلکہ ان کی پوری زندگی گردش کرتی تھی وہ عشق رسول تھا۔ انہی کی ایک نعت شریف کا مطلع اور مقطع ہے۔

لولاک ذرّہ زجہانِ محمد است

سبحان من یریٰ چہ شانِ است

سر قضا و قدر ہمیں است اے ندیم

پیکان امرِ حق زکمانِ محمد است

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کو عشق و محبت میں ڈوب کر بیان کرتے۔ حضورؐ کے لئے الفاظ والقاب کا انتخاب خاص اہتمام سے کرتے تھے اگر کوئی معیاری نعت آپ کے سامنے پڑھی جاتی تو اس کے الفاظ آواز پر سر دھنتے تھے۔ ایک دفعہ لاہور میں ایک رضا کار نے نعت پڑھی۔ سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھتے ہوئے جھومنے لگے میری آنکھوں میں ابھی تک وہ نقش ہے۔ شاہ جیؒ جذب و مستی کے عالم میں جھوم رہے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے گھنگریالے بالوں پر بھی اسی جذب و مستی سے "وجد" کی حالت طاری تھی۔ ایک شعر پر جس میں سرور دو عالم کے فقر و فاقہ اور ردائے مبارکہ کی کہنگی کا ذکر تھا کھڑے ہوگئے اور کھڑے کھڑے جھومتے رہے یہ کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک پر قیام کرنے کا مقام تھا۔ **"لولاک"** لائل پور ۲۸ ردسمبر ۱۹۷۳ء

میرے پاس ایک چیز ہے جو اللہ کے خزانہ میں بھی نہیں

اے اللہ اس نعمت کے شکرانے میں تیری خدمت میں کیا پیش کروں۔ کیونکہ جو نعمت سوچتا ہوں وہ سب تیرے خزانوں میں موجود ہے۔ ایک دن تقریر کرتے ہوئے جھولی پھیلا دی اور فرمایا میرے پاس ایک چیز ہے جو تیرے پاس نہیں ہے۔ وہی تیرے شکر و نعمت کے لئے پیش کرتا ہوں اور وہ میرے گناہ ہیں۔ میرے پاس ان کے سوا کچھ نہیں پھر یہ بیان کچھ اِس عجز و انکسار اور رقت انگیز منظر پیش کیا کہ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

شاہ جیؒ نے تحریک آزادی میں جو تقاریر کیں اگر جمع کیا جائے تو وہ ایک بے مثال ذخیرہ ہے قرآن مجید سے بعض ایسی آیات کا انتخاب فرمایا کرتے اور ان پر آزادی سے متعلق ایسی شعلہ بار تقریریں کرتے جن کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔

آزادی کے بعد پوری توجہ مسئلہ ختم نبوت پر

ملک کی آزادی کے بعد ان کی پوری توجہ مسئلہ تحفظ ختم نبوت کی طرف ہوگئی۔ وہ اس

مسئلے کو توحید، رسالت، قیامت اور تمام عقائد و عبادات اسلام کی اصل قرار دیتے تھے، ان کا استدلال یہ تھا کہ ان تمام مسائل کی تعریف اور تعین نبوت کرتی ہے۔ اگر نبوت بدل سکتی ہے تو یہ سب کچھ بدل سکتا ہے۔ یہاں تک کہ حلال و حرام بھی بدل سکتا ہے۔

حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ ان کا جو عشق تھا اس کے خلاف وہ کسی چیز کو برداشت کرنے کا تصور تک نہ کر سکتے تھے۔ مسئلہ ختم نبوت کے سلسلہ میں شاہ جیؒ نے جو کچھ کہا وہ برسوں ہمارے ملک کی فضا میں گونجتا رہے گا اس سلسلے میں وہ بعض عجیب پیشین گوئیاں بھی کرتے تھے جو وقت نے کچھ پوری کر دی ہیں اور وقت بعض دوسری باتوں کو بھی پورا کر دے گا، انشاءاللہ

مدح صحابہؓ

صحابہ کرامؓ کے اکرام واحترام کو بھی جز وایمان جانتے تھے۔ اور اصحاب رسول اکرمؐ پر تنقید و تنقیص کو بربادی ایمان یقین کرتے۔ لکھنؤ میں بعض خلفائے راشدین کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا جرم تھا۔ شاہ جیؒ نے برسر اجلاس اس قانون کی دھجیاں اڑا دیں۔ وہ صحابہ کرامؓ ازواجِ مطہرات اور آل بیت کا اظہار کے فضائل و محاسن پر گھنٹوں بولتے رہتے تھے۔

"محمد الرسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ." (الفتح:)

اور اسی طرح "وطائفہ من الذین معک" سے وہ اصحابؓ و ازواج رسول کی معیت کے درجہ کو عام ایمان کے درجے سے افضل قرار دیتے تھے۔ وہ حدیث پاک "المرء مع من احب" کو صحابہؓ کے فضائل میں بیان کر کے سعدی شیرازی کے مشہور شعر پڑھا کرتے تھے۔

گلے خوشبوئے درحمامِ روزے
رسید از دست محبوبے بدستم!
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری !
کہ از بوئے دلاویزے تو مستم!
بگفتا من گلِ ناچیز بودم !

ولیکن مدتے باگل نشستم!
جمال ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اللہ تعالیٰ نے انہیں درویشی اور استغناء کی صفت سے نوازا ہوا تھا وہ اپنے نانا کی سنت کے مطابق غرباء سے محبت کرتے انہیں میں رہنا بیٹھنا پسند کرتے۔

"**لولاک**" لائل پور ۲۸ دسمبر ۱۹۷۳ء

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں

● ...... جناب زبیر الحسینی صاحب لکھتے ہیں:

شاہ جیؒ اس عہد کی عظیم شخصیت تھے سب سے بڑا کمال اور اعجاز یہ ہے کہ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں میں اپنی آواز سے آزادی کی تڑپ پیدا کردی۔ خدا تعالیٰ نے انہیں مختلف اور منفرد قائدانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے ساری عمر انگریز کی مخالفت اور اسلام کی خدمت میں بسر کردی۔

ان کی شخصیت ایک تاریخ ساز شخصیت تھی۔ انہوں نے ساری زندگی دلوں پر حکومت کی اور برصغیر میں چوہدری افضل حق مرحوم، ظفر علی خاں، قاضی احسان احمد اور شورش کاشمیری جیسے یگانہ روزگار ادیب اور خطیب پیدا کئے وہ ایک ایسے قافلہ کے سالار تھے۔ جس کا ہر فرد اپنے مقصد کے لئے مرنا تو جانتا تھا اس کا بدلنا اور بکنا محال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے دوست دشمن سب ان کی عظمتوں کا اعتراف کرتے رہے۔ اور جب اس دنیا سے رخصت ہوئے، تو اس شان سے کہ ان کے جنازے کے سامنے کج کلاہوں کا جلال شرما گیا۔

متحارب فرقے ایک پلیٹ فارم پر

مولانا منظور احمد نے کہا حضرت امیر شریعت نے سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا تھا۔ "صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا" انور شاہ پیچھے رہ گئے۔ لیکن تحریک آزادی کے اس جری رہنما کی سیرت، شجاعت اور بصیرت کو دیکھتے ہوئے مولانا بنوریؒ کا یہ کہنا بالکل درست ہے

کہ شاہ جیؒ بھی اس قافلہ کے بچھڑے ہوئے ایک ساتھی ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نوازشات فرمائیں۔ شاہ جیؒ بلاشبہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی منہ بولتی تصویر تھے۔ انہوں نے اپنے افکار و اعمال سے غلام قوم کو آزادی کی نعمتوں سے آشنا کیا۔

یہ شاہ جیؒ کا کمال تھا کہ انہوں نے متحارب فرقوں کو عشق رسول کی برکت سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ اس تحریک کے نتائج یقیناً حوصلہ افزا اور اثرات دوررس ہیں۔ شاہ جیؒ اور آپ کے نام لیواؤں کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ عصمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور پاکستان کی سالمیت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا جائے۔

" **لولاک** " لائل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

⊙ ...... حکیم سلطان احمد داؤدی کہتے ہیں:

لائل پور کی معروف سماجی شخصیت کو شاہ صاحبؒ کی ہم وطنی اور ہمسائیگی کا فخر حاصل ہے۔ انہوں نے شاہ جیؒ کی بے داغ جوانی بھی دیکھی اور باوقار بڑھاپا بھی۔ انہوں نے کہا شاہ جیؒ کو صرف ایک بے نظیر خطیب کی حیثیت سے نہیں دیکھنا چاہئے ان کی عظمت کا اصل اعتراف یہ ہے کہ ہم ان کے عزائم اور مقاصد کی روح کو سمجھ کر اسی جذبے سے پاکستان کی بہبود کے لئے رات دن کوشش کریں۔ داؤدی صاحب نے کہا شاہ جیؒ کو قوم کے نوجوانوں سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ ان کی نظر میں قومی تعمیر و ترقی کا دارومدار اس بات پر تھا کہ ہمارا نوجوان طبقہ صحیح معنوں میں مسلمان بن جائے آپ نے کہا جو لوگ شاہ جیؒ کے طرز فکر پر تنقید کرتے ہیں، وہ ہرگز ملک کی خدمت نہیں کرتے۔ شاہ جیؒ تو ہمارے لئے نابغہ تھے، انہوں نے اس دور میں انگریز کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا جب اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اور لوگ اپنوں سے غداری اور اغیار کی ملی بھگت سے انگریز کی چوکھٹ پر جبیں سائی کے ذریعے انعام و خطاب حاصل کیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس اس بطل حریت نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اور پاکستان بن جانے کے بعد انتہائی عسرت و تنگ دستی میں بسر کر کے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

" **لولاک** " لائل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

شاہ جیؒ کی زندگی کا ہر گوشہ قابل تقلید

شاہ جیؒ کی زندگی کا ہر گوشہ قابل تقلید ہے، ان کی ذات بجائے خود ایک انجمن تھی۔ واقعی درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ شاہ جیؒ کے ساتھی اور ان سے فیض یاب ہونے والے بجا طور پر اپنے وقت کے مانے ہوئے انسان سمجھے گئے ہیں۔ شاہ جیؒ مجموعہ صفات تھے۔ شاید زمانہ صدیوں ان کا خلا پورا نہ کر سکے۔ وہ ایک ایک لفظ پر کئی کئی دن بولتے تھے۔ ان کی زندگی ایک مرد مومن اور مجاہد کی زندگی تھی۔ وہ علم کا بحر ذخار اور عمل کا موجزن سمندر تھے۔ ان کو قرآن سے والہانہ محبت تھی، وہ جب اجلی ڈھلتی راتوں میں قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا، آسماں سے آیات نازل ہو رہی ہیں، اور وہ تلاوت کر رہے ہیں انہوں نے ہزاروں گمراہ انسانوں کو اپنی شیوا بیانی سے کلمہ پڑھنے پر مجبور کر دیا۔ شاہ جیؒ نے کبھی کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کیا۔ وہ کسی حاکم کے آگے سرنگوں نہ ہوئے ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ قرآن سے محبت اور انگریز سے نفرت تھا۔

اسلامیان عالم کے موجودہ حالات میں پاکستان کے اندر آج بخاریؒ کی ضرورت ہے اور شرق اوسط میں افغانیؒ کی۔ لیکن کیا کیا جائے کہ عدم کو جانے والے لوٹ کر نہیں آیا کرتے۔

کہنے کو سخن درا اور بھی ہیں لیکن وہ بات کہاں

بقول میر ۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

”**لولاک**“ لائل پور ۲۵ / دسمبر ۱۹۶۷ء

امیر شریعتؒ کا لقب

شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ اپریل یا مئی 1930ء لاہور میں انجمن خدام الدین کا بہت بڑا اجلاس منعقد ہوا میں اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس وقت میں فارغ شدہ مولوی تھا۔ داستان یہ ہے۔ کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تقریر کر رہے تھے۔ اسٹیج پر مولانا مفتی کفایت اللہؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، اور مولانا ظفر علی خاں موجود تھے۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بڑی زوردار تقریر ہو رہی تھی۔ درمیان میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کھڑے ہو گئے۔ اور لوگوں سے کہا کہ تم آج تقریر سن رہے ہو اور رو رہے ہو۔ تمہارے رونے کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ آج جو تم کہہ رہے ہو اگر یہ حق اور سچ ہے تو کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو اور اس کو اپنا امام بنادو اور ابھی بنادو۔ تاکہ سب اس کے پیچھے چلیں اور دین کے لئے کام کریں۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ اور ساتھ مولانا حبیب الرحمٰن کھڑے ہو گئے۔ اور مولانا ظفر علی خاں نے تقریر شروع کر دی۔ اور کہا کہ میں اس مقصد کے لئے سب سے پہلے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ اور خوب زوردار تقریر کی۔ اس پر اس پر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے کہا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری یہاں تشریف فرما ہیں۔ وہ اس کے اہل ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہئے۔ اب مولانا انور شاہ بھی کھڑے ہو گئے۔ اب انہوں نے تقریر شروع کر دی۔ اور عجیب منظر تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے تقریر میں فرمایا میں ایک بوڑھا اور ضعیف ہوں۔ اور میں اہل نہیں ہوں۔ میں اس مقصد کے لئے سید عطاء اللہ شاہ کو امیر بناتا

ہوں۔ اور میں خود ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ اب مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیئے۔ اس وقت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ رو رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے۔ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ خدا کے لئے مجھے معاف کردو۔ وہ (شاہ بخاریؒ) رو رہے ہیں اور یہ (علامہ کشمیریؒ) ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ اسٹیج پر ایک عجیب منظر تھا۔ خیر ہوتے ہوتے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی توجہات غالب آگئیں۔ اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر (امیر شریعتؒ) بنادیا گیا۔ تو سب سے پہلے بیعت ظفر علی خاں نے کی۔ دوسری بیعت مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ نے کی۔ اور تیسری بیعت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے کی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امیر شریعت بنادیئے گئے۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے نئی روح پیدا کر دی۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی توجہات تھیں۔ آپ نے شاہ جیؒ کو ہدایت فرمائی۔ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ قادیانیت ہے۔ اس کے خلاف کام کرو۔ پھر شاہ جیؒ نے جو کام سرانجام دیا۔ علامہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے۔ ہم نے بیسیوں کتابیں لکھیں جب کہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ایک تقریر کرتا ہے۔ اور قادیانیت کو مٹی میں ملا دیتا ہے۔ حضرت کشمیریؒ نہایت خوش ہوتے تھے اور بہت دعائیں دیتے تھے۔[1]

مولانا عبدالرحیم اشعرؒ سابق نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت فرماتے تھے۔ کہ شاہ جیؒ نے مجھے خود بتلایا کہ جب علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے میرے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے تو میرا پورا وجود تھرتھر کانپ رہا تھا۔ اور میں نے کہا کہ آپ نے مجھے اپنی بیعت میں لے لیا ہے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی ممبر مولانا غلام محمد علی پوری بتلاتے ہیں۔ کہ جب حضرت علامہ کشمیریؒ میری طرف ہاتھ بڑھائے تو میں نے فوراً شاہ کشمیریؒ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیئے اور عرض کیا کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور لوگ میرے ہاتھ پر۔

◉◉◉◉ ◉◉◉◉

1. خطبات ختم نبوت جلد اوّل پہلا ایڈیشن ص 279 تا ص 281

تحفظ ختم نبوت کانفرنس قادیان

1934ء میں اکتوبر کے مہینہ میں قادیان میں تین روزہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں متحدہ ہندوستان سے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام نے شرکت کی اس عظیم کانفرنس میں شاہ جیؒ کا تاریخ ساز خطاب ہوا کانفرنس کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے ملک کے نامور صحافی اور صاحب قلم ادیب جناب عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

ایسے ہی موسم میں جب شاموں کا حسن نکھر آیا تھا اور راتیں خنک ہونی شروع ہو گئی تھیں تو قادیان میں مجلس احرار نے کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا تھا۔ صرف انعقاد کا اعلان اور وہ بھی مجلس احرار کی طرف سے ایک زبردست ہنگامے کو دعوت تھی۔

لیکن اس کے باوجود خطابت کی تاریخ اور شعلہ نوائیوں کی داستان میں اس کانفرنس کے انعقاد کا اعلان ہوا۔ اس وقت پنجاب میں مجلس احرار کا طوطی بول رہا تھا۔ اس شعلہ بیان خطیبوں کی جماعت نے مسلمانانِ پنجاب کو بہت حد تک متاثر کر لیا تھا۔ یہ کشمیر چلو تحریک کا معرکہ سر کر چکے تھے۔ سر فضل حسین کی پوری کامیابیوں اور کامرانیوں کے باوجود مسلمانوں کے درمیانی طبقے میں مجلس احرار کو ان کی ساکھ پر ایک گہری چوٹ لگا چکی تھی۔ غرضیکہ چاروں طرف شہر اور قریہ میں ان شعلہ نواؤں کے چرچے تھے۔ میں بھی ان چرچوں سے متاثر تھا۔ نویں جماعت کا طالب علم مولانا داؤد غزنوی کے خطبوں سے شدید طور پر متاثر، احرار کے جلسوں کا رسیا اب یہ موقع کیسے کھو سکتا تھا چنانچہ کچھ بزرگ دوستوں کے ساتھ قادیان روانہ ہو گیا۔

تمام راستے اور سواریاں قادیان کی طرف

امیر شریعتؒ کے الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں، کہ قادیان میں ایک ہجوم

تھا جس کو یہ فخر یہ جس نے ''نبوت'' کو تو سنبھال لیا لیکن وہ امیر شریعتؒ...... کے چاہنے والوں کو سمیٹنے سے قاصر تھا، کوئی گاڑی، کوئی بس، کوئی بیل گاڑی، کوئی ٹم ٹم، کوئی تانگہ، کوئی سائیکل ایسی نہ تھی...... جو قادیان کی طرف نہ آ رہی ہو، اور رضا کار دنوں پہلے پیدل چل دیئے تھے...... جیسے جیسے یہ مختلف دیہات میں گزرتے دیہات والے بھی ان کے ساتھ ہو جاتے اور قادیان پہنچتے پہنچتے یہ خود ایک جلسہ بھی ہوتے اور ایک جلوس بھی ۔ یہ پہلی تحریک تھی جس نے یہاں کے مسلمانوں کے دونوں جذبوں کو بیک وقت متاثر کیا، ان کے نعرے ان کے جذبۂ عشق رسول کو بھی متاثر کرتے تھے اور ان کی انگریز دشمنی اور حب الوطنی کے جذبے کی بھی ان نعروں سے تشفی ہوتی تھی ۔ اس کانفرنس کا انعقاد اکتوبر 1934ء کے تیسرے ہفتے میں ہوا اور اس کانفرنس کے لئے 21، 22 اور 23 اکتوبر کی تاریخوں کا اعلان کیا گیا تھا، اس کانفرنس کے لئے ایک سکھ زمیندار کی اراضی حاصل کی گئی تھی اس زمیندار کا نام ایشر سنگھ تھا، اس اراضی پر پنڈال بھی تیار ہونا شروع ہو گیا تھا لیکن مرزائیوں نے اس اراضی پر قبضہ کر لیا ۔ اب احراریوں کے لئے اور کوئی راستہ نہیں تھا ۔ یا تو وہ اس اراضی کے لئے لڑتے یا پھر شہر سے دور کانفرنس منعقد کرتے ۔ احرار نے جھگڑا کرنے سے گریز کیا؟ کیونکہ اس وقت مرزائیوں کی مسلسل کوشش یہی تھی کہ فساد کروا دیا جائے اور اس بنیاد پر کانفرنس کو امن عامہ کے خلاف ثابت کر کے بند کروا دیا جائے مجلس احرار مرزائیوں کے ان ارادوں کو بھانپتی تھی چنانچہ اس اشتعال کے باوجود مجلس احرار نے ایشر سنگھ کی اراضی پر کانفرنس منعقد نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے بعد قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ڈی ۔ اے ڈی سکول کے پہلو میں پنڈال تیار کیا گیا ۔

سول اینڈ ملٹری گزٹ کی رپورٹ

کانفرنس کے دو دن پہلے ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' کے نامہ نگار نے قادیان سے یہ خبر بھیجی جس میں اس کانفرنس کے خدوخال اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:

''مجلس احرار اکیس، بائیس اور تئیس اکتوبر کو ایک تبلیغی کانفرنس قادیان میں منعقد کر رہی ہے ۔ اس کانفرنس کے لئے بڑے وسیع پیمانے پر تیاریاں ہو رہی ہیں ۔ مرزائیوں کی طرف سے مسلسل یہ مہم چلائی جا رہی ہے کہ اس کانفرنس سے ان کا جان و مال خطرہ میں پڑ گیا ہے ۔

چنانچہ مرزائیوں نے اپنی حفاظت کے لئے لاتعداد دیہاتیوں کو اور اپنے مریدوں کو قادیان میں جمع کرنا شروع کر دیا ہے ادھر احرار کی اس کانفرنس میں بیس سے لے کر پچاس ہزار کا ہجوم پہنچا ہے مزید براں کانفرنس کے منتظمین کا مطالبہ ہے کہ ان کو کانفرنس کے صدر کا جلوس نکالنے کی اجازت ہونی چاہئے اور یہ جلوس قادیان شہر میں سے گزرے۔

اس کانفرنس کے پیش نظر آج صبح پنجاب کے انسپکٹر جنرل پولیس خود بہ نفس نفیس قادیان آئے۔ان کے ہمراہ پولیس کی ایک بھاری جمعیت بھی تھی۔ چنانچہ انسپکٹر جنرل پولیس نے کانفرنس کا موقعہ دیکھا اور احکام جاری کر دیئے گئے ہیں کہ اگر اس کانفرنس کے دوران میں قادیانیوں نے کوئی اجتماع منعقد کرنے کی کوشش کی تو یہ اجتماع خلاف قانون تصور ہوگا۔انسپکٹر جنرل نے احراریوں اور ان کی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کو بھی متنبہ کر دیا ہے کہ وہ کانفرنس میں کسی قسم کے ہتھیار کے ساتھ شرکت نہیں کر سکتے۔حتیٰ کہ لاٹھیوں کو ساتھ لانے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔مزید براں کانفرنس میں شرکت کے لئے آنے والے لوگوں کے لئے ایک خاص راستہ متعین کر دیا گیا ہے۔ نیز اگر کسی قسم کا جلوس نکالا جائے تو اسے شہر میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج شام تک قادیان میں امن و امان بحال رکھنے کے لئے چار سو پولیس کے سپاہی پہنچ جائیں گے لیکن میرا اندازہ یہی ہے کہ یہ تمام پیش بندیاں بالکل غیر ضروری ہیں، کیونکہ احراری ہر حالت میں کسی قسم کے جھگڑے سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں۔ان کی کانفرنس کا پنڈال ڈی۔اے،ڈی سکول میں بننا شروع ہو گیا ہے۔اور اردگرد کے تمام علاقے میں **144** نافذ کر دی گئی ہے۔مزید لاٹھیاں نہ لانے کی بھی منادی کرا دی گئی ہے۔

شاہ جیؒ کا خطاب لاجواب

اس اقتباس سے اندازہ ہو سکتا ہے پورے پنجاب میں اس کانفرنس کے کس قدر چرچے تھے اور کتنے گوشوں سے اس کانفرنس کی کامیابی اور ناکامی کی خبروں کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ اس فضا میں یہ کانفرنس ہوئی۔اس کانفرنس کے صدر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے۔ چنانچہ رات جب اپنا پورا سایہ ڈال چکی ،لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے تو اس کانفرنس

کے صدر سید عطاء اللہ شاہ بخاری تشریف لائے، ہزار ہا انسانوں کا ہجوم اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی پنڈال میں آمد اور کون سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ملتان کی سرزمین میں دفن ہونے والا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نہیں، وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نہیں جس کی زبان پر لکنت آگئی تھی، جس کے چہرے کا جھریوں نے احاطہ کرلیا تھا جس کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی آگئی تھی، یہ وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھا جن کا شباب اور شعلہ بیانی دونوں اپنے عروج پر تھے، جو لاؤڈ سپیکر کے بغیر لاکھوں کے ہجوم کو مسخر کرسکتا تھا، جس کا حسن اور بیان دونوں الگ الگ جادو جگاتے تھے۔ پچاس ہزار کا مجمع، رات کی خاموشی قمقموں کی روشنی اور اتنے میں حسن و نور کے پیکر، شعلہ بیان خطیب اور شریعت کے امیر کی آمد ؏

تم آگئے تو از سرِ نو زندگی ہوئی

بس پھر کیا تھا مجمع میں کہاں ایک خاموشی اور ہو کا عالم تھا کہ اب وارفتگی اور دیدار یار کی بے تابی نے سب کو آن گھیرا ہے اور اس بے تابی و وارفتگی کا اظہار نعروں کی گونج میں ہوتا ہے، شاہ صاحب ہیں کہ مسکراتے ہوئے مجمع کو چیرتے ہوئے اسٹیج کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسٹیج پر پہنچے چاروں طرف نگاہ سے انداز میں دیکھا بس پھر کیا تھا نعروں کا ایک اور سیل ٹوٹ پڑا...... اور امیر شریعتؒ فاتحانہ انداز میں مسکرا رہے ہیں، مجمع خاموش ہوا۔ تلاوت ہوئی، نظم ہوئی۔ اب سے پچیس برس پہلے کی تفصیلوں کو دہرایئے اور انہی تفصیلوں کو جن پر شاہ صاحب نے یہی کوئی نو ساڑھے نو بجے تقریر شروع کی ہوگی اور رات تھی کہ وہ بھی دم بخود گزرے جارہی تھی۔ لیکن شاہ صاحبؒ کی شعلہ بیانی بڑھتی جارہی تھی، اس شعلہ بیانی اور آتش نوائی کو قدم قدم پر نعروں، قہقہوں اور آنسوؤں کے ذریعے خراج عقیدت پیش ہو رہا تھا۔ یہی وہ تقریر تھی جس میں شاہ صاحب نے اپنا مشہور جملہ کہا تھا:

''تم اپنے بابا کی ''نبوت'' لے کر آؤ اور میں اپنے نانا کی نبوت لے کر آتا ہوں، تم حریر و دیباج زیب تن کر کے آؤ اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق کھدر پہن کر آؤں، تم یاقوتی اور پلومر کی شراب کے خم لنڈھا کر آؤ اور میں روکھی سوکھی روٹی کھا کر آؤں اور پھر زمانہ فیصلہ کرے کہ کون سچے نبی کی اولاد ہے۔'' یہ تقریر جو رات کی خاموشی میں شروع

ہوئی تھی۔ جو عشاء کی نماز کے بعد جب ابھی رات کا آغاز تھا لوگوں نے سننی شروع کی تھی یہ تقریر پوری رات ہوتی رہی اور مجمع بیٹھا رہا۔ ایک بھی ذی نفس ایسا نہیں تھا جس نے تھکن کا اظہار کیا ہو جس کے چہرے سے اکتاہٹ کی غمازی ہوتی ہو۔ اتنے میں صبح کا نور پھیلنا شروع ہو گیا ہے۔ اور موذن نے اذان دے دی۔ تقریر تھی کہ اس وقت بھی اپنے عروج پر تھی لیکن موذن نے اس سیل رواں کو روک دیا اور خطابت کے دریاؤں کو بند مار دیا۔ ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ میں بہت کم خطیب اور مقرر ایسے گزرے ہیں جنہوں نے رات رات بھر تقریر کی ہو جنہوں نے لوگوں کو اس قدر مسحور کیا ہو جیسا کہ امیر شریعت نے کیا ہے۔

کوئی آیا، نہ آئے گا، لیکن
کیا کریں گر نہ انتظار کریں

اور غالباً اسی موضوع کو حسرت موہانی نے کہا تھا:

بلا کشان غم انتظار میں ہم بھی ہیں
ضرابِ گردش لیل و نہار ہم بھی ہیں

آج ربع صدی گزرنے کے بعد جب ہم اس عظیم ہستی کی یادیں سمیٹ رہے ہیں تو کچھ حلقوں میں یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ آخر یہ ہستی اتنی اہم کہاں تھی کہ اس کی یاد میں آنسو بہائے جائیں، صفحات سیاہ کئے جائیں اخبارات اور رسالوں کے نمبر نکالے جائیں۔ آخر احرار یا بخاریؒ نے کون سے کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ ان کے کارناموں کی فہرست افتراق اور انتشار تحریکوں سے بھری پڑی ہے اس لئے ان کو دوبارہ ہوا دینی کہاں کی خدمت اور کہاں کی نیکی ہے۔ یہ سب سوالات آج کل بہت سے حلقوں میں اٹھائے جا رہے ہیں۔ آج ضروری ہے کہ ان سوالات کے جواب دیئے جائیں تا کہ تاریخ کی گرہیں کھل سکیں۔

اور جن تحریکوں کو افتراق و انتشار کا مظہر بتایا جاتا رہا ہے یا آج بنایا جا رہا ہے اس کے متعلق مورخ کو مواد مل سکے۔ مجھے اس صحبت میں صرف ایک مختصر سے سوال کا جواب دینا ہے۔ یہ سوال پچھلے کئی برس سے اٹھایا جا رہا ہے کہ قادیانیوں یا احمدیوں کے خلاف تحریک مسلمانوں

میں افتراق پھیلانے کے مترادف نہیں ہے؟ ایک اور طبقے کی طرف سے بھی یہ سوال اٹھایا جاتا تھا۔ کہ مسلمانوں کی سیاست کو مذہب کا تابع بنایا جا رہا ہے اور اس طرح غلط اقدار اور رجعت پسند نظریات کو شہ دی جا رہی ہے؟ ان سوالوں کا جواب تفصیل چاہتا ہے اور ان کا جواب پچھلے پچاس برس کی تحریکوں میں پھیلا ہوا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ایک بات واضح ہے کہ قادیان مرزا قادیانی کی جنم بھومی ہے۔ جہاں چڑیا کو پر مارنے کی اجازت نہ تھی آلِ انڈیا مجلس احرار اسلام نے شاہ جیؒ کی قیادت میں تحفظ ختم نبوت کا کام شروع کیا۔

چنانچہ شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب لکھتے ہیں:

شعبہ تحفظ ختم نبوت قادیان

قادیان ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں ایک معمولی سا قصبہ ہے! اس قصبہ میں غلام مرتضیٰ نامی ایک شخص کے لڑکے مرزا غلام احمد نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور اس دعویٰ کے لئے اس نے مختلف مدارج طے کئے۔ مرزا غلام احمد محدث، ملہم و مجدد کے مدارج سے گزر کر نبی اور رسول کے درجہ تک پہنچنے کا دعویدار رہا۔ اس وقت ہندوستان پر انگریز حکمران تھا۔ اس کے دور اقتدار میں ملک کی فضا اس دعوے کے لئے بڑی سازگار پائی اور حکومت کے سہارے بڑھنا شروع کیا۔ دعوے نبوت کے ساتھ ساتھ حرمت جہاد اور انگریز کی اطاعت کی فرضیت کو اپنے عزائم کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔ رفتہ رفتہ جب مرزا غلام احمد نے انگریز کے بل بوتے پر چند آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک جماعت کی بنیاد ڈال دی۔ تو انہوں نے قوت کے ساتھ ہر مخالف طاقت کو دبانا شروع کر دیا اور من مانی کاروائیاں ہونے لگیں۔ اور سب سے زیادہ ہدف مظالم قادیان کے مسلمان بنائے گئے۔ کسی مسلمان کا قادیان میں سکونت اختیار کرنا بڑی دشوار بات تھی۔ مسلمان قادیان میں مرزائیوں کی رعایا بن کر رہ سکتا تھا۔ قادیان میں عرصہ تک کسی مسلمان عالم دین کا وعظ کرانا یا مسلمان کا کوئی اسلامی تہوار منانا مشکل ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہاں کے قتل کی شہادت مہیا کرنے میں اس وقت کی حکومت بے بس ہو گئی تھی۔ الغرض قادیان میں رہنے والے مسلمانوں کی داستان انتہائی المناک ہے۔

ان حالات میں وہاں کے مسلمانوں نے حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اس افسوسناک صورت حال سے مطلع کیا اور اس طرف آپ کی خصوصی توجہ مبذول کرائی گئی آپ نے اپنے چند ساتھیوں کو قادیان میں جا کر کام کرنے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ وہاں۔شعبہ تبلیغ کے نام سے ایک ایسے ادارے کی بنیاد ڈالی گئی۔ جو اپنا دائرہ عمل صرف تبلیغ دین تک محدود رکھے۔اس کام کے لئے مشہور علماء کرام اور مبلغین کی خدمات حاصل کی گئیں۔اور وہ قادیان میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ان میں ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، مولانا عنایت اللہ چشتیؒ، مولانا محمد حسینؒ، مولانا شیخ احمد، مولانا علاؤ الدین حیدر، مولانا خلیل الرحمٰن، سید محمد غریب شاہ، حافظ محمد، فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ اور مولانا محمد یعقوب وغیرہم حضرات کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

ختم نبوت ٹرسٹ

قادیان میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہاں کے مغل خاندان (مرزائیوں) نے اہل اسلام کا سوشل بائیکاٹ کر رکھا تھا۔اور بائیکاٹ کا یہ سلسلہ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ ایک دفعہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے قبرستان میں میت کو دفنانے سے روک دیا اور مسلمانوں سے کہا کہ تم چونکہ ایک نبی کو نہ ماننے کی وجہ سے مسلمان نہیں ہو لہٰذا تم ہمارے قبرستان میں اپنی میت کو دفن نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مسلمانوں نے مجبوراً وہ میت بٹالہ کے قبرستان میں جا کر دفن کی۔اس بائیکاٹ میں عام دوکانداروں سے سودا خریدنا اس وقت تک ترک کر دیا گیا جب تک وہ معاہدہ (ذمی بننا) قبول نہ کریں۔بائیکاٹ نے اہل اسلام کو مجبور کر دیا کہ وہ اسلام سے منحرف ہو جائیں اور یا اپنی آزادی قربان کر دیں۔اس طرح جو شخص ان کا معاہد ہو جاتا اس کی دوکان پر معاہد (ذمی) کا بورڈ لگ جاتا معاہدہ کا نام ''معاہدہ تجارت'' رکھا گیا تھا۔قادیان میں عام مسلمانوں کا نہ تو کوئی سکول ایسا تھا۔جس میں وہ اپنے بال بچوں کو تعلیم دلا سکیں۔اور نہ ہی کوئی عبادت گاہ ایسی تھی جو اس مغل خاندان کے اثر سے محفوظ ہو۔مسلمانوں کی اکثریت نے اگرچہ ''نئی نبوت'' کو قبول نہیں کیا تھا مگر قادیان میں رہتے ہوئے اس خاندان سے اس قدر مرعوب تھے کہ ان کی آزادیٔ ضمیر ختم ہو چکی تھی۔قادیان

کے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے انتظام اور دوسری دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے شعبہ تبلیغ نے ختم نبوت کے نام پر ایک ٹرسٹ قائم کیا۔ جس کے زیر اہتمام ایک سکول اور تین مسجدیں تعمیر کی گئیں اور کچھ مکانات خرید کر وقف کر دیئے۔ اور 32 بیگھہ زمین خرید کر قادیان میں ایک عالی شان جامع مسجد کی بنیاد قائم کر دی گئی اور اس کے ساتھ خالص مسلم آبادی کے لئے علیحدہ بستی کی صورت میں مکانات کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا۔[1]

شعبہ تبلیغ

ہمارے، ملک کے جن علماء کرام نے باطل فرقوں کے مقابلہ میں اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں ان کی خدمات اگرچہ قابل تشکر و امتنان ہیں لیکن باطل کی مضبوط تنظیم کے مقابلہ میں اسلامی نظام تبلیغ بڑی اعلیٰ تنظیمی صلاحیتوں کا طالب تھا۔ چنانچہ برسوں کی شبانہ روز کوششوں کے بعد تحفظ ختم نبوت کے اراکین نے ان ہی بنیادوں پر یہ نظام قائم کیا۔ اس نظام تبلیغ کا پورے ملک میں خیر مقدم کیا گیا۔ اور قادیان میں منعقدہ ایک عظیم الشان کانفرنس کے موقع پر ہندوستان کے شہرہ آفاق علماء نے اس نظام میں شرکت کر کے اپنی خدمات تحفظ ختم نبوت اور اشاعت اسلام کے لئے وقف کر دیں۔ حتیٰ کہ حکیم الامت قدوۃ السالکین حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہٗ العزیز نے اس مقدس مشن میں شرکت فرماتے ہوئے جماعت کی باقاعدہ رکنیت قبول کی اور ایک روپیہ سالانہ رکنیت کے حساب سے آپ نے مبلغ بیس روپے ادا کر کے بیک وقت بیس سال کا چندہ رکنیت عطا فرمایا۔

شعبہ تبلیغ کے اغراض و مقاصد

(1) شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام خالص مذہبی شعبہ ہے سیاسیات ملکی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

(2) ارتداد و دھریت کی روک تھام کے پیش نظر مسئلہ ختم نبوت کی ہر ممکن حفاظت کرنا۔

(3) مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کا شوق پیدا کرنا اور اس کے لئے مبلغین کی ایک سرگرم

---

[1] تحریک ختم نبوت 1974ء جلد اوّل ص 33,30

جماعت تیار کرنا۔

(4) ہندوستان اور بیرون ہند اسلام کی اشاعت کرنا۔

(5) خدمت خلق اور اسلامی اخلاق کی عملی کیفیت پیدا کرنا۔

(6) شعبہ تبلیغ کے حسب ذیل عہدہ دار منتخب ہوئے۔

صدر: میاں قمرالدین رئیس اچھرہ لاہور۔

نائب صدر: چوہدری افضل حقؒ۔

جنرل سیکرٹری: مولانا عبدالکریم مباہلہ۔ اس کا صدر دفتر اچھرہ لاہور میں قائم کیا گیا۔[1]

قادیان کے سکول

1۔ یہ بات بڑے تعجب کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ قادیانیوں کے سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں سے ہر امتحان میں مسئلہ اجراء نبوت (یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبی آنے کا جواز)

2۔ مسئلہ وفات عیسیٰ علیہ السلام

3۔ سیرۃ مرزا غلام احمد وغیرہ موضوعات پر مشتمل ایسے سوالات کئے جاتے کہ ان سکولوں میں تعلیم پانے والے مسلمان بچے بھی قادیانیوں کے عقائد کے مطابق ہی ان سوالات کا جواب لکھتے۔ گویا ذہنی طور پر مسلمانوں کے بچے قادیانیت قبول کرنے پر مجبور تھے۔ ان حالات میں یہ ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی گئی کہ مسلمان بچوں کی ذہنی نشوونما ارتقاء انہیں اسلامیات سے روشناس کرانے کے لئے ایک مدرسے (School) کا قیام کیا جائے۔ تاکہ مسلمان بچے قادیانیوں کی گمراہ کن تعلیم سے محفوظ رہ سکیں اور وہ قادیان کے سکولوں کے محتاج نہ رہیں۔ چنانچہ ختم نبوت ٹرسٹ نے ایک پرائمری سکول قائم کر کے اسلامی تعلیم کا انتظام کر دیا اور چند برس

1۔ کاروان احرار جلد دوم ص 57,58

میں یہ مڈل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

رکاوٹوں کا ازالہ

قادیان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مرزائیت قبول کرنے کے بعد یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو مکانات بنانے کے لئے زمین کے ایسے قطعات دیئے جاتے جو قادیانی خلیفہ یا اس کے مقرر کردہ شخص کے نام کے ہوتے۔ اگر کوئی مرزائی اپنے عقیدہ سے تائب ہو کر اسلام قبول کر لیتا تو نہ صرف یہ کہ دوسرے قادیانی اسے طرح طرح کی ایذا پہنچاتے بلکہ اسے اپنے مکان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے۔ اس طرح ہر قادیانی اپنے اپنے مقام پر مرزائیت سے متنفر ہونے کے باوجود اس خوفناک انجام سے سہمے ہوئے تھا۔ اور یہ بات ترک مرزائیت میں بڑی رکاوٹ بن رہی تھی۔

چنانچہ ختم نبوت ٹرسٹ نے ترک مرزائیت کر کے اسلام قبول کرنے والوں کے لئے رہائشی مکانات بنانے اور ان کے لئے روزگار مہیا کرنے کے لئے کھڈیوں کی فیکٹری قائم کرنے کا انتظام کیا۔ یہ کام بڑے وسیع پیمانہ پر جاری تھا کہ ملک تقسیم ہو گیا۔ اور پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا۔ شعبہ تبلیغ حضرت امیر شریعتؒ کی سرپرستی اور آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام کام کر رہا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد قادیانی جماعت کا لاٹ پادری مرزا بشیر الدین محمود برقعہ اوڑھ کر قادیان سے فرار ہوا تو فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ نے ٹیلی گرام کے ذریعہ صورت احوال سے مطلع فرما کر اجازت چاہی تو شاہ جیؒ نے حکم فرمایا کہ آپ پاکستان تشریف لے آئیں۔ اس طرح مرزائی جماعت کا چیف گرو پہلے آیا۔ اور فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ بعد میں تشریف لے آئے۔ [1]

●●●● ●●●●

1۔ تحریک ختم نبوت جلد اول 34,35

حق کی تلوار

حضرت شاہ صاحب حق اور حق پرستوں کی گویا ایسی تلوار تھے کہ جس باطل کے سر پر تلوار پڑتی اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔ وہ خدائی بجلی یا آسمانی ساعقہ تھی۔ کہ کفر و ضلالت کے جس خرمن پر گرتی اس کو راکھ کر دیتی۔ وہ لحن داؤدی کا اس دور میں ایک نمونہ تھے۔ کہ دوست و دشمن سب کو مسحور کر لیتے۔ وہ صور اسرافیل تھے۔ جس کی حیات بخش دعوت سے مردہ دلوں میں جان پڑ جاتی۔

جن کی ایک آواز پر پچاس ہزار رضا کار آزادی کشمیر کے لئے سر پر کفن باندھ کر چل پڑتے جن کے ایک اشارے پر متحدہ ہندوستان کے برطانوی جیل خانے بھر جاتے۔ جن کا داخلۂ قادیاں ایوانِ مرزائیت میں زلزلہ ڈال دیتا۔ جو علم و عمل شعر و ادب۔ اخلاق و مزاح۔ ظرافت و لطافت شریعت و طریقت اور رزم و بزم کے مجمع کمالات تھے۔ وہ جو تقریر و خطابت میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔

جہاں کہیں آپ کی تقریر ہوتی۔ مسلمان تو مسلمان ہندو سکھ آپ کی زبان سے قرآن کی تلاوت سننے آجاتے۔ مخالفین تقریر سے محظوظ ہونے کو شریک ہوتے۔ اور خدام و معتقدین پروگرام لینے کے لئے حاضر ہوتے۔ آپ کے توشۂ آخرت کے لئے یہ قابل فخر سامان بس ہے کہ:۔

(1) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے آپ منظور نظر تھے۔ اور ایک بار فرمایا۔ کہ میرے مرید نہیں پیر ہیں۔

(2) خاتم المحدثین حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب (رحمہ اللہ) کشمیری نے آپ کو امیر شریعت بنایا۔

(3) مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے آپ کو چھاتی سے لگایا۔ اور دل میں جگہ دی۔

(4) شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ

صاحب اور حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ سب اکابر امت اور اولیاء ملت آپ کو محبوب رکھتے۔

قطب زمان حضرت مولانا احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ بانی خانقاہ سراجیہ مجددیہ نقشبندیہ کندیاں شریف نے جب سنا کہ امیر شریعت پر سکندر حیات کی حکومت نے بغاوت کا مقدمہ بنایا ہے تو بے چین ہو کر متوجہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ غرضیکہ حضرت امیر شریعتؒ سب بزرگوں کی آنکھوں کا تارا تھے۔[1]

❀❀❀❀

1۔ خدام الدین لاہور یکم ستمبر 1961ء ص 3

بے باکی اور جہد مسلسل

◉ مولانا تاج محمودؒ لکھتے ہیں:

آپ کی زندگی جرأت و بے باکی اور جہد مسلسل سے عبارت تھی ساری زندگی وقت کے فرعونوں اور نمرودوں سے ٹکراتے رہے نہ کسی کے آگے جھکے اور بکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ عجیب و غریب داستان عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اپنے زمانے میں روح رواں۔ شاہ جیؒ انسانوں کے اس عظیم گروہ سے تعلق رکھتے تھے جنہیں مشیت الٰہی اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے پیدا کرتی رہی ہے۔ وہ حسب ونسب، وضع قطع، چہرے و مہرے نشست و برخاست کردار و گفتار غرض ہر اعتبار سے انہیں لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔ جنہوں نے نوع بشر کی فلاح و بہبود کے لئے بے پناہ قربانیاں دیں بے مثال کام کئے اور دنیا میں اپنے پیچھے غیر فانی نقش اور انمٹ یاد چھوڑ گئے۔

هرگز نه میرد آنکه دلش زنده شد به عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تاریخ شاہد ہے کہ ایسے لوگ جب دنیا میں آئے تو کسی سازگار ماحول اور دنیاوی جاہ و حشمت نے ان کا خیر مقدم نہیں کیا۔ بلکہ مصائب و آلام ہی نے ان کا استقبال کیا۔

وقت کے فراعنہ اور نمارده نے ان کے لئے دار و رسن کی آزمائشوں کے سامان مہیا کئے اور زندگی کی تمام آسائشوں کو ان پر ممنوع قرار دیئے رکھا۔ لیکن وہ راست باز اور جیالے انسان گردو پیش سے بے نیاز اور نتائج سے بے خوف ہو کر اپنا کام کرتے چلے گئے۔

شاہ جیؒ کی پوری زندگی بے باکی اور جدو جہد کی زندگی تھی۔ انہیں زندگی کے جس مرحلے میں دیکھا یہی محسوس ہوا کہ

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش حق نے جس کو دیئے انداز خسروانہ

ایسے لوگوں کے متعلق عام طور پر سنت اللہ یہی رہی ہے کہ جب تک وہ بندِ غم یعنی قید حیات میں رہے۔ ان کی ناقدری کی گئی۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئیں۔ لیکن جب وہ رحمتِ الٰہی سے جا ملے تو ان کے بعد لوگوں نے آنسو بہاتے ہوئے شہادت دی۔

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيم

اے ناقدریٔ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

شاہ جیؒ کو اپنی زندگی میں جس جابر اور قاہر قوت سے پالا پڑا ہے وہ برطانوی شہنشاہیت تھی۔ جس کے حدود اقتدار میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا جو سونے چاندی کے خزانوں کا مالک تھا۔ اس کے قشون قاہرہ میں صرف پنجاب کے ٹوڈی جوان ہی نہ تھے۔

اور محض توپیں اور سنگینیں ہی نہ تھیں بلکہ نونوں اور ٹوانوں کے طریقے فقیہان شہر کے فتوے۔ برطانوی مصلحت کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنے والے مفسر سرکاری ولی اور خود کاشتہ قسم کے نبی بھی شامل تھے۔ 1

عظیم شخصیت

متحدہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا دور مسلمانوں کے سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی زوال کے عروج کا زمانہ تھا۔

جس کی تفصیلات کے لئے علیحدہ فرصت کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ عجیب ترین کرشمۂ قدرت تھا۔ کہ اس غلامی اور ذلت کے دور میں اس سرزمین پر ایسے ایسے جلیل القدر

---

1 لولاک 21 اگست 1964ء ص 7

لوگ پیدا ہوئے ہیں۔

جن کی مثال قرونِ اولیٰ کو چھوڑ کر پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی۔

غیرت ہند سراج الدولہؒ، شمشیر اسلام سلطان ٹیپوؒ، مولانا سید احمد بریلویؒ، مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، علامہ محمد اقبالؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، سید انور شاہ کشمیریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈو چراغِ رُخِ زیبا لے کر

شاہ جیؒ کا امتیاز

ان اکابرین ملت میں سے ہر ایک نظر بظاہر فرد تھا۔ لیکن حقیقت میں فرد نہیں بلکہ ایک ادارہ۔ ایک لائبریری اور ایک انجمن تھا۔

ان تمام بزرگوں سے شاہ جیؒ کی شخصیت کا موازنہ یا مقابلہ کرنا یا کسی جزوی یا کلی فضیلت کا ثابت کرنا مقصود نہیں۔ اور نہ ہی ایسی جسارت میرے لئے مناسب امر ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔

کہ ان اکابرین کے حالات و سوانح پر اگر غور کیا جائے۔ تو ان میں سے ہر ایک تحریر و تقریر۔ شعر و ادب درس و تدریس۔ زہد و تقویٰ۔ علم و فضل۔ جرأت و بسالت۔ جلال و جمال اور سیاست و مذہب جیسے صفات میں سے کسی خاص وصف سے مخصوص تھا۔

لیکن شاہ جیؒ اس بات میں امتیازی حیثیت سے متصف تھے۔ اللہ نے ان کو تمام کمالات کا مجموعہ بنایا تھا۔ یہ سارے بزرگ اپنے اپنے مقام پر بے مثال تھے۔

لیکن شاہ جیؒ میری نگاہ میں

ہمہ شہر پرز خوباں منم و خیال ماہے

چہ کنم بچشم پر نہ کند بکس نگاھے

شاہ جیؒ کوئی صاحبِ ایجاد و سائنسدان نہ تھے۔ وہ سحر طراز شاعر نہ تھے وہ کوئی صاحب سلطنت فاتح نہ تھے۔ وہ کوئی جاگیردار اور سرمایہ دار نہ تھے۔ کہ ان تمام اوصاف کے برعکس وہ ایک بے سرو سامان مردِ فقیر تھے۔ پوری زندگی مصائب و ابتلاء میں انہیں کے بقول جیلوں اور ریلوں میں کٹ گئی۔ فقر و فاقہ میں وصال ہوا۔ لیکن جب اس مرد درویش کا جنازہ اٹھا تو زمین و آسمان آنسو بہا رہے تھے۔ دو لاکھ انسانوں کا سمندر سرزمین ملتان میں موجزن تھا۔ اور شاہ جیؒ کا جنازہ اسی سمندر میں کشتی کی طرح تیرتا ہوا گھر سے آغوش لحد تک پہنچ گیا۔

اس الوداع کے غم میں جب آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں تو یقین آیا کہ شاہ جی کی درویشی اور فقیری کا منصب اُن تمام مناصب سے بلند تھا ۔

نہ تاج و تخت میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے [1]

بے نیازی اور استغنا کی سلطنت کے بادشاہ

اس میں شک نہیں کہ ان کے تمام اوصاف اور کمالات میں ان کی خطابت سب سے بڑا کمال تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انہیں باقی تمام کمالات خطابت کے لئے عطا ہوئے تھے تو بالکل درست ہوگا۔

لیکن خطابت کے علاوہ ان کی بے شمار ایسی باتیں قابل ذکر ہیں۔ جو اس دور میں شاید ہی کسی نصیب ہوئی ہوں۔ وہ بے نیازی اور استغنا کی سلطنت کے بادشاہ نہیں شہنشاہ تھے کسی دنیاوی لالچ یا کسی نام و نمود کی خواہش کا کوئی معمولی اثر ان کی طبیعت قبول نہیں کرتی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ چوہدری صادق علی صاحب جو شکل و صورت اور مزاج و سیرت کے لحاظ سے دیندار دوست ہیں اور ان دنوں لائل پور میں ڈسٹرکٹ فوڈ کنٹرولر لگے ہوئے تھے۔ کسی کام یا سرکاری میٹنگ میں شرکت کی غرض سے ملتان گئے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ لائل پور کے کچھ

---

1 لولاک 21 اگست 1964 ص 7

مل مالکان بھی تھے۔ چوہدری صاحب اپنے ہمرائیوں سمیت شاہ جیؒ کی زیارت کو پہنچے شاہ جیؒ سے ملنے کے بعد مل اونر صاحبان کا بڑے اہتمام کے ساتھ تعارف کرانے لگے کہ یہ فلاں صاحب اور فلاں مل کے مالک ہیں ابھی سب سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ شاہ جیؒ نے ملاقات سے ہاتھ کھینچتے ہوئے فرمایا۔ چوہدری صاحب چھوڑیئے "مل والوں" کی بات مجھے تو کسی دل والے کی بات سنایئے۔ آپ ان کا تعارف مجھ سے کیا کرا رہے ہیں یہ لوگ جس طرح غریب مزدوروں کا خون چوس کر ملوں والے بنتے ہیں۔ اس سے میں خوب متعارف ہوں۔[1]

سکندر مرزا سے ملاقات کا انکار

جس زمانے میں پاکستان میں سکندر مرزا کا طوطی بول رہا تھا اور بڑے بڑے حریت مآب اسے پاکستان کی کشتی کا ناخدا سمجھ کر اس کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہوتے تھے۔ اسی زمانے میں حکومت کی طرف سے شاہ جیؒ کی جماعت مجلس تحفظ ختم نبوت پر مقدمات و پابندیاں اور مظالم شروع ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد حکومت کی طرف سے سلسلہ جنبانی شروع ہوئی۔ کہ آپ لوگ حکمرانوں سے ملیں آپ کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ شاہ جیؒ کے علاوہ کچھ لوگ ملے اپنی مظلومیت بتائی۔ مگر بات وہیں رہی۔ اور شاہ جیؒ کی ملاقات کا سوال اٹھایا گیا۔ ہم نے بھی شاہ جیؒ سے عرض کیا کہ جماعت کا مفاد اسی میں ہے کہ آپ ملاقات کر لیں۔ شاہ جیؒ نے صاف انکار کر دیا۔

پیغام آیا۔ کہ شاہ جیؒ کے لئے صدر کا وائیکاؤنٹ بھیج دیا جائے گا۔ تشریف لے آئیں۔ شاہ جی نے نہ مانا۔ لمبی داستان ہے۔ بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ اچھا سکندر مرزا ملتان کوئی سرکاری تقریب رکھ لیں گے اور وہاں ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ تقریب اور اس کے لئے دورہ رکھ لیا گیا۔ لیکن یہاں شاہ جیؒ رضامند نہیں ہوئے شاہ جی سے کہا گیا کہ کمشنر صاحب آپ کو کار میں خود آ کر لے جائیں گے۔ لیکن شاہ جیؒ نے نہ ماننا تھا نہ مانے۔ اب ہمیں بھی فکر ہوئی سب نے بھی عرض کیا۔ جماعت کے آفس سیکرٹری مولانا محمد شریف جالندھریؒ جو شاہ جیؒ کے نہایت با اعتماد اور پیار سے خادم تھے اور شاہ جی سے بڑی بے تکلفی سے باتیں کر لیا کرتے تھے۔ حاضر ہوئے اور کہا کہ

1۔ لولاک 21 اگست 1964ء

پیر جی آپ کو اب جماعت کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے اور یہ جماعت کا فیصلہ ہے۔ جس کی میں آپ کو اطلاع دے رہا ہوں آپ صدرِ مملکت سے ملاقات کریں۔ شاہ جی نے جماعت کے فیصلے کا لفظ سن کر خاموشی اختیار کر لی۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ بہت اچھا بھائی میں اس سے ملوں گا۔

لیکن ایک بات سن لو میں بھی عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں میں اس سے اپنے مکان کے متعلق بات کروں گا۔ مسئلہ ختم نبوت کی حفاظت کے متعلق میں اس سے بات نہیں کروں گا۔ مسئلہ ختم نبوت کی حفاظت اب وہی ذات کرے گی جس کے ذمہ اس کی حفاظت ہے۔ اس شخص سے میں یہ بات کر کے مسئلہ کو رسوا نہیں کرنا چاہتا۔

چنانچہ سب نے یہی فیصلہ کیا کہ شاہ جیؒ کو ملاقات کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔ شاہ جیؒ کے ذہن میں سکندر مرزا کا وہ تکلیف دہ کردار تھا جو اس نے اپنے ڈیفنس سیکرٹری پاکستان کے زمانہ میں ادا کرتے ہوئے تحریک تحفظ ختم نبوت کے خلاف مارشل لاء لگوا کر اسے کچلنے میں حصہ لیا تھا۔[1]

اخباری بیانات سے احتراز

شاہ جیؒ نے ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں انقلاب آفرین حصہ لیا۔ کئی تحریکوں کو خود جنم دیا۔ پروان چڑھایا لیکن پوری زندگی اخباری بیان دینے سے احتراز کیا۔ جب بھی اخبار نویسوں نے کچھ پوچھنا چاہا تو پیار محبت سے ٹال جاتے رہے۔ معمولی درجہ کے لوگوں میں بھی یہ خواہش موجود رہتی ہے کہ ان کے بیانات اخبارات میں شائع ہوں لیکن شاہ جیؒ میں یہ کمزوری بالکل نہ تھی۔ شاہ جیؒ کی یہ بے نیازی غرور و تکبر کی وجہ سے نہ تھی۔ تکبر اور خود پسندی ان میں نام کو نہ تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں اور رضا کاروں کے سامنے سراپا عجز و نیاز بن جایا کرتے۔ ان کی اس انکسار کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔

ایک دفعہ رات کے وقت لائل پور (فیصل آباد) تشریف لائے۔ حسب معمول راقم الحروف (مولانا تاج محمودؒ) کے مکان میں عزت بخشی۔ بڑی بے تکلفی سے فرمایا کہ بھائی کھانا نہیں کھایا کھانا کھائیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تازہ کچھ نہیں پکایا جائے گا۔ جو کچھ گھر میں

1۔ لولاک 21 اگست 1964ء

موجود ہے وہی دستر خوان پر رکھا جائے۔ہم میاں بیوی نے نافرمانی کرنے کا پروگرام بنایا تو ناراض ہونے لگے۔مجبوراً جو کچھ تھا۔حاضر کیا گیا۔وہی کھالیا۔بہت خوش ہوئے اور اس انداز سے بے شمار دعائیں دیں کہ مجھے یقین ہوگیا کہ شاہ جی کی دعائیں میرے لئے ہر نعمت سے بڑھ کر ہیں۔

جھوٹ اور جھوٹے آدمی سے نفرت

شاہ جیؒ کو جھوٹ اور جھوٹے آدمی سے انتہا درجہ کی نفرت تھی۔فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر مصیبت برداشت کرسکتا ہوں لیکن جھوٹا ساتھی برداشت نہیں کرسکتا۔جماعتی زندگی میں بھی جب کسی سے کذب وافترا سنتے اور اس کے جواب دینے کی ضرورت پڑتی تو قرآن کی اس آیت پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ "**لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ**"

شاہ جیؒ ایک عظیم انسان تھے۔ان کے مزاج میں جلال اور جمال دونوں صفات کا ایک حسین امتزاج تھا۔وہ غصے میں آتے تو ان کے سامنے بڑے بڑوں کو اُف کرنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔میں نے شاہ جیؒ جیسا صاف دل انسان آج تک نہیں دیکھا۔کبھی کسی آدمی کے متعلق دل میں بات نہیں رکھا کرتے تھے۔[1]

1۔ لولاک 21 راگست 1964ء ص 8

شاہ جیؒ! اور قید و بند کی آزمائشیں

شاہ جیؒ کا خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے عشق اس حد تک تھا کہ آپ نے تحریک تحفظ ختم نبوت میں خواجہ ناظم الدین کو جلسہ عام میں یہ پیشکش کی تھی کہ آپ سرور کائنات ﷺ کی ختم رسالت کی حفاظت کا مطالبہ مان لیں۔ میں اپنی بقیہ زندگی آپ کے سوروں کا ریوڑ چرایا کروں گا۔ آپ نے اسلام کی سربلندی اور راہ حق میں ساڑھے بارہ سال کی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ لیکن منہ سے آہ تک نہ کی۔ آپ نے پوری زندگی اسلام کی سربلندی، ملت کی فوز و فلاح اور ملک کے استخلاص میں گذار دی۔ اس آزمائش اور ابتلاء کے دور میں ان پر بے پناہ مظالم اور مصائب توڑے گئے انہوں نے نہایت جدو جہد اور مشکلات کی زندگی بسر کی۔ لیکن کبھی بے صبری کا اظہار نہ کیا۔ اور نہ ہی کبھی کسی گلہ و شکوہ سے زبان کو آلودہ کیا۔

(1) آپ کو پہلی دفعہ 1921ء میں تحریک خلافت کے سلسلہ میں تین سال سخت کی سزا دی گئی۔

(2) دوسری مرتبہ رسوائے عالم گستاخِ رسول آریہ سماجی مصنف، ناشر، راج پال کے قتل کے سلسلہ میں 6/جولائی 1927ء میں گرفتار کئے گئے۔ ایک سال تک بورسٹل جیل لاہور میں رکھے گئے بالآخر رہا ہوئے۔

(3) تیسری مرتبہ 30/اگست 1930ء میں بسلسلہ تحریک آزادی ہندوستان (تحریک نمک سازی) میں کلکتہ سے گرفتار کر کے چھ ماہ کی قید سخت کی سزا دی گئی۔ (علی پور اور ڈم ڈم جیل میں رہے)

(4) چوتھی مرتبہ آپ کو تحریکِ آزادی کشمیر کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا۔ اور دو سال قید سخت کی سزا دی گئی۔

(5) نومبر 1935ء میں آپ نے قادیان میں جمعہ پڑھانے کا اعلان کیا۔ برٹش حکومت نے دفعہ 144 لگا کر شاہ جیؒ کو قادیان میں داخل ہونے سے روک دیا شاہ جیؒ انگریزی سرکار کے اس حکم کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیرتے ہوئے قادیان میں داخل ہو گئے۔ اور وہاں جمعہ پڑھایا۔ حکومت نے آپ کو تین ماہ قیدِ سخت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔

(6) چھٹی مرتبہ برطانوی حکومت کے فیصلہ کے مطابق سر سکندر حیات کی وزارت نے آپ کو گرفتار کر کے قتل اور بغاوت کے سنگین مقدمات بنائے۔ سازش یہ تھی کہ آپ کو ان مقدمات کے نتیجہ میں سزائے موت دلوائی جائے۔

لیکن شاہ جیؒ اہل حق میں سے تھے۔ اہل حق کی مدد اللہ تعالیٰ ایسے طریقے پر کرتا ہے۔ کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس مقدمہ میں "شَھِدَ شَاہِدٌ مِنْ اَھلِھَا" جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں ایک دودھ پیتے بچے نے گواہی دے کر آپ کا بے گناہ ہونا ثابت کیا ایسے ہی سرکاری سی آئی ڈی رپورٹر "لالہ لدھا رام" جس سے غلط جملے تقریر میں شامل کرائے گئے تھے۔ عدالت میں بول اٹھا۔ کہ شاہ جیؒ بے گناہ ہیں۔ اصل گناہگار میں ہوں اور میرے آقایانِ ولی نعمت یونینسٹ وزارت اور انگریز بہادر ہیں۔ اور مجھے ایس پی گجرات نے حکم دیا تھا کہ ایسے جملوں کا اپنی طرف سے شاہ جیؒ کی تقریر میں اضافہ کروں۔ شاہ جی کو ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر ینگ نے رہا کر دیا تھا۔[1]

اسی گواہی پر شاہ صاحب معجزانہ طور پر اس سنگین مقدمہ سے بری ہوئے اس طویل مقدمہ کے دوران شاہ جیؒ دو سال کے قریب جیل میں رہے۔

(7) ساتویں قید شاہ جیؒ نے پاکستان بننے کے بعد تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران سکھر

1۔ نوائے وقت 21 راگست 1964ء ص 8

جیل میں کاٹی ۔اگر چہ اس قید کا زمانہ بڑا ہی مختصر تھا سوا سال کے قریب جیل میں رہے۔اور رہا کر دیئے گئے ۔تاہم جتنی جسمانی اور ذہنی تکلیف اور اذیت شاہ جی کو اس قید میں پہنچائی گئی ۔اس کی مثال پہلے نہیں گزری تھی سابقہ گرفتاریاں آزادی وطن کے سلسلے میں تھیں۔ جو ایک کافر اور غیر ملکی حکومت کی طرف سے تھیں ۔اسی طرح سابقہ گرفتاریوں اور سزاؤں کے دوران شاہ جی کو کافر اور غیر ملکی حکومت نے سپیشل کلاس دے کر ان سے ایک سیاسی قیدی کا سلوک روا رکھا لیکن تحریک تحفظ ختم نبوت کی گرفتاری اپنے مسلمانوں کی طرف سے پیش آئی تھی ۔اور وجہ نزاع رحمت سرور کائنات ﷺ کی عزت کی حفاظت کا مسئلہ تھا ۔ارباب اقتدار جو حضور سرور کائنات ﷺ کے نعلین مبارک کے تلووں کی خاکِ پاک کی برکت سے برسر اقتدار آئے تھے ۔وہ قادیانی گستاخان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور ﷺ کی بے ادبی اور گستاخی کی حفاظت کی ضمانت لینے کو تیار نہ تھے۔

مطالبہ صرف یہ تھا کہ آمنہ کے لال حضرت محمد ﷺ کے منصب ختم رسالت کی حفاظت کی ضمانت دی جائے ۔تا کہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کا احترام اور امتیاز قائم رہے۔اور اسلام کی مرکزیت فنا نہ ہو جائے۔

گلہ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے !!
کسی بتکدہ میں بھی ہوں بیاں تو صنم بھی کہیں ہری ہری

شاہ جیؒ کو سکھر جیل میں سی کلاس دی گئی ۔اور ارھر کی دال میں تیل کا تڑکا ۔باہر سے کسی کو ملنے کی اجازت نہیں تھی ۔ذہنی صدمہ اور جسمانی اذیت سے صحت کا ڈھانچہ ہل گیا۔اسی تکلیف سے بالآخر دوسری تکالیف پیدا ہوئیں ۔شاہ جیؒ کی قید معہ اس عرصہ کے جس میں وہ مختلف مقدمات میں ماخوذ ہو کر حوالاتی کی حیثیت سے جیل میں رہے کوئی (ساڑھے بارہ) سال کے قریب ہے۔اس سب کچھ کے باوجود آپ کے صبر اور استقامت کا اس سے اندازہ لگائیے فرمایا کرتے تھے۔

آخری قید اور منیر انکوائری کمیشن

مولانا مجاہد الحسینیؒ لکھتے ہیں:

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں گرفتار ہونے والے رہنما مختلف جیل خانوں میں بند تھے۔ فسادات پنجاب کی عدالتی تحقیقات کا آغاز ہو چکا تھا۔ تحقیقاتی کمیشن کی طرف تحریک کے سلسلہ میں مختلف دینی جماعتوں کو اپنا اپنا موقف بیان کرنے کو کہا گیا۔

چنانچہ لاہور سنٹرل جیل میں محبوس زعمائے احرار نے کمشنر کی وساطت سے حکومت مغربی پاکستان سے مطالبہ کیا کہ ہماری جماعت کے ممتاز رہنما چونکہ مختلف جیل خانوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں اور ان سے ضروری مشاورت کے حصول میں سخت الجھنیں پیش آرہی ہیں، اس لئے سب حضرات کو لاہور سنٹرل جیل میں یکجا کر دینا ازبس ضروری ہے۔ تاکہ ہم بھی تحقیقاتی کمیشن کے روبرو اپنا موقف اجتماعی حیثیت میں پیش کر سکیں۔ تحقیقاتی کمیشن نے حکومت پر زور دیا کہ جس قدر ممکن ہو سکے۔ ان رہنماؤں کو اکٹھا کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ ادھر کراچی میں گرفتار ہونے والے جلیل القدر رہنما ارباب اختیار مصلحتوں کے پیش نظر لاہور، حیدرآباد، سکھر اور دوسری جیلوں میں الگ الگ کئے جا چکے تھے۔ اسی لئے انہیں یکجا کرنے میں تاخیر سے کام لیا گیا۔ ادھر تحقیقاتی کمیشن کا تقاضا شدت اختیار کر رہا تھا کہ تحریک کے روح رواں حضرات کا غیر حاضری سے تحقیقات میں چونکہ رکاوٹ کا باعث کام ہی ہے۔ اس لئے وہ لوگ بلا تاخیر لاہور پہنچ جانے چاہئیں۔

ایک دن لاہور سنٹرل جیل کے ایک افسر نے صبح سویرے آکر ہمیں اطلاع دی کہ آج سکھر جیل کے قیدی یہاں پہنچ رہے ہیں۔ ان سب میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا ابوالحسنات کے اسماء گرامی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ اس افسر نے اپنی بات کی تکمیل کرتے ہوئے دوسری فرحت افزاء خبر یہ سنائی کہ ان حضرات کے لئے بھی آپ کے اسی ''دیوانی احاطہ'' میں قیام کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ اور غالباً دوپہر تک وہ حضرات بھی تشریف لے آئیں گے۔ لاہور سنٹرل جیل کے اس احاطہ میں اس وقت شیخ حسام الدین، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا محمد حیاتؒ، سید سبط حسن، ملک عبدالغفور انوری، عطاء اللہ جہانیاں اور راقم الحروف بھی تھے۔ ہم

نے جب ان بزرگوں اور بالخصوص شاہ جیؒ کی آمد کا مژدہ جانفزا سنا تو سب کے چہروں پر مسرت و بشاشت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ان سب کی آنکھیں روزن در پر لگی ہوتی تھیں۔ کہ ان اولوالعزم اور جلیل القدر شخصیات کی زیارت کا شرف کب حاصل ہوتا ہے۔

لاہور سنٹرل جیل میں شاہ جیؒ کی آمد

۲۵/جولائی ۱۹۵۳ء کو دن کے گیارہ بجے گرفتار ہونے والے حضرات کا ایک گروہ جن میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا سید ابوالحسنات قادری، جناب سید مظفر علی شمسی اور دیگر حضرات شامل تھے۔ سنٹرل جیل میں پہنچ گیا۔ باقی حضرات تو دیوانی احاطہ میں آ گئے۔ لیکن شاہ جیؒ دیوڑھی میں ہی تھے۔ آپ کے استقبال کے لئے ہمارے علاوہ دوسری بیرکوں کے سیاسی اور اخلاقی قیدی اپنے اپنے احاطوں میں سراپا انتظار بنے کھڑے تھے کہ سامنے سے جیل کے اربابِ اختیار اور چند دوسرے قیدیوں کے جلو میں شاہ جیؒ تشریف لاتے دکھائی دیئے۔ جونہی لوگوں کی نگاہیں آپ پر پڑیں۔ امیر شریعت زندہ باد! کے فلک شگاف نعروں میں جیل کے در و دیوار گونج اٹھے۔ دیوانی احاطہ میں شاہ جیؒ سب سے آخر میں پہنچے۔ ضعف اور نقاہت کے باعث آپ بے حد پژمردہ تھے۔ آپ کا جسم اب ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ گالوں اور تابناک چہروں پر جھریاں پڑ گئی تھیں اور جسم پر جگہ جگہ پھوڑے پھنسیوں کے داغ دھبے نمایاں تھے۔ دیوانی احاطے کے بڑے کمرہ میں شاہ جیؒ اور مولانا ابوالحسنات کے لئے رہائش کا انتظام کر دیا گیا۔ ان کی آمد سے قبل چونکہ جیل کے اکثر قیدی چارپائیوں کی بجائے زمین پر اپنا بستر بچھا کر ایام اسیری گذار رہے تھے اور صرف ہمارے احاطہ کے چند نظر بندوں کے پاس جو چارپائیاں تھیں۔ وہ ان بزرگوں کی خدمت میں پیش کر دی گئیں۔ جیل کے افسروں نے بعد میں اکثر سیاسی قیدیوں کے لئے چارپائیوں کا انتظام کر دیا۔

حکام سکھر جیل کا افسوسناک سلوک

شاہ جیؒ چونکہ بیماری اور سفر کی طوالت کے بعد بے حد نڈھال تھے۔ اس لئے ہم نے اپنی بات چیت صرف علیک سلیک تک محدود رکھی۔ ظہر کی نماز کے بعد جب اربابِ سخن نے شاہ

جیؒ سے ان کی صحت کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے پہلے کراچی کے ارباب اختیار کی کرم بخشیوں کی داستان سنائی کہ ان لوگوں نے ہم بڈھوں (مولانا ابوالحسنات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے ساتھ کیا سلوک کیا پھر سکھر جیل کے افسروں کی اخلاقی باختگی اور ان کی سردمہری کے واقعات سنائے تو سامعین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

شاہ جیؒ نے فرمایا کہ موسم گرما، جون، جولائی کی ہلاکت خیزیاں، سکھر جیل اور پھر اس کے رحم دل اور ذرہ نواز ارباب اختیار بس یہ تو میرے اللہ کا فضل و کرم ہوا کہ ہم وہاں سے زندہ سلامت آ گئے ورنہ ان لوگوں نے اپنی جانب سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

آپ نے سکھر جیل کی خوراک کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ چاول اور نامعلوم اشیاء کے امتزاج سے جو سخت سے سخت روٹی تیار ہو سکتی ہو۔ وہ ہمارے لئے مہیا کی جاتی۔ ساگ پات کی جگہ گھاس پھونس اور مسلسل مسور کی دال یہ ہمارے لئے سب سے اچھی صحت افزا غذا تجویز کی گئی تھی۔ تپتے ہوئے مختصر سے قبر نما کمرے ہمارے لیے مسکن اور قیام گاہیں تھیں جن سے معمولی ہوا کا بھی مشکل سے گزر ہوتا تھا۔ جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان تکلیف دہ اور دل گداز حالات میں میری صحت کا ستیاناس ہو گیا۔ جسم پر گرمی دانے نمودار ہوئے پھر وہ سخت پھوڑے بن گئے جنہوں نے میرے بدن میں اس طرح آگ لگا دی۔ جس طرح دہکتے ہوئے انگارے جسم پر رکھ دیئے گئے ہوں۔

شاہ جیؒ نے فرمایا! متحدہ ہندوستان میں ہم نے سخت سے سخت جیل خانے بھی دیکھے ہیں اور سفاک سے سفاک اور ظالم سے ظالم جیل کے انگریز افسروں سے واسطہ پڑا ہے۔ اور بعض افسروں سے ایسی گھٹی کہ رہائی تک اکھاڑا بنا رہا۔ لیکن سکھر جیل میں ہمارے ساتھ نرالا ہی سلوک ہوا میں قید و بند کے مصائب بیان کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کا تذکرہ معیوب سمجھتا ہوں۔ جو لوگ حوالات میں ایک رات کاٹ آئیں۔ تو باہر آ کر اخباروں کے نمبر نکالتے ہیں اور زندان کی ساعتیں منٹوں میں حساب لگا کر بیان کی جاتی ہیں۔ بابو! یہ پراپیگنڈے کی دنیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو ہمارے لئے جیل خانہ گلشن بنا دیا تھا۔ جیسے وہاں عطر بیز پھولوں تک رسائی کانٹوں سے الجھنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہی گلشن زندگی میں

تلخیوں اور تنگیوں کے بعد راحت پا سکتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ صاحب نے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر جاری رکھتے ہوئے فرمایا "سبحان اللہ" انہوں نے کتنی بلند بات کی ہے۔

رب السّجن احبُّ الی ممّا یدعوننی الیه...... (یوسف: ۳۳)

"اے میرے پروردگار یہ قید خانہ مجھے اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ جدھر وہ مجھے بلا رہے ہیں۔"

آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا، یہاں ذکر سکھر جیل کا ہو رہا ہے۔ میری تو خیر کوئی بات نہ تھی۔ میں تو سرد گرم کشیدہ ہوں اور پوری زندگی جیل یا ریل کی نذر ہوئی ہے۔ یہ بڑے میاں ابوالحسنات بیچارے وادیٔ پرخار میں پہلی بار قدم رنجاں ہوئے تھے مجھے ان کا بڑا احساس رہا۔

لیکن ماشاء اللہ ان کو تو میں نے اپنے سب ساتھیوں سے زیادہ صابر و شاکر پایا۔ راقم الحروف نے استفہاماً شاہ جیؒ کی خدمت میں عرض کی۔ اور آپ حضرات کے ساتھ اس قسم کے افسوسناک سلوک کا محرک کہیں انسپکٹر جیل خانہ جات کا انتقامی جذبہ تو نہیں اس پر شاہ جیؒ نے ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور خاموش ہو گئے۔

منیر انکوائری کمیشن کے متعلق شاہ جیؒ کا موقف

۲۷ جنوری کو تحریک ختم نبوت کے دوران کراچی میں گرفتار ہونے والے دوسرے مرکزی رہنما جن میں ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا عبدالحامد بدایونی اور دوسرے حضرات شامل تھے۔ حیدرآباد جیل سے لاہور سنٹرل جیل منتقل کر دیئے گئے۔ ان حضرات کی آمد پر تحقیقاتی عدالت کے سامنے مجلس احرار کا موقف پیش کرنے کا مسئلہ آیا۔ چنانچہ مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔ جن میں مختلف حضرات نے اپنا اپنا طریقہ پیش کرتے ہوئے اُس بات پر زور دیا کہ ہمیں تحقیقاتی کمیشن کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے اور اس کے سامنے اپنا موقف پیش کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ سے کام نہ لینا چاہئے۔

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنے رفقاء جماعت اور ارباب سخن کے خیالات سن کر ایک سرد آہ بھری اور فرمایا! تم دوست جو فیصلہ کر لو مجھے اس سے

اختلاف نہیں ہوسکتا۔ آپ حضرات نے اپنی مدلل باتوں سے میرے دماغ کو متاثر کیا ہے۔ لیکن اپنے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کیا کروں۔ یہ ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ کمیشن ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرے گا۔ بلکہ میری نگاہ میں تو ہمیں رسوا کرنے کے لئے اربابِ حکومت کی یہ ایک دلربا چال ہے۔

شاہ جیؒ نے یہاں پر اس وقت کے ارباب اقتدار کی ایمانی کمزوری اور باطل پرستی کا بھی ذکر کیا۔ ہمیں کمیشن سے عدم تعاون کا اعلان کر دینا چاہئے۔ پھر جو کچھ ہوگا۔ دیکھا جائے گا۔ ویسے تم لوگوں نے شہید گنج اور ۱۹۴۷ء کے انتخابات کے موقع پر بھی میری بات نہ مانی اور اب بھی نہ مانو گے۔ اور آخر کار وہی ہوکر رہا۔ جس خدشے کا اظہار کیا گیا تھا۔

شاہ جیؒ کے اس انداز نے حاضرین اجلاس پر ایک سکوت طاری کر دیا۔ ساتھیوں نے جب مختلف کمیشنوں کے ساتھ تعاون کی سابقہ مثالیں پیش کیں۔ اور اس سلسلہ میں عدم تعاون کو نامناسب قرار دیا تو آپ نے فرمایا!

”اگر آپ لوگ اسی پر مصر ہیں تو ہمیں مشروط تعاون پر آمادگی ظاہر کرنی چاہئے۔ کہ ہمارا اصل فریق مخالف چونکہ قید و بند سے باہر ہے۔ اس لئے یا تو اسے بھی ہمارے ساتھ یہاں لایا جائے تاکہ مقدمہ کی پیروی کے لئے ہم دونوں کے وسائل و ذرائع یکساں ہو جائیں اور یا پھر ہمیں آزاد کر دیا جائے، تاکہ باہر جا کر ہم بھی اپنا موقف آزادانہ ماحول میں واضح کر سکیں ایک فریق کو آزاد اور دوسرے کو سلاخوں میں بند کرنے کی عملی صورت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ارباب حکومت و اختیار اس پر فیصلہ صادر فرما چکے ہیں۔ میری مانو تو اپنی زندگی کا بقیہ حصہ قید و بند کی نظر کر دو۔ اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو۔ وہ بہتر کارساز ہے۔ لیکن اگر آپ حضرات اس کے لئے آمادہ نہ ہوسکیں۔ تو میں آپ کے فیصلہ کا پورا پابند رہوں گا۔ اور انشاءاللہ پھر اسی پر عمل ہوگا۔

”ہمارے ہاں تو جماعت نام ہے چند دوستوں اور ساتھیوں کی رفاقت کا۔“

الغرض اس اجلاس میں یہ فیصلہ ہوگیا کہ مجلس احرار کو متوقع نتائج سے بے پرواہو کر من حیث الجماعت تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے اپنا موقف پیش کر دینا چاہئے۔ چنانچہ بعد میں

احرار کا بیان بھی تحقیقاتی عدالت کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ باوجود کوشش کے جس کی اشاعت کی اجازت نہ مل سکی۔

مارشل لاء کے قیدیوں سے ملاقات

لاہور سنٹرل جیل میں شاہ جیؒ کی آمد کی اطلاع جب مارشل لاء کے قیدیوں کو ملی تو انہوں نے حکام جیل کی اجازت سے شاہ جیؒ سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ ایک دن صبح سویرے ہم اسیران قفس ناشتہ کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ دیوانی احاطہ کے انچارج نے آ کر شاہ جیؒ سے ملاقات کی کہ مارشل لاء کے چند قیدی باہر کھڑے ہیں۔ اور وہ آپ کی زیارت کے مشتاق ہیں اگر اجازت ہو تو انہیں اندر بلا لوں۔ ابھی اس کی بات مکمل نہ ہو پائی تھی کہ شاہ جیؒ ننگے سر اور ننگے پاؤں ان قیدیوں کے استقبال کے لئے دیوانہ وار کمرے سے باہر نکل گئے۔ دیوانی احاطہ کے دروازے پر قیدی خراماں خراماں آ رہے تھے۔ ہتھکڑیاں اور بیڑیوں کی چھنکار اور شاہ جیؒ کا استقبال ایک عجیب پُر کیف منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ شاہ جیؒ نے سب کو گلے لگایا۔ ایک ایک کی بیڑی اور ہتھکڑی کو بوسہ دیا۔

پھر آپ نے اشکبار اور غمناک لہجے میں فرمایا اور تم لوگ میرا سرمایہ نجات ہو میں نے دنیا میں لوگوں کو روٹی اور پیٹ یا کسی اور مادی مفاد کے لئے نہیں پکارا۔ لوگ اس کے لئے بھی بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں۔ میں نے تو اپنے نانا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کی دعوت دی ہے۔ اور تم لوگ صرف اور صرف اسی مقصد کے لئے قید و بند اور طوق و سلاسل کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہو۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے۔ سیاسی شہرت یا ذاتی وجاہت جس کا مقصد ہو تم یہاں جیل میں بھی غیر معروف ہو تو باہر تمہارا استقبال کرنے والا اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر نعرہ لگانے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ نیت اور ارادے کے اعتبار سے جس کی آمد اس مقصد کے لئے ہوتی ہے وہ یہی مقصد لے کر واپس چلا جائے گا۔ میرے لئے اس سے بڑا سرمایۂ افتخار اور کیا ہو سکتا ہے۔

شاہ جیؒ یہ جملے فرما چکے تھے۔ تو کسی نے ایک قیدی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ تحریک میں اس کا بھائی گولی کا نشانہ بن چکا ہے۔ اس کے لئے دُعا فرمائیں۔ شاہ جیؒ نے

تحریک کے دوران تشدد دانہ کاروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔" بھائی ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ حکومت یا عوام تشدد پر اتر آئیں۔ اور کوئی ناخوشگوار صورت نمودار ہو جائے میں نے کراچی جیل میں جب لاہور اور دوسرے مقامات پر گولی چلنے کے واقعات سنے اور معلوم ہوا کہ کئی بوڑھے باپوں کی لاٹھیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ ماؤں کے چراغ گل ہو گئے ہیں۔ تو مجھے ان کا بڑا صدمہ پہنچا۔ میں نے وہاں کہا تھا کہ کاش! مجھے کوئی باہر لے جائے۔ یا ارباب اقتدار تک میری یہ آرزو پہنچا دی جائے کہ تحفظ ناموس رسولؐ کے سلسلہ میں اب تک جتنی گولیاں چلائی گئی وہ مجھے ٹکٹکی پر باندھ کر میرے سینے میں پیوست کر دی جائیں۔

مارشل لاء کے ان قیدیوں کے علاوہ جو حضرات شاہ جیؒ سے ملنے کے لئے آئے ان میں سے سید ابوالاعلیٰ مودودی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا غلام محمد ترنم، مولانا اختر علی خاں، مولانا عبدالستار خاں نیازی، مولانا امین احسن اصلاحی کے نام خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

جیل میں شاہ جیؒ کے مشاغل

لاہور سنٹرل جیل میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے مشاغل کا عنوان ایسا ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ چند ضروری واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو شاہ جیؒ کی زندگی کا قریب سے مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ کہ عبادات کے علاوہ شاہ جیؒ کے روزمرہ کے مشاغل بظاہر کسی منظّم پروگرام کے تحت نہیں ہوا کرتے تھے۔ یعنی مطالعہ کتب، تحریر، ملاقات اور سیر و سیاحت کے لئے کوئی باقاعدہ نظم اوقات مرتب ہو۔

شاہ جیؒ کی زندگی میں اس انداز کا نظم اگر دکھائی دیتا ہے۔ تو وہ صرف عبادات کا ہے۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے، یا پھر ورد و وظائف میں اور ذکر الٰہی میں منہمک رہتے۔ تہجد کے وقت جب بھی آپ اللہ اللہ کا ذکر بالجہر کرتے یا دوسرے اوقات میں تلاوت قرآن مجید کرتے تو وجد میں آجاتے اور اپنا روایتی لب و لہجہ اختیار کرتے تو سکوت زندان میں ایک ارتعاش پیدا ہو جاتا اور ایک عجیب سماں بندھ جاتا۔

شاہ جیؒ کے مشاغل میں سب سے زیادہ جس بات کو اہمیت دی جا سکتی ہے۔ وہ ان

کا تذکرہ ماضی ہے۔ شاہ جیؒ اپنے زمانہ حیات میں جب احباب ورفقاء کی محفل آراستہ کرتے تو اکثر اپنے ماضی کے عظیم الشان واقعات اور اپنے مثالی کارناموں کا بے تکلف ذکر اس طرح کرتے جیسے تاریخ کے اوراق پارینہ پڑھے جارہے ہوں۔ شاہ جیؒ نے اپنی مجلسی زندگی میں تاریخ آزادی وطن کے بڑے سنہری باب پڑھ کر سنائے ہیں۔

ایک دن چائے سے فارغ ہو کر ابھی دستر خوان پر ہی بیٹھے تھے کہ فتح دین نامی باورچی کا ذکر چھڑ گیا۔ اس باورچی نے اگرچہ پکانے میں خاصی مہارت حاصل کر لی تھی۔ لیکن مولانا ابوالحسنات جنہیں شاہ جیؒ ہرفن مولا کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اس کی ایک نہ چلنے دیتے اور ضرور کوئی نئی ہدایات جاری فرمادیتے۔

الغرض شاہ جیؒ نے مختلف باورچیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں نے ایک بار انگریزوں کے خلاف خانساماں کی تحریک عدم تعاون بھی چلائی۔ مجھے کہیں سے اطلاع ملتی کہ اس انگریز افسر کے ہاں کوئی مسلمان ملازم خانساماں کی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ تو اسے عدم تعاون پر آمادہ کرتا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک خانساماں کانفرنس منعقد کی گئی، جس کے اچھے اثرات مرتب کئے گئے۔[1]

جسمانی ورزش

شاہ جیؒ کے مشاغل کے ساتھ ہی یہاں پر اگر آپ کی جسمانی ورزش کے باب کا حصہ قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تحریک ختم نبوت کے رہنماؤں کو ہمارے احاطہ میں تشریف لائے ابھی چند دن ہوئے تھے کہ راقم الحروف نے ازراہ تفنن طبع شاہ جیؒ مولانا ابوالحسنات، عبدالحامد بدایونی، شیخ حسام الدین، مولانا محمد علی جالندھریؒ اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ ''اے بابا حضرات ہمیں یہ ایام اسیری بیمار بن کر نہیں گزارنے چاہئیں جسمانی ورزش کا بھی کوئی پروگرام مرتب ہونا چاہئے اور اٹھئے میدان کارزار میں ہمارا مقابلہ کیجئے۔ مولانا ابوالحسنات تو مسکرادیئے، شاہ جیؒ نے مجھے ڈانٹ پلادی ''جاؤ اپنا کام کرو۔'' میں نے عرض کیا شاہ جیؒ سیفٹی ایکٹ پر مزید سیفٹی ایکٹ نافذ کرنے کا

---

[1] لولاک ۲۰ راگست ۱۹۶۵ء

کوئی فائدہ نہیں میں تو والی بال کھلانے کے لئے آپ کو لے جاؤں گا۔

اس اثناء میں مولانا محمد شریف جالندھریؒ اور ملک عبدالغفور انوری میرے ساتھی بن گئے۔ چنانچہ شاہ جیؒ ہماری درخواست پر کھیلنے کے لئے باہر گراؤنڈ میں چلے گئے۔ اب یہ مسئلہ درپیش تھا کہ والی بال کہاں سے حاصل کیا جائے۔ یا پھر اس کی جگہ پر متبادل کھیل کون سا کھیلا جائے۔ میں نے اپنا تولیہ گول کر کے گیند بنالیا اور شاہ جیؒ کی جانب پھینک کر کھیل کا آغاز کر دیا۔ اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا۔ بس پھر کیا تھا۔ مولانا ابوالحسنات کے علاوہ دوسرے حضرات بھی ہمارے ساتھی بن گئے۔ شیخ صاحب اپنے گھٹنے میں تکلیف کے باعث چونکہ کھیل سے معذور تھے اس لئے انہیں کھیل کا منصف ٹھہرایا گیا۔ ایک دو روز تو ہم اسی طرح کھیلتے رہے۔ چند دن بعد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل مہر محمد حیات صاحب عین اس موقعہ پر دیوانی احاطہ میں آئے۔ جب ہم کپڑے کی گیند کے ساتھ اپنے کھیل میں خوب مصروف تھے۔ مہر صاحب ہمیں دیکھتے ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے اور آتے ہی بولے آپ حضرات نے اس سلسلہ میں ہمیں کیوں نہ مطلع کیا۔ ہم آپ کے لئے کھیل کا سارا سامان فراہم کر دیتے، اور وہ تو قانونی طور پر آپ کا حق بھی ہے۔ خیر دوسرے دن والی بال نٹ اور بیڈمنٹن کھیلنے کا سامان ہمارے احاطہ میں پہنچ گیا۔ سامان دیکھ کر اب دوسرے رہنماؤں نے بھی کھیل کے لئے آمادگی ظاہر کی۔

چنانچہ اچھی خاصی ٹیم مرتب ہوگئی۔ اب ذرا کھلاڑیوں کی اس ٹیم کے اسمائے گرامی بھی سن لیجئے۔ امیر شریعتؒ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا عبدالحامد بدایونی، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا محمد حیات فاتح قادیاں، مولانا لال حسین اخترؒ، صاحبزادہ فیض الحسن، سید سبط حسن سابق مدیر لیل و نہار، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ، ملک عبدالغفور انوری، مولانا محمد شریف جالندھریؒ، سائیں محمد حیات پسروری، مولانا ابوالحسنات اپنے پاؤں میں سخت تکلیف کے باعث کھیل پر آمادہ نہ ہو سکے تھے۔

ویسے گراؤنڈ میں باہر بیٹھ کر کھیل میں خوب دلچسپی لیتے رہے اور اس بات کا تذکرہ تو آپ حضرات کے لئے یقیناً معلومات افزاء ہوگا کہ ہر جمعہ کو ہماری اس ٹیم کا بم کیس کے محبوس نظر بندوں کے ساتھ میچ ہوتا۔ بم کیس میں بھی اس تحریک کے قیدی جمع تھے۔ اس میں اکثریت

چونکہ جماعت اسلامی کے رہنماؤں اور کارکنوں کی تھی۔ اس لئے بم کیس ٹیم کا نام جماعت اسلامی اور دیوانی احاطہ کی ٹیم کا نام احرار رکھا گیا۔

کھیل کا یہ تذکرہ اگر چہ طوالت اختیار کر گیا ہے اور ممکن ہے کہ قارئین حضرات کے ذوق سلیم پر کچھ شاق گزرے مگر مقصود چونکہ شاہ جیؒ کی زندگی کا ایک ایسا پہلو بیان کرنا ہے۔ جس کا نظام صحت کے ساتھ گہرا تعلق اور وابستگی ہے۔ اس لئے اُمید کی جاتی ہے کہ حضرات قارئین اسے گوارا ہی کریں گے۔ شاہ جیؒ نے اپنی جسمانی ورزش کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار یہ بھی بتایا کہ وہ جوانی کے عالم میں جب کہ امرتسر کی ایک مسجد میں خطیب تھے۔ اکثر مروجہ ورزشی امور میں دلچسپی لیا کرتے تھے اور ان کے جسمانی حسن میں ورزش کو خاصا دخل رہا ہے۔[1]

تاثرات

ایک دن میں نے شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ آپ ایام اسیری میں کس شخصیت سے اور اس کے کس کارنامہ سے متاثر ہوئے ہیں۔ میرا یہ سوال سن کر پہلے تو حسب معمول ٹالنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب میں نے ذرا اصرار کے ساتھ معروضات پیش کیں تو فرمانے لگے: ”مجھ سے کیا پوچھتے ہو، بھائی میں تو ایک گنہگار انسان ہوں اور گنہگار کسی گنہگار ہی سے متاثر ہوسکتا ہے“۔ قید و بند کے دوران جب بعض اخلاقی قیدی چوری یا ڈکیتی کے جرم میں آئے۔ اور ایام اسیری گزارنے کے بعد جب واپس لوٹنے لگے تو ان میں سے پختہ کار مجرم جیل کے برتن، چٹائی اور کمبل وغیرہ یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں کی تحویل میں دے جاتے کہ انہیں ڈیوڑھی میں جمع کرانا۔ ہم بہت جلد واپس آ کر یہ وصول کرلیں گے، اور گنہگاروں کے عزائم کی بلندی اور دھن کی پختگی نے مجھ کو بڑا متاثر کیا۔ یہ لوگ گناہ میں اس قدر پختہ ہیں۔ کہ ہم سراسر نیکیوں اور محاسن میں کمزوری کا اظہار کریں۔ اور بھائی یہ کفر میں پختگی تو کبھی کبھی انبیائے کرام کی خصوصی توجہ اور دعاؤں کا مرکز بن جایا کرتی ہے۔

---

[1] لولاک ۲۰ راگست ۱۹۶۵ء

کمالات فائقہ کا پیکر

❁ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

بخاریؒ واقعی ان عظیم اشخاص میں سے تھے جن کی ہستی کی ترکیب و تعمیر میں قدرت کے غیر معمولی قوانین نے کارفرمائی کی ......اور اگر اس ترکیب و تعمیر میں آسمان، زماں اور وقت کے تصرفات کا واقعی کچھ حصہ ہے تو یقیناً آسمان نے مدتوں کی محنت سے، ان کے کمال معنوی کی عمارت تیار کی ہوگی!

میں بخاریؒ سے براہِ راست کم ملا ہوں۔ مگر قریب سے دیکھنے کے لئے بے شمار مواقع مجھے میسر آئے ہیں اور ان کی تقریریں تو بلا مبالغہ سو ڈیڑھ سو مرتبہ سنی ہوں گی جن میں وہ تقریریں بھی شامل ہیں جو مجمع عام کے لئے تھیں اور وہ بھی ہیں جن میں عالمانہ بحث و نظر کی ضرورت ہوتی تھی۔ سید صاحب مرحوم کو قریب سے دیکھنے کی صورت یہ تھی کہ میں مرحوم چودھری افضل حق کے نیاز مندانِ خاص میں شامل تھا...... وہ بعض اوقات بغرض مشاورت میرے مکان پر بھی تشریف لے آتے تھے، اسی طرح دوسرے احرار اور حریت پسند رہنماؤں سے بھی میری اچھی علیک سلیک تھی۔ ان وجوہ سے دفتر احرار میں میرا آنا جانا تھا اور یہ بات اس زمانے کے احباب کو اچھی طرح معلوم ہے۔ اس طرح گویا میں مجلس احرار کا ایک با قاعدہ رُکن تھا، مگر سب کو یہ معلوم تھا کہ میری دلچسپیاں زیادہ تر ادبی ہیں اور سیاسی بھی اگر تھیں تو احرار کی جزئیاتی اور وقتی سیاست سے میرا کوئی تعلق نہ تھا مجھے تو ان کے نصب العین اور برطانوی استعمار کے متعلق ان کے جرأت مندانہ خیالات سے دلچسپی تھی!

غرض [illegible] احرار کے قرب کا مجھے موقعہ حاصل تھا اور میں سبھی احرار لیڈروں سے شیر و شکر تھا، [illegible] مرحوم سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے...... کہ میں ان کے رُعب و جلال اور ان کے حد درجہ کیسلے اندازِ بلاغت کی وجہ سے، اپنے اندر کچھ ایسی کمی پاتا تھا جس کا احساس مجھے ان کے بہت قریب نہ ہونے دیتا تھا...... لہٰذا میں برسوں سید صاحب کو قریب سے مگر دور سے دیکھتا رہا

---

1 ہفت روزہ لولاک لائل پور (فیصل آباد) ص 10، ص 14

اور خوب دیکھتا رہا ۔

ہر حقیقت کو با انداز تماشہ دیکھا
خوب دیکھا ترے جلووں کو مگر کیا دیکھا

وفا کی دالداری کے لئے اپنی رائے ترک کر دیتے

میں نے احرار کی مشاورتوں میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو حکمرانی کرتے دیکھا...... احرار میں بڑے بڑے مفکر اور حکیم اور مقرر موجود تھے اور انہی میں چودھری افضل حق بھی تھے مگر سید صاحب اس قبیلے کے وہ سردار تھے جن کی بات کو ٹال دینا کسی کے لئے ممکن نہ تھا، یہ اور بات ہے کہ سید صاحب کی رواداری اور حوصلہ مندی اکثر اس بات کو روا رکھتی تھی کہ مخلص رفقاء کے استدلال کو بھی سن لیتے تھے اور بسا اوقات وہ اپنے رفیقوں کے خلوص سے متاثر ہو کر اپنی رائے ترک بھی کر دیتے تھے...... مگر پھر بھی میرے اپنے خیال میں مجلس احرار کی سیاسیات کی باگ مسلسل بیس سال تک سید صاحب مرحوم کے ہاتھ میں رہی۔

سید صاحب کو اپنی جماعت میں یہ مقام کسی چیرہ دستی ...... یا دراز دستی کی وجہ سے حاصل نہ تھا۔ اس کا اصلی سبب یہ تھا، کہ سید صاحب سیاسی لیڈر ہو کر بھی سیاست کے طریقے سے نہیں چلتے تھے بلکہ ان کی آمد کی بنیاد وقتی سیاسی تدبیر کے بجائے صحیح اور مرکزی اساسی عقائد پر تھی......! میں نے بارہا مجلسوں میں سید صاحب کو مرکزی عقائد پر اڑتے دیکھا۔

اور اسی خلوص عقائد کی بنا پر وہ اکثر اپنے نقطۂ نظر کے منوانے میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے۔ اگر چہ (جب میں نے پہلے عرض کیا) کبھی کبھی وہ بھی احباب کے خلوص کے سامنے ہتھیار ڈال دیا کرتے تھے۔

شاہ جیؒ نے دو مرتبہ اپنی رائے کو قربان کر دیا

سید صاحب مرحوم دو مرتبہ اپنے رفقاء کے خلوص کے سامنے جھکے اور اپنی رائے کو قربان کر دیا...... پہلا بڑا مرحلہ وہ تھا جس کا تعلق کانگریس کے انقطاع سے تھا...... مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ سید صاحب اس اقدام سے متفق نہ تھے کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ وقتی

سیاست کو انگریزی استعمار کے خلاف جہاد کے اصولی اور مرکزی سوال پر تقدم حاصل نہ ہونا چاہیے۔ فرقہ وارانہ امور کی بھی اپنی جگہ اہمیت ہے مگر یہی فرقہ وارانہ امور اصولی سوال کے سامنے رکاوٹ بھی بن جاتے ہیں...... احرار کی یہ بحثیں دو تین مہینے تک جاری رہیں جن میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور حضرت سید صاحبؒ الگ رائے پر تھے...... اگر افضل حق مرحوم کی ملائمت، نرمی، طریق استدلال اور تحمل اور وقتی سیاسی جزئیات کا علم آخر بخاری کو قائل کرکے رہا مگر درحقیقت بخاری قائل ہوئے نہیں انہوں نے قربانی کی...... اور بیس تیس برس گزر جانے کے بعد اب شاید بہت سے لوگوں کو یہی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ احرار کی نئی سیاست نے بالآخر انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا مسلمان قوم کا پلیٹ فارم تو بہرحال مسلم لیگ کے پاس رہا اور احراری سیاست پر وقت پرستی کا الزام لگا رہا۔

دوسرا نازک موڑ مسجد شہید گنج کے حوادث کی صورت میں سامنے آیا یہاں بھی میری معلومات کے مطابق سید صاحب کی نظر مسجد کی تقدیس پر تھی اور دوسرے رفقاء (بڑی حد تک بجا طور پر) اس کو سازش سمجھتے تھے (اور وہ سازش تھی بھی) مگر سید صاحب کا قلب سیاسی موقعہ شناسی یا مصلحت کوشی کو برداشت کر ہی نہ سکتا تھا ان کی نظر بنیادی اور مرکزی عقائد میں پیوست رہتی تھی! اور میرا اپنا خیال یہ ہے کہ مرکزی عقائد سے ہٹ کر مجلس احرار نے بالآخر نقصان اٹھایا۔

پھر بھی سید صاحب، بالعموم مجلس احرار میں اپنی اسی راست روی اور مرکزیت کی وجہ سے بہت جلد غالب رائے کو اپنے حق میں ہموار کر لیتے تھے اور سب رفقاء کو معلوم ہے کہ احرار کی اصلی قوت سید صاحب ہی تھے۔[1]

عام مجلسی گفتگو بھی اپنا جادو جگاتی تھی

عام خیال کے متعلق سید صاحب کا سب سے بڑا کمال ان کی خطیبانہ ساحری میں مضمر تھا (اور یہ غلط بھی نہیں) مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ سید صاحب کی مجلسی گفتگو بھی ان کی

---

1 ہفت روزہ چٹان لاہور سالنامہ ص 79

خطابت کے برابر برابر جادو جگاتی تھی ...... اور جمہور سے قطع نظر، طبقہ علماء و زعما میں وہ اپنے انداز گفتگو کی وجہ سے ہی ایک فائق مقام کے مالک بنے ہوئے تھے۔

سید صاحب کی گفتگو ہر مجلس اور ہر مقام کے مطابق ہوتی تھی چنانچہ علماء کی محفل میں کتاب و سنت کے موضوعات پر جب وہ بات کرتے تھے تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ شخص شب و روز کتابوں کی ورق گردانی میں مصروف رہتا ہے، بڑے بڑے عالم ان کے سامنے دم بخود بیٹھے رہتے تھے۔ اسی طرح اہل ادب کی محفل میں ان کی باتوں میں ادبی لطائف کا کچھ ایسا تسلسل ہوتا تھا کہ مخاطب اپنے آپ کو زعفران زار کے ماحول میں پاتا تھا۔ برجستہ عربی فارسی اُردو پنجابی کے اشعار ان کی گفتگو میں مناسب مقام پر خود بخود آ پہنچتے تھے اور جب سیاستدانوں کی مجلس میں ہوتے تو ان کی سیاسی معلومات کا بھی گہرا نقش بیٹھتا تھا۔

(اگر چہ وہ سب سے زیادہ اسی جماعت سے متوحش ہوتے تھے خصوصاً اس زمانے کے مسلمان سیاستدانوں کی صحبت میں ان کا دم گھٹتا تھا اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ ان بدبختوں کے دل پر خدا کے سوا ہر شے کا خوف غالب ہے۔)

غرض سید صاحب ہر مجلس میں مناسب موقعہ نہایت بلیغ گفتگو کیا کرتے تھے اور اس کا بڑا اثر ہوتا تھا...... مگر سید صاحب کی گفتگو میں بلاغت کا سب سے بڑا پہلوان کی حاضر جوابی، بذلہ سنجی اور طنز کا کٹیلا پن تھا...... اور ان کا یہ وہ ہتھیار تھا جس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا اور وہ اپنے خدا داد ملکے کی بدولت ہر مجلس میں شریکِ غالب بھی ہوتے تھے اور راحتِ محفل بھی ...... !مرحوم افضل حق کی یہ حالت تھی کہ سید صاحب جب طویل دورے پر باہر چلے جاتے تو فرمایا کرتے:

"شاہ جی دے بغیر ماڑیاں، کھولے کھنڈر معلوم ہوندے نیں۔"

اور کبھی کبھی کوئی صورت پیدا کر کے ان کا دورہ کٹوا بھی دیتے اور پھر اپنی محبت آمیز شرافت، پر بہت خوش ہوتے !مختصر یہ کہ سید صاحب کو گفتگو کا غیر معمولی ملکہ حاصل تھا اور ان کے قبولِ عام میں اس چیز کا بھی بڑا حصہ تھا! تاہم۔

اسلام کی پچھلی دو تین صدیوں میں ایسا کوئی خطیب ظہور میں نہیں آیا

یہ ماننا پڑے گا کہ سید صاحب کا سب سے بڑا کمال ان کا خطیبانہ انداز تقریر تھا

جس سے وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کے مجمع کو کئی کئی گھنٹوں تک مسحور کئے رکھتے تھے۔ شاید پچھلی دو تین صدیوں میں ان سے بڑا شعلہ بیان خطیب کوئی ظہور میں نہیں آیا ہوگا...... اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو واضح اور مسلم ہونے کی وجہ سے محتاج ثبوت نہیں۔ سید صاحب کی خطابت کے خصائص کا ادبی و فنی تجزیہ اگر کیا جائے تو لامحالہ اس کی (oratory) کو دنیا کے بڑے بڑے آرمیٹرز کے پہلو بہ پہلو رکھ کر دیکھنا ہوگا۔

آپ کی خطابت کا تعلق قدیم و عظیم روایت سے ہے

حضرت سید صاحب مرحوم کی خطابت دراصل ایک قدیم و عظیم روایت سے تعلق رکھتی ہے...... سید صاحب سے پہلے، قریبی زمانے میں نامور ترین بزرگ مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے۔ سید صاحب کی خطابت کا تعلق ایک خاص حد تک انہی سے قائم کیا جا سکتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کی خطابت کا اہم خاصہ وقت کی طوالت کے باوجود دلچسپی کا قائم رکھنا تھا۔ حضرت سید صاحب کے یہاں بھی یہی خصوصیت کارفرما تھی اور اگرچہ حضرت تھانویؒ کی تقریر میں بھی ادب و شعر اور بذلہ و ظرافت کا ایک خاص رنگ تھا مگر آواز کی گرج اور شخصیت کا جو جلال حضرت سید صاحب کو میسر آیا وہ انہی سے مخصوص تھا۔

اس کے علاوہ حضرت تھانویؒ کے موضوعات عموماً ٹھنڈے ہوتے تھے...... ان میں کہانی کا سا لطف ہوتا تھا مگر حضرت سید صاحب کی تقریروں کا موضوع جوش انگیز ہوتا تھا اور اس میں رجز کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

حضرت تھانویؒ کامیاب واعظ شاہ جیؒ غیر معمولی خطیب

اسی لئے میں حضرت تھانویؒ کو کامیاب واعظ کہوں گا اور حضرت سید صاحب کو کامیاب بلکہ غیر معمولی خطیب قرار دوں گا۔ حضرت تھانوی کی تقریر صرف اُن کے معتقد سنتے تھے جو پہلے ہی سے ان کے تقویٰ کے قائل و معترف تھے۔

مگر حضرت سید صاحبؒ کو ایسے اجتماعات سے واسطہ پڑتا تھا۔ جس میں اختلاف رکھنے والوں کی موجودگی ایک یقینی بات تھی، اس لئے سید صاحب کی خطابت کو زیادہ سخت

آزمائشوں سے گزرنا پڑتا تھا۔

یہ تفصیل میں نے اس لئے بیان کی ہے کہ ہر چند کہ حضرت سید صاحب ہندوستان کی ایک قدیم روایتِ خطابت کے وارث تھے مگر دراصل ان کی خطابت، ادوار اور فرقوں کی حدوں سے بلندتر اور ارفع تھی...... اور اس میں تاثیر، تفریح اور کوئی موتی لعل نہرو کرسی صدارت سے اچھل پڑے اور سامعین میں بھی بخاری زندہ باد! کا غلغلہ بلند ہونے لگے۔

بذلہ سنج اور خوش گفتار ایسے کہ محض الفاظ کی الٹ پلٹ سے گفتگو میں طنز و مزاح کے تیمور اور نشتریت کا اثر پیدا کرنا اُن کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

شاہ جی بعض اوقات بڑے بڑے علمی و دینی مسائل کی گرہیں کھولتے ہوئے شعر شاعری سے ایسا کام لیا کرتے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی۔

مثلاً ایک مرتبہ حج کے بارے میں تفصیلات بیان کر رہے تھے کہ اچانک مزاج کا دھارا شعر و سخن کی طرف گیا۔ کہنے لگے

کوئی تو بات ہے ساقی کے میکدے میں ضرور
جو دُور دُور سے میخوار آکے پیتے ہیں
یہ فیض میکدہ دیکھو کہ چار ہی دن میں
ہم ایسے رند بھی مینا بتا کے پیتے ہیں

☆ شاد عظیم آبادی کے یہ اشعار شاہ جیؒ کے نفیس لب ولہجہ میں سن کر حاضرین بے ساختہ جھوم اُٹھے۔

مقرر نہیں ساحر

میں نے شاہ جیؒ کے سامنے بڑے بڑے ادیبوں اور خطیبوں کا چراغ گل ہوتے دیکھا ہے۔ ایک جلسے میں شاہ جیؒ کے علاوہ مولانا محمد علی جوہرؒ اور دیگر زعما نے بھی تقریریں کیں۔ لیکن شاہ جی کی تقریر کا رنگ و روغن ہی کچھ ایسا تھا۔ اُن کے بعد اس فن کے بعض نامی گرامی لوگوں کی تقریر بھی عوام کو متاثر نہ کرسکی۔

چنانچہ مولانا محمد علی جوہرؒ نے شاہ جی سے کہا:

''بخاری! تم اپنی تقریر میں لوگوں کو جب قورمہ اور پلاؤ فراہم کرتے ہو تو بعد میں انہیں یہ بھی کہہ دیا کرو ..... کہ محمد علی کی سوکھی روٹی بھی قبول کر لیا کریں۔''

اس پر شاہ جی فوراً بولے:

''حضور! ایک جرنیل ایک سپاہی کے بارے میں یہ بات کہہ رہا ہے! سپاہی کی شہرت تو دراصل جرنیل کی عظمت کا آئینہ ہوتی ہے۔''

یہ الفاظ سن کر مولانا محمد علی نے مزید بحث و تمحیص کی گنجائش نہ پاتے ہوئے یکسر چپ سادھ لی۔ بخاری جیسے خطیب کو یہ فخر حاصل ہے کہ مولانا محمد علی جیسے جادو بیان مقرر نے اپنے اخبار ''ہمدرد'' میں شاہ جی کے بارے میں نہایت جلی طور پر لکھا تھا:

''یہ شخص مقرر نہیں بلکہ ساحر ہے۔''[1]

حقیقی معنوں میں درویش

شاہ صاحبؒ حقیقی معنوں میں درویش تھے۔ ان کے فقر و غنا کا یہ عالم تھا کہ وہ امرتسر میں اچھی خاصی جائیداد چھوڑ کر آئے تھے لیکن انہوں نے اس جائیداد کا کوئی کلیم کسی عدالت میں پیش نہیں فرمایا۔ کہ جب اس جائیداد کے بدلے یہاں جائیداد مل گئی تو ہجرت کا ثواب ہی جاتا رہے گا شاہ صاحب کا یہی کردار ایک دوسرے واقعہ سے بھی اُجاگر ہوتا ہے جو میں نے ایک صاحب سے سنا۔ انہوں نے فرمایا کہ شاہ صاحب بہاولپور میں تشریف فرما تھے نواب صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے پرائیوٹ سیکرٹری کو ڈیرہ نواب صاحب سے شاہ صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا اور ملاقات کی درخواست کی۔ سیکرٹری صاحب نواب صاحب کا پیغام لے کر شاہ صاحب کے پاس پہنچے۔ شاہ صاحب نے سنا تو فرمایا فقیر بادشاہوں کے دربار میں نہیں جایا کرتا۔ پھر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اب تو میں ویسے بھی ان کی ریاست میں بحیثیت مہمان کے مقیم ہوں۔ اب یہ معزز میزبان کا کام ہے کہ وہ مہمان کی عزت و توقیر میں پیش قدمی فرمائیں چنانچہ سیکرٹری صاحب کار لے کر واپس چلے گئے۔ اگلے دن نواب

1 ہفت روزہ چٹان لاہور سالنامہ 1962ء ص 90

صاحب بہاولپور بنفس نفیس شاہ صاحب سے ملنے آ گئے اور دس ہزار روپے بطور نذرانہ پیش کئے شاہ صاحب مرحوم نے اس خطیر رقم کو قبول کرنے معذوری کا اظہار فرمایا اور کہا کہ:

''فقیر کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صبح شام دو روٹیاں مل جاتی ہیں اس سے زیادہ کی خواہش نہیں۔''

نواب صاحب نے اصرار کیا تو ان دس ہزار روپوں میں سے صرف دس روپے اٹھا لئے۔

وفاداری بشرطِ استواری

جس طرح مولانا ظفر علی خاںؒ کی صحافت کو یہ شرف خاص حاصل رہا، کہ وہ جب تک جوان رہے۔ پنجاب کے کاسہ لیس خاندانوں اور ان کے ناقوس ہائے خصوصی کے لئے دلچسپ الفاظ اور ترکیبیں وضع کرتے رہے۔

اسی طرح سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس معاملہ میں ممتاز و منفرد تھے، کہ وہ ''وفاداری بشرطِ استواری'' کے خمیر میں گندھے ہوئے ان خاندانوں کو نہ تو خاطر ہی میں لاتے تھے، اور نہ ان کے دل و دماغ پر ان کی طرف سے حرفِ اعتبار نقش ہوتا تھا۔

شہروں اور لوگوں کے بارے میں ان کی رائے بڑی نپی تلی ہوتی جس شخص کے بارے میں کوئی بھرپور رائے قائم کر لیتے، پھر اس میں ترمیم نہ کرتے، اس سختی سے اس پر جمے رہتے کہ ردّو بدل کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قدرت کبھی معاف نہیں کرتی۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکی تھیں اور بہت کچھ دیکھ رہی تھیں۔ فرماتے، برہنہ گفتن کا موقع نہیں، ورنہ جو کچھ جہدِ آزادی کے دَور میں ہوتا رہا اور برطانوی سرکار نے خود کاشتہ خاندانوں کے لئے جو کچھ کیا، یا ان خاندانوں نے برطانوی سرکار کے لئے کئے وہ روداد اتنی تلخ ہے، کہ عرش و فرش کانپ اٹھتے ہیں۔

اس سلسلے میں وہ کئی واقعات بیان کرتے تھے۔ مرحوم امرتسر میں ایک بزرگ کرسی نشین، درباری، آنریری مجسٹریٹ، خان بہادر اور کیا کچھ نہیں تھے۔ امرتسر کے مارشل لاء نے سرکار میں ان کا ستارہ چمکا دیا۔ قصہ مختصر کہ تحریک خلافت ختم ہو گئی۔ جلیانوالہ باغ کا حادثہ بھی

اُبھر کر ٹھنڈا پڑ گیا قید و بند کے ابتدائی دن بھی لد چکے تھے۔ شاہ جی خیر الدین کی مسجد میں جمعہ پڑھنے یا پڑھانے جاتے، جب وہ دروازے پر پہنچتے، تو خان بہادر دور دراز سے کھڑے ہوتے اور جھک جھک کر سلام کرتے۔ شاہ جیؒ نے سلام کا جواب کبھی نہ دیا۔ چپ چاپ اندر چلے جاتے۔ شاہ جی کا انداز تھا، کہ وہ اپنے قاتلوں کو بھی بخش دیتے تھے، ان جیسے عفو و درگزر کے عادی اور ہنستے بولتے شخص کا یہ روّیہ دوستوں کے لئے معمہ تھا۔ خان بہادر نے اس روش کے باوجود سلام کرنا ترک نہ کیا۔ شاہ جی نے بھی قبول کے لئے نہ کبھی ہاتھ ہلائے، نہ زبان اور نہ اس کی طرف آنکھیں ہی اُٹھا کر دیکھا۔

برطانیہ کا دوست میرا دوست نہیں ہوسکتا

ایک دن نیازمندوں میں سے ایک نے سوال کیا۔ ''شاہ جی...... خان بہادر صاحب آپ کو سلام کرتے ہیں، آپ جواب نہیں دیتے، وجہ کیا ہے۔'' فرمایا ''کوئی بات نہیں، کبھی گھر میں ہوں، تو پوچھ لینا، بات آئی گئی ہوگئی...... کچھ دنوں بعد گھر میں تنہا تشریف فرما تھے کسی طرح خان بہادر کا ذکر چھڑ گیا، تو واقعہ بھی یاد آگیا، فرمایا، ''بات کوئی نہیں میں اس شخص کا دوست ہی نہیں ہوسکتا، جسے انگریز دوست رکھتا ہو، یا جو انگریز کو دوست سمجھتا ہے۔ اصرار پر واقعہ بیان کیا، کہ امرتسر کے مارشل لاء میں نیشنل بنک کے فرنگی منیجر کو مشتعل ہجوم میں سے کسی شخص نے چھت سے گرا کر ہلاک کردیا۔ پولیس نے بہتیرا تلاش کیا، لیکن مجرم کا سراغ نہ ملا...... مقتول کی بیوی نے ملزموں کو پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا، حکومت نے انعامی اشتہار نکالا، کہ جو شخص ملزم کا پتہ دے گا، اس کو اتنے ہزار روپے نقد انعام دیا جائے گا۔ ڈپٹی کمشنر نے نجی طور پر بعض ''معززین'' سے یہ بھی کہا، کہ ان کی وفاداری کا امتحان ہے۔

اگر انہوں نے مجرم کے پکڑوانے میں مدد کی، تو موجودہ انعام کے علاوہ خطاب بھی دیا جائے گا، اور آنریری مجسٹریٹی بھی...... مجرم نہ ملا...... ان خان بہادر صاحب نے جو اس وقت تک خان بہادر نہ تھے، اور محض علاقائی تھانیدار کے معاون ہی تھے، اپنے محلے کی ایک غریب الحال بیوہ کے پاس گئے جس کا ایک ہی نوجوان بچہ تھا، اس سے کہا۔ کہ تم اپنے بچہ سے کہو کہ وہ پولیس میں یہ بیان دیدے، کہ میں نے بنک کے منیجر کو کوٹھے سے گرادیا ہے۔

میں تم سے حلفاً وعدہ کرتا ہوں، کہ تمہارے بچہ کو دو ماہ کے اندر اندر رہا کرالوں گا، ورنہ حکومت سختی پر تلی ہوئی ہے۔ تمہارے بچہ کا نام لیا جارہا ہے، پولیس نے پکڑ لیا، تو رہائی ناممکن ہے، وہ جھوٹے گواہ ڈال کر بھی پھانسی پر لٹکوادے گی...... بڑھیا جھانسے میں آ گئی، نوجوان بھی بے پڑھا لکھا اور بیمار و لاغر تھا، فریب میں پھنس گیا۔ ''خان بہادر'' نے قرآن مجید پر حلف اٹھایا، کہ دو ماہ تک ضرور ہی رہا کرادوں گا۔ غرض نوجوان مذکور نے خان بہادر کی مخبری پر اپنے آپ کو پولیس کے حوالہ کردیا۔ پھر جیسا کہ اُسے کہا گیا تھا۔ اُس نے اعتراف بھی کرلیا۔

مقدمہ چلا، چٹ منگنی پٹ بیاہ، موت کی سزا ہوگئی، جو اُسے آخر کار دار کے تختہ پر لے گئی...... بڑھیا نے خان بہادر کا دامن پکڑا۔ خان بہادر اثنائے مقدمہ سے لے کر سزائے موت کے اعلان تک یہی کہتا رہا، کہ فکر نہ کرو، تمہارا بیٹا رہا ہو جائے گا۔ یہ صرف قانون کی کاروائی ہے۔ گورنر صاحب نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے، شور نہ کرو، وہ رہا ہو جائے گا...... ضرور گھر آئے گا، میں لے کر آؤں گا۔ بڑھیا ان طفل تسلیوں پر جیتی رہی۔

آخر کار ایک دن بیٹا پھانسی پا کر گھر آ گیا...... خان بہادر صاحب پھانسی کے دن تک یہی تسلیاں دیتے رہے کہ فکر نہ کرو تمہارا بیٹا ضرور گھر آئے گا۔ اور بیٹا آ گیا۔ بڑھیا نے بیٹے کی لاش دیکھی، تو سر پیٹ لیا۔ چلا اُٹھی۔ ہاہا کار مچ گئی، تب افشائے راز سے بھی کچھ نہ بنتا تھا۔

خان بہادر صاحب انعام و خطاب پا گئے۔ آنریری مجسٹریٹی مل گئی، جائداد بھی ہاتھ آ گئی۔ غرض سرکاری دوائر میں ان کا طوطی بولنے لگا۔ لیکن اس بڑھیا کا بیٹا واپس نہ آیا۔ البتہ ایک دن ماں خود ہی اس کے پاس پہنچ گئی۔

مکافات عمل

قدرت کا غائبانہ ہاتھ مسکراتا رہا، مکافات نے بہت دنوں کا چکر کاٹا۔ ایک نوجوان بیٹا، اوباش کے ہاتھوں قتل ہوگیا، آنریری مجسٹریٹی کو ایک ڈپٹی کمشنر کی ناراضی نے ہضم کرلیا۔ کارخانہ کو آگ لگ گئی، خود ٹانگ ٹوٹی۔ اور تصویر عبرت ہو کر موت کی گود میں چلا گیا۔ شاہ جیؒ نے کہا...... جب یہ شخص میرے سامنے آتا ہے تو اس کے ضمیر میں اسی کانٹے کی چبھن ہوتی ہے۔ خدا کا خوف نہیں، میرے سامنے اس بچے کی تصویر آ جاتی ہے۔ جیسے وہ اس کو گردن مارنے

کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا رہا ہو، اور میں منہ پھیر لیتا ہوں کیونکہ مجھے اُس کی جھریوں میں اس کی ماں کے آنسوؤں کی تہیں جمی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور وہ بال کھولے چلا رہی ہے...... ع

ڈر اس کی دیر گیری سے کہ سخت ہے انقلاب اس کا

یہ واقعہ سنا کر شاہ جی کانپنے لگے، کہ اس دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے ...... اور جب انگریزوں کے لئے غریبوں کے بچے کٹوانے والے ہمیں غدار کہتے ہیں، تو فطرت بھی سرکوبی کے لئے ہاتھ اُٹھا لیتی ہے۔[1]

سال میں 366 تقریریں

زندگی کیا ہے۔ تین چوتھائی ریل میں کٹ گئی۔ اور ایک چوتھائی جیل میں جتنے دنوں باہر رہا۔ لوگ گلے کا ہار بنتے گئے۔ آج کلکتہ کل ڈھاکہ سے لکھنؤ۔ لکھنؤ سے بمبئی۔ بمبئی سے آگرہ، آگرہ سے دہلی، پھر لاہور، لاہور سے پشاور، پشاور سے کراچی۔ ہر کہیں گھوما پھرا ہوں۔ سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں تین سو چھیاسٹھ تقریریں کی ہوں گی۔ دن کہیں رات کہیں۔ صبح کہیں، شام کہیں۔ یہ الفاظ حضرت شاہ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے۔

زندگی کیا ہے۔ ایک حرکت، مسلسل حرکت۔ ایک ایسی قوت جو دوسرے وجود کو بھی متحرک کر سکے۔ اس معیار کے مطابق اگر شاہ جی کے متعلق نقادانہ خامہ فرسائی کی جائے تو کیا نظر آئے گا؟ ایک ایسا وجود جو نہ صرف خود متحرک رہا۔ بلکہ اپنی حیات مستعار میں کروڑوں انسانوں کو متحرک بنا گیا۔ سینکڑوں ایسے چراغ روشن کئے جو دوسروں کو حیات بخش روشنی سے منور کرتے رہے۔ شاہ جی کی آواز کہاں نہیں پہنچی؟ خیبر سے لے کر راس کماری تک کے میدان اس بات کے شاہد ہیں۔ آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے سقراط نے یونان میں بھی اپنی حیثیت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور عدالت کے سوال کے جواب میں کہ وہ کون ہے؟ اور کیا چاہتا ہے؟ کہا تھا یونان ایک مضبوط مگر کاہل گھوڑے کی طرح ہے۔ اور میں ایک بھڑ مکھی کی طرح ہوں جسے دیوتا نے اس گھوڑے کو جگائے رکھنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اہل یونان اس بھڑ

1۔ چٹان لاہور سالنامہ 1962ء ص 20

مکھی سے ناراض تھے۔ جس طرح نیند کے متوالے جگانے والوں سے خفا ہوتے ہیں۔ یہ ان کا خیال تھا۔ کہ وہ اُسے ایک ہی وار میں ختم کر دیں گے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے آرام سے سوتے رہیں گے۔ لیکن تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ مجھے زندہ رہنے دو۔ تمہارے لئے یہ ممکن نہیں کہ میری طرح کا کوئی اور آدمی تلاش کر لو۔

کیا شاہ جیؒ کی زندگی سقراط ہی کے ان الفاظ کی صدائے بازگشت نہیں۔ انہوں نے اپنے عوام کو پوری قوت سے جھنجھوڑ کر جگانا چاہا۔ مگر نیند کا متوالا مسلمان ان کے الفاظ اور اندازِ خطابت ہی کی داد دے کر رہ گیا۔ مولانا آزادؒ نے ایک دفعہ فرمایا تھا۔ کہ میں عمر بھر بت کدوں میں آذانیں دے دے کر تھک گیا ہوں۔ قوم نے شاہ جیؒ سے بھی یہی سلوک کیا۔ سقراط کو تو زہر پلا کر ایک ہی دفعہ ختم کر دیا گیا تھا۔ مگر شاہ جی کو قوم نے گھلا گھلا کر مارا۔ قید و بند کی صعوبتیں شاہ جی کو اپنے ازلی ابدی دشمن انگریز کے دور میں ہی صرف برداشت نہیں کرنی پڑیں۔ بلکہ وہ اپنوں کے کرم کے بھی کشتۂ ناز تھے۔

❁ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

زندگی کے دو مقصد

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ راہِ حق میں ایثار و فدویت کا وہ ایک نادر پیکر تھے۔ ان کی ہوشمندانہ زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد فی سبیل اللہ میں بسر ہوا۔ میرے علم کے مطابق ان کی زندگی کے دو اہم مقصد تھے۔ اوّل یہ کہ ان کا وطن اجنبی تسلط کی ہر آلائش سے بالکل پاک ہو جاتا اور سامراج کا وجود مٹ جاتا۔ وہ سامراج کے دشمن تھے مگر برطانوی سامراج کی مخالفت خصوصیت سے ان کی زندگی کا نصب العین ہی رہی۔ کیونکہ برطانیہ ہی پاک و ہند پر قابض تھا اور برطانیہ ہی کے قبضے میں اسلامی دنیا کے وسیع ترین اور بہترین خطے تھے۔

دوسرا اہم مقصد یہ تھا کہ مسلمان دنیا میں بالعموم اور پاک و ہند میں بالخصوص آزاد تر اور خوددار تر اور خوشحالی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں اور عقیدہ و عمل کے لحاظ سے سچے مسلمان بن جائیں تفصیلات پر گفتگو کرتے ہوئے آپ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں معاملے میں ان

کی رائے صحیح نہ تھی ۔ اور فلاں معاملے میں ان سے اندازے میں غلطی ہوگئی ۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ جن مقصدوں کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کئے رکھی ۔ ان کے لئے سعی و کوشش جہاد ، ایثار یا فدا کاری میں کبھی تامل کیا یا کبھی یہ سوچا کہ قدم آگے بڑھایا تو انہیں قید و بند سے سابقہ پڑے گا اور اہل و عیال کے گزارے کی کوئی صورت نہ رہے گی ۔ ان مقصدوں کے لئے لڑنا ان کے نزدیک اسلامی زندگی کا ایک گراں بہا فرض تھا اور فرض اس لئے ہوتا ہے کہ اسے بے چون و چرا خوش دلی سے ادا کیا جائے ۔ اس لئے نہیں ہوتا کہ اسے پورا کرنے کے لئے قدم اٹھانے سے پیشتر ذاتی ، رنج و راحت کا موازنہ کرلیا جائے ۔

شرف اوّلیت

چنانچہ اسلامیت و آزادی کے ہر معاملے میں انہوں نے اوّلیت و سبقت کا شرف برابر قائم رکھا ۔ ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے فرائض کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھا اور اس مستعدی و جان فروشی سے انہیں پورا کیا ؟ میں اطمینان سے بیٹھا ہوا یہ داستان سرائی کررہا ہوں اور داستان سرائی سے حقیقی حالات کا اندازہ مشکل ہے ۔ اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ ہر شخص اپنے کسی محبوب و مرغوب مقصد کے لئے اپنے اوپر ویسی ہی حالت طاری کرے پھر اسے معلوم ہوگا کہ بلند مقاصد کے دیوانوں کی زندگی کیوں کر گزرتی ہے ۔ پھر یہ معاملہ دو چار دن ، دو چار مہینے یا دو چار برس کا نہ تھا ۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا عنفوان شباب تھا ۔ جب انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا اور وہ اسی میدان میں میرے سامنے بوڑھے ہوگئے ۔

بے نفسی اور بلند ہمتی

پھر آپ نے دیکھا کہ جس عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے راہِ حق کے لئے قربانیوں میں کبھی ایک لمحے کے لئے توقف نہ کیا ، وہ اپنی ذات یا اہل و عیال کے لئے کبھی کسی اجر یا معاوضے کا طلب گار نہ ہوا ؟ یہاں تک کہ زندگی کے بالکل آخری اوقات میں بھی وہ چپ چاپ کرائے کے ایک کچے مکان میں مقیم ہوگئے کبھی کوشش نہ کی کہ اسے کوئی درمیانے درجے کا مکان ہی الاٹ ہو جائے ، حالانکہ اس کے گرد و پیش تیرہ سال تک الاٹ منٹوں کا ایک ہنگامہ عظیم برپا رہا وہ غیر

معروف فرد نہ تھا۔ ہزاروں آدمیوں کے دل فرطِ عقیدت سے اس کے لئے برابر تڑپتے رہے ارباب حل وعقد میں بھی اس کے شناشاؤں اور عقیدت مندوں کی کمی نہ تھی ،مگر اس نے اپنے لئے زندگی کا جو سانچہ تجویز کر لیا تھا اس میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ تھی ۔اہل حق اپنی ہر متاع اہلِ علم کی فلاح و بہبود کے لئے لٹاتے رہتے ہیں کبھی کوئی چیز لینے کے روادار نہیں ہوتے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے لئے عزیز ترین متاع اس کی درویشی تھی ۔ وہ اس مقام پر وہ اس طرح صابر اور مطمئن رہا کہ ارباب اقتدار کو اپنی بلند پایہ مسندوں پر بھی بیٹھ کر شاید اس قدر نصیب ہوا ہو۔اس مقام کے باب میں عرض کیا گیا ہے۔

اگر دولت این بود کہ بہ درویش مے دہند
باید گریستن جم و کے رابہ تخت خریش

میری زبان اس دعوت پر آمادہ نہیں ہو سکتی یہ ضرور کہتا ہوں اور جب تک زندہ رہوں گا کہتا جاؤں گا کہ دوسری نادر شخصیتوں کی طرح اس نادر شخصیت سے بھی خدمتِ اسلام ، خدمتِ ملت خدمتِ ملک اور خدمتِ خلق کے طور طریقے سیکھے پہلے ایسے مبارک وجود اتنے کمیاب نہ تھے جتنے آج ہیں ۔ یہ آئینے ہوتے ہیں جنہیں قدرت اس لئے بھیجتی ہے کہ لوگ انہیں سامنے رکھ کر اپنے خدوخال درست کر لیں ۔قومیں ایسی ہی شخصیتوں کے بل پر ترقی کرتی ہیں ۔عزت مندانہ زندگی کے لئے جس قوم کے افراد کی اکثریت یا خاصی بڑی تعداد اغراض کی گرم بازاری کا ایندھن بن جائے اس کے لئے قدم آگے بڑھانے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ اس کی متاع سمت وعمل تو اغراض کے شعلہ زار کی نذر ہو جائے گی ۔ جن باتوں کو ہم اب اپنے نزدیک اہم سمجھتے ہیں اور معیار وقعت بنائے بیٹھے ہیں ۔انہیں تو اسلام کے حقیقی معنوں سے کوئی بھی مناسبت نہیں ۔ممکن ہے میری گزارشیں آپ کو تلخ و ناخوشگوار معلوم ہوں مگر

من آنچہ شرط بلاغ ست با تو مے گریم
تو خواہ از سخنم پند گیر، خواہ ملال [1]

---

1 ہفت روزہ چٹان لاہور ص 105

فتوحاتِ بخاری

⊙ ...... خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ فرماتے ہیں:

مرزا غلام احمد قادیانی علماء حق اور مجاہدین اسلام کی فہرستیں بنا بنا کر حکومت برطانیہ کی سیاسی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ جو انگریزی عہد کو دارالحرب کہتے تھے۔ اس دور میں ایک اور مجدد صاحب "اعلام الاعلام بان ھندوستان دارالاسلام" لکھ کر خوشنودی فرنگ حاصل کر رہے تھے۔ اور پستی فطرت کا یہ حال تھا کہ انگریز کو سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے کہاں تک لکھا جاتا تھا۔

اے در بقائے عمرِ تو خیرے جہانیاں
باقی مباد ہر کہ نخواہد بقائے تو

اسی دور میں سیف اللہ الباری سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ الباری میدان میں آئے۔ اور لنڈی کوتل سے راس کماری تک متحدہ ہندوستان کے قریہ قریہ بستی بستی میں قرآن کریم کا یہ واضح فرمان علی الاعلان ملک کے ہر باشندے تک پہنچایا۔

یاایھا الذین آمنوا لاتتخذ والیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض . ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لایھدی القوم الظالمین .

جس کے نتیجہ میں ہزار ہا نوجوانوں نے قید و بند کو لبیک کہا۔ سینکڑوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اور مسلمان قوم باقی اقوام میں شجاعت و شہادت کے میدان میں سرخرو ہو کے بازی لے گئی۔ اور تاریخ کے صفحات پر ان مجاہدین کے لازوال نقوش ثبت ہیں۔

حضرت امیر شریعتؒ کی وہ تمام مقدس مساعی جو انہوں نے ہزار ہا مدارس دینیہ کی سرپرستی، رسومات قبیحہ کے انسداد، اطاعت دین۔ حفاظت دین اور اشاعت دین کی راہ میں

سرانجام دی ہیں۔ فراموش بھی کر دی جائیں تو ان کی زندگی کا یہی ایک کارنامہ ان کی دنیا و آخرت سنوارنے کے لئے کافی ہے۔ انگریز معہ اپنی خود ساختہ نبوتوں، ولایتوں کے شکست کھا گیا۔ اور نتیجتاً آج دنیا کے سامنے ہے۔ یہ ہے وہ فتح مبین جس پر ہر صحیح العقیدہ مسلمان جتنا فخر کرے کم ہے۔

امیر شریعتؒ کی دوسری فتح

مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپنے باپ کی خلافت حاصل کرتے ہی اپنے باپ کے عقائد و عزائم کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے اعلان کیا کہ قادیانی فرقہ ایک علیحدہ اُمت ہے اور واشگاف الفاظ میں کہا کہ:

''حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ ان کا اسلام اور ہے ہمارا اور ُان کا خدا اور ہے، ہمارا خدا اور ُہمارا حج اور ہے ان کا حج اور۔ اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے۔'' (منقول از اخبار الفضل قادیان نمبر ۱۵ جلد ۵)

مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی تصنیف انوار خلافت ص ۹۰ میں واضح الفاظ میں لکھا:

''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں، اوران کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں۔ کہ کچھ کر سکے۔''

اس قسم کے سینکڑوں حوالہ جات ہیں جس میں مرزا محمود نے پوری ملت اسلامیہ کو کافر کہا ان کے بھائی مرزا بشیر احمد ایم۔ اے جو ان کے قمر الانبیاء تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیف ''کلمۃ الفصل'' میں لکھا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی دوسرا دنیوی، دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ تعلقات عبادت کا اکٹھا ہونا ہے۔ اور دنیوی تعلقات کا بھاری ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لئے حرام قرار دیئے گئے۔ اگر کہو کہ ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے۔ (کلمۃ الفصل ص ۱۶۹)

ان لوگوں کا جذبہ تکفیر یہاں تک ترقی کر گیا کہ مرزا محمود نے ایک کتابچہ لکھا جس کا نام ہے۔ مسلمان وہی ہے جو خدا کے سب ماموروں کو مانے اس کے دیباچہ میں مرزا محمود لکھتے ہیں کہ:

"جب تبت اور سوئٹزر لینڈ کے باشندہ رسول اللہ کے نہ ماننے پر کافر ہیں۔ تو ہندوستان کا باشندہ مسیح موعود کو نہ ماننے سے کیوں کر مومن ٹھہر سکتے ہیں۔ غرضیکہ یہ خیال بالکل بیہودہ اور عقل سے بعید تھا۔ اس لئے اس کی تردید لازم نظر آئی۔ تاکہ احمدی بھائی دھوکہ نہ کھائیں۔ کیونکہ غیر احمدی اس وقت پورے زور سے ہم کو اندر ملانا چاہتے ہیں۔ اور جب حضرت کی مخالفت کے باوجود تو پھر آپ کی بعثت کا فائدہ ہی کیا ہوا۔"

منقول از تشحیذ الاذہان بابت ماہ اپریل ۱۹۱۱ء

غرض مرزا بشیر الدین محمود تکفیر میں یہاں تک بڑھے کہ جن لوگوں نے مرزا کا نام نہیں سنا ان کو بھی کافر کہا۔ معصوم بچوں کو بھی کافر کہا۔ لیکن حضرت امیر شریعتؒ کی مقدس مساعی بروئے کار آئیں۔ اور ہر وہ باغیرت مسلمان جو ان کے عقائد و عزائم سے واقف ہوا تو تحریک تحفظ ختم نبوت کی برکت اور ضرباتِ بخاریؒ کی تاب نہ لا کر وہی مرزا بشیر الدین محمود جو علیحدہ صوبے علیحدہ حکومت غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں ملتِ اسلامیہ سے علیحدگی کا داعی تھا۔ تحقیقاتی عدالت میں اپنے ان تمام بنیادی عقائد سے منحرف ہو گیا۔ اور یہاں تک تسلیم کیا کہ مرزائیوں کے مسلمانوں سے اختلافات بنیادی نہیں ہیں۔ اور اس کا بھی اقرار کیا کہ جو شخص نیک نیتی کے ساتھ نہیں مانتا وہ پھر بھی مسلمان رہتا ہے۔ یہ حضرت امیر شریعتؒ کی وہ عظیم الشان فتح ہے۔ کہ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی تمام تصانیف پر خط تنسیخ کھینچ کے اپنے خود ساختہ معتقدات کی تغلیط کر دی۔ رب العزت اس گروہ کے تمام فریب خوردگان کو راہِ ہدایت دکھائے۔ (آمین)

اگر ملت اسلامیہ اس گروہ کے حقیقی عقائد و عزائم سے واقف ہو کر ان کا انسداد کرے تو اندرون ملک اور بیرون ملک اس فتنہ کا انسداد ہو سکتا ہے۔

"لولاک" لائل پور ۲۸ راگست ۱۹۶۴ء

جناب مولانا ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش تھے

جب ہم پہنچے تو جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ برآمدہ میں بیٹھے چاول تناول فرما رہے تھے۔ چہرہ پر وہی سرخی، وہی تبسم، وہی ہنس ہنس کر باتیں کرنا اور نہایت خوش اور بشاش تھے۔ میں نے آپ کی خدمت میں پیغام مبارک پیش کیا۔ آپ نے فرمایا "الحمدللہ کہ آج عطاء اللہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ پیغام مبارک باد پہنچا" اور اپنے مخصوص انداز میں فرمانے لگے کہ "اس جادۂ عمل پر چلنے کے لئے بفضل خدا کئی احباب کو تیار کیا اور کئی بزرگ مجھ سے کوئے سبقت لے گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اعلاء کلمۃ الحق کرتا ہوا مسجد میں وعظ کرنے کے جرم میں ماخوذ کیا گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ جس شخص کو گرفتار کیا جاتا ہے اسے سزا ضرور دی جاتی ہے میں اس کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہوں"۔ [1]

میں خوش ہوں مجھے آرام مل گیا

"بھائی تمہیں معلوم ہے کہ سال دو سال سے متواتر مسلسل کام کرتا پھرتا تھا مجھے چین نہیں آتا تھا اور یہ اضطراب اور یہ تڑپ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو عطا فرمائے۔ مجھے مطالعہ کی فرصت نہ تھی اور اب مجھے مطالعہ کے لئے موقعہ مل سکے گا۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید میں سے فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جس قدر آیات پاک مل سکیں، مطالعہ کرنا شروع کر دی ہیں۔ انشاء اللہ جب جیل خانہ سے باہر آؤں گا تو ان آیات پاک کے مطالب و

---

1. "مقدمات امیر شریعت" ص 12، 13

معارف بتا سکوں گا۔ اس وقت میرا وزن ایک من پینتیس سیر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس طرح پھولتا ہوں"۔

خودکشی کا ارادہ

چیف جسٹس: کیا تم نے درخواست میں کہا تھا کہ میں جھوٹی شہادت دینا نہیں چاہتا؟ گواہ: اگر میں لکھتا تو نہ معلوم مجھے کیا دھکے کھانے پڑتے اور نہ معلوم پولیس مجھ سے کیا سلوک کرتی۔

اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے ایک سوال دریافت کرنا چاہا جس پر لدھارام نے کہا کہ میری ایک اور درخواست بھی ہے۔ میں تہیہ کئے ہوئے تھا کہ شہادت دینے کے بعد خودکشی کرلوں گا۔ اس کے لئے میں نے سنکھیا خریدا۔ آپ بے شک اس دکان سے دریافت کر سکتے ہیں۔ میرے والد، میری والدہ اور گھر کے تمام آدمیوں کو اس کا علم ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میرے دل میں کیا تھا؟[1]

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ مائیں مرگئیں جو نبی جنا کرتی تھیں۔ اب وہ سانچے ہی ٹوٹ گئے۔ اب قیامت تک کوئی نبی (بن کر) نہیں آئے گا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ کیا ہے "نبیوں پر مہر" قادیانیوں نے ترجمہ کیا ہے نبیوں پر مہر لگائی اور نبی بنا دیا۔ یہاں شہر اور گاؤں کے لوگ بیٹھے ہیں۔ آپ لوگ کبھی ڈاک خانہ میں گئے ہوں گے۔ وہاں سب چٹھیاں اکٹھی کی جاتی ہیں، سب پر مہر لگتی ہے۔ اس کے بعد ان سب کو ایک تھیلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر ایک شمع جلائی جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک سرکاری مہر لگائی جاتی ہے اور لاکھ کو پگھلا کر تھیلے کو بند کر

---

1 "مقدمات امیر شریعت" ص 204

کے اس پر وہ مہر لگائی جاتی ہے۔ اس مہر کو راستہ میں کوئی نہیں توڑ سکتا۔ جو توڑے گا، اس پر ڈاک خانہ کے قوانین کی دفعہ 52 پوسٹ آفس لگے گی۔

اب اس بات کو سمجھو کہ تمام انبیاء کو نبوتیں آنحضرت ﷺ کے طفیل ملی ہیں۔ گویا کہ سب نبوتیں رحمت عالم میں جمع کر دی گئی ہیں اور جمع کر کے مہر لگا دی گئی ہے۔ اب ترجمہ کرو شاہ صاحبؒ کا کہ نبیوں پر مہر۔"

توہینِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کفر ہے

نبی کریم ﷺ کی توہین کفر ہے۔ بعض لوگ ہم پر بھی معاذ اللہ توہین کا الزام لگا دیتے ہیں۔ ارے، ہم تو انتظار میں ہیں کہ کب وقت آئے کہ ہم اپنی چمڑی کو آپ ﷺ کے صدقہ کریں۔

جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی بن سکتا ہے، بنا ہے یا وہ خود ہے تو کیا آپ لوگ اس کے دعویٰ کے دلائل دریافت کریں گے؟

ارے اگر کوئی آپ سے کہے کہ میں آپ کا باپ ہوں تو اس سے دلائل پوچھو گے؟ ہرگز نہیں اس کا علاج دلائل سے نہیں ہوتا۔ اگر اس کا علاج دلائل سے نہیں ہوتا تو پھر نئی نبوت کے لئے دلائل کیسے دریافت کرتے ہو؟ جس نسل میں نبی ہوا کرتے تھے، وہ نسل ختم ہوگئی۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○

(سورہ آل عمران)

لوگ کہتے ہیں کہ نبوت ختم ہوگئی لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ نسل ہی ختم ہوگئی۔ جس سے نبی بنا کرتے تھے۔ بننے سے نبی نہیں بنتا بلکہ خدا بناتا ہے۔ پیغمبر جب بھی آیا، ان پڑھ امی آیا۔ کسی پیغمبر کا کوئی استاد نہیں، کسی پیغمبر کی کوئی تصنیف نہیں۔ پیغمبر کتابیں لکھ کر کتب فروشی کے لئے نہیں آیا کرتے۔ اگر کسی استاد سے پڑھتے ہو تو یہ بھی لازماً ہوا کہ شاگرد کا کسی دن سبق یاد نہ ہوتا اور استاد انہیں مرغا بنا دیتا۔ یہ چیز نبی کی شان کے خلاف ہے۔

پھر وہ ہی کل کو اٹھ کر کہتا ماسٹر جی مجھے نبوت مل گئی مجھ پر ایمان لے آؤ۔ ماسٹر جی کہتے کہ میں نے تجھے کان سے پکڑ لاتیں ماری تھیں تو تیرا ماتھا لوٹے کی ٹونٹی پر جا لگا تھا اور

ابھی تک اس زخم کا داغ باقی ہے۔ فرمایئے اب نبی صاحب کیا جواب دیں گے؟

نبی کا استاد خدا ہوتا ہے۔ وہ مخلوق کے آگے نہیں، خدا کے آگے جھکا کرتا ہے۔ یہ بات پلے باندھ لو کہ نبی خدا کا شاگرد ہوتا ہے۔ کوئی نبی دنیا میں نہیں پڑھا کرتا۔ "وَعَلَّمَ آدَمَ الاَسمَاءَ کُلَّهَا " علم کے معنی دانستن کے، جاننے کے ہیں۔

مسئلہ ختم نبوت سمجھئے!

مسلمانو! ختم نبوت کے عقیدہ کو یوں سمجھو جیسے یہ ایک مرکز دائرہ ہے جس کے چاروں طرف توحید، رسالت، قیامت، ملائکہ کا وجود، صحف سماوی کی صداقت، قرآن کریم کی حقانیت و ابدیت، عالم قبر و برزخ، یوم النشور، یوم الحساب گردش کرتے ہیں۔ اگر یہ اپنی جگہ سے ہل جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ دین نہیں بچے گا، بات سمجھ آئی؟ مزید سمجھئے، جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں، اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی حضور رسالت پناہ ﷺ کے وجود مسعود پر ختم ہو جاتا ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت وہ مہر درخشاں ہے جس کے طلوع کے بعد اب کسی روشنی کی مطلق ضرورت نہیں رہی۔ سب روشنیاں اسی نور اعظم ﷺ میں مدغم ہوگئی ہیں۔ جبھی تو مخبر صادق ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر آج بھی موسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں ہوتے تو انہیں بھی بجز میری اتباع کے چارہ کار نہ ہوتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آخر زمانہ میں تشریف لائیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ابوبکر و عمر (رضی عنہما) کی طرح امتی اور خلیفہ کی حیثیت سے۔

حضرت کشمیریؒ کی شاباش

قادیانیت کے سلسلہ میں شاہ جی نے جتنا کام کیا، سب ابا جی کے اشارہ وارشاد پر۔ شاہ جی کی تقریریں پسند کی جاتیں تو ابا جی کا سیروں خون بڑھتا، وہ تردید قادیانیت کے لئے لمبے لمبے دورے کرتے تو ابا جی کی نگاہ ان کے ہر قدم پر رہتی۔ ڈابھیل میں مسجد مدرسہ میں ان کا معمول تھا کہ جمعہ کو تقریر فرمایا کرتے۔ ایسی تقریر جس میں صرف مغز ہوتا تھا۔ الفاظ بالکل

نہیں، نہ کوئی ابتدا ہوتی تھی اور نہ انتہا۔ تقریر ختم کر چکے۔ مجمع اٹھ گیا۔ خود منبر سے اتر آئے مگر کوئی بات پھر ذہن میں آ گئی تو دوبارہ پھر منبر پر جا بیٹھے اور تقریر شروع فرما دی۔ ایک دن خطبہ مسنونہ کے بعد صرف یہی مضمون بیان ہوا کہ پنجاب میں ایک صاحب ہمیں مل گئے ہیں، صاحب توفیق، صاحب صلاحیت، صاحب سواد۔ خوب کام کرتے ہیں، مولویوں کی طرح نہ خواہش زر میں مبتلا ہیں اور نہ خواہش شہرت میں۔ بس بے چارے محض اللہ کے لئے کام کئے جاتے ہیں۔ ہم نے قادیانیت کے متعلق انہیں توجہ دلائی کہ یہ فتنہ عظیم صحیح اسلام کو جڑ سمیت اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کر بیٹھا ہے، آپ کیوں نہ اس فتنہ کے خلاف کچھ کام کر گزریں۔ آپ کا وہ کام دین میں آپ کے لئے نفع رساں ہوگا اور دنیا میں اس سے اہل دین کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ کہہ کر پھر شاہ جی کا نام لیا۔ فرمایا کہ بڑوں بڑوں سے جو کام نہ ہوا، وہ اس غریب نے کر دکھایا (طلبہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) آپ تو مدرسہ کی روٹیاں کھا کر ہر وقت بحث مباحثہ میں لگے رہتے ہیں، دین کی کوئی محبت آپ حضرات کے دل میں نہیں۔ عطاء اللہ شاہ بخاری اگر یہاں آ گئے تو آپ ان سے ملئے، وہ عجیب آدمی ہیں۔[1]

حضرت سید عطاء اللہ شاہؒ بخاری کے لئے دُعا

حضرت خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نے بیان فرمایا کہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ راولپنڈی جیل میں اسیر تھے۔ وہاں مولانا ظہور احمد بگوی بھیروی نے ان سے ملاقات کی۔ شاہ جیؒ نے مولانا کے ہاتھ اعلیٰ حضرت (مولانا احمد خاں بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں) کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ زندہ ہوں اور میں جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بند رہوں، یہ بات مناسب نظر نہیں آتی۔ مقصود رہائی کے لئے درخواست کی دُعا تھی۔ حضرت سجادہ نشین نے فرمایا کہ میں ان ایام میں بھیرہ میں درسیات عربیہ کا طالب تھا۔ مولانا موصوف نے یہ پیغام مجھے پہنچایا۔ میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہ جی کا پیغام دیا۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا اگر علالت طبعی حائل نہ ہوتی تو میں شاہ جیؒ کو ایک دن بھی جیل میں نہ

1۔ یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ ص 66، 67 از مولانا از ہر شاہ قیصر

رہنے دیتا۔ اس کے بعد لدھا رام والے مشہور کیس کی سماعت شروع ہوئی۔ یہ اعلیٰ حضرت کی توجہ اور دعا کی تاثیر تھی کہ شاہ صاحب نے اس اسیری اور بھیانک سازشوں پر مبنی مقدمہ سے نجات پائی۔[1]

شاہ جیؒ انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں

ایک دفعہ لاہور انجمن حمایت اسلام کی سہ روزہ کانفرنس کے آخری اجلاس میں شاہ صاحبؒ کی تقریر تھی اور میاں ممتاز دولتانہ کی صدارت تھی۔ شاہ جیؒ نے ملتان سے تشریف لانا تھا۔ کسی وجہ سے وقت مقررہ سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دیر سے پہنچے، مجمع بے تابی سے منتظر تھا۔ بار بار پوچھتے شاہ صاحب ابھی تک کیوں نہیں پہنچے۔ اس لئے اسٹیج سیکرٹری خلیفہ شجاع الدین کو ہر دس منٹ کے بعد اعلان کرنا پڑتا کہ شاہ صاحب ضرور تشریف لائیں گے۔ آپ اطمینان سے بیٹھیں۔ لیجئے اطلاع پہنچی ہے کہ شاہ صاحب دفتر پہنچ گئے ہیں، اب عنقریب تشریف لے آئیں گے۔

آخر یہ اعلان کیا کہ شاہ صاحب دفتر سے جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ بس اب پہنچے کہ پہنچے۔ میاں دولتانہ اگرچہ صدارت کے لئے کب کے آ چکے تھے مگر سوائے منتظمین کے عوام میں سے کسی کو خبر نہ تھی مگر جب شاہ جی کا پتہ چلا کہ دہلی دروازہ دفتر سے روانہ ہو چکے ہیں تو تمام پبلک سڑک پر استقبال کے لئے پہنچ گئی۔ شاہ جی اسٹیج پر پہنچے تو جلسہ والوں کی جان میں جان آئی اور انہیں علم ہو گیا کہ دنیا دار کتنی شان و شوکت رکھتا ہو مگر جو عزت و احترام اللہ والوں کا ہے، وہ انہیں کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ اتنے میں ایک شخص نے اشتہار جو مرزائیوں کی طرف سے تقسیم ہوا تھا، اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ انجمن حمایت اسلام ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ اس کی کانفرنس میں بخاریؒ جیسے سیاسی اور ''خصوصی مذہبی'' لیڈر کو تقریر کے لئے کیوں بلایا گیا ہے؟

شاہ جیؒ نے جب یہ اشتہار پڑھا تو خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا سب سے پہلے مجھے مرزائیوں کے اس اشتہار کا جواب دینا ہے، پھر اشتہار پڑھ کر سنایا۔ فرمایا جلسہ انجمن حمایت

1۔ نقیب ختم نبوت ص 355 تا ص 356

اسلام کا جس کے نام سے ہی حمایت اسلام ظاہر ہے، تقریر بخاری کی، صدر میاں ممتاز دولتانہ، اسٹیج سیکرٹری خلیفہ شجاع الدین۔ میں پوچھتا ہوں آپ کو کیوں تکلیف ہوئی۔ بلانے والوں نے بلایا، آنے والا آ گیا۔ آپ کے پیٹ میں مروڑ کیوں اٹھا۔ انجمن حمایت اسلام مسلمانوں کی جماعت ہے۔ خلیفہ شجاع الدین صاحب سے مخاطب ہو کر، کیوں خلیفہ صاحب انجمن حمایت اسلام میں کوئی مرزائی بھی ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ پھر فرمایا تو پھر آخر انہیں کیوں تکلیف ہوئی، ان کی تسلی یوں نہیں ہو گی۔ پھر خلیفہ صاحب کو بلایا اور مائیک پر کھڑا کر دیا۔ فرمایا آپ اعلان کر دیں کہ ہمارے نزدیک مرزا غلام احمد کافر اور مرتد ہے اور اس کو ماننے والے بھی کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ خلیفہ صاحب نے من وعن اعلان کر دیا۔ پھر شاہ جی نے فرمایا کہو مرزائیو اب تسلی تو ہو گئی ہو گی۔ جلسہ انجمن حمایت اسلام کے صدر اور جلسہ کے اسٹیج سیکرٹری خلیفہ شجاع الدین نے جو اعلان کر دیا ہے، اس کے بعد بھی کوئی کسر باقی ہے۔ اس معاملہ میں کوئی بھی مسلمان مجھ سے جدا نہیں۔ پھر اصل تقریر شروع فرمائی۔[1]

میں تیار ہوں

ایک دفعہ تقریر میں فرمایا قادیان کانفرنس کے خطبہ پر دفعہ نمبر ۱۵۳ کے تحت مجھ پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ اس کی سزا زیادہ سے زیادہ صرف دو سال قید ہے۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کا خادم ہوں۔ اس جرم میں یہ سزا بہت کم ہے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے ناموس پر ہزار جان سے قربان ہونے کو تیار ہوں۔ مجھے شیروں اور چیتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا جائے اور پھر کہا جائے کہ تجھے بجرم عشق مصطفیٰ یہ تکلیفیں دی جا رہی ہیں تو میں خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول کروں گا۔ میرا آٹھ سالہ بچہ عطاء المنعم اور اس جیسے خدا کی قسم ہزار بچے رسول اللہ ﷺ کی کفش پر نچھاور کر دوں۔ (مختصر سوانح از خان کابلی)

اس پیکر علم وعمل کو جانتے ہو......؟

وہی جس کے ہاتھ پر حجت الاسلام علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے سب

1۔ بخاری کی باتیں ص 62 تا ص 64 سید امین گیلانی

سے اوّل بیعت کی۔

☆ وہی جس کے ہاتھ میں پانچ سو علماء نے مجمع عام میں ہاتھ دے دیئے۔

☆ وہی جو چالیس برس کی عمر میں پانچ دفعہ حکومت کے عتاب کا شکار ہو چکا ہے۔

☆ وہی جو برسوں جیل کی کالی کوٹھریوں میں زندگی کی بہاریں لٹا چکا ہے۔

☆ ہندوستان کی چالیس کروڑ کی آبادی میں۔

☆ جس کی ٹکر کا ایک آدمی نہیں۔

☆ اس جیسا خوش بیاں نہیں۔

☆ اس جیسا جادو بیاں نہیں۔

☆ جس کے ایک ایک لفظ پر ہر مجمع ہزاروں آدمی آمادۂ عمل ہو جاتے ہیں۔

☆ یہ ہیں امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔

ڈم ڈم جیل کا ایک واقعہ

شاہ صاحب نے فرمایا حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر خیر سے مجھے ڈم ڈم جیل کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ 1930ء کے ایام اسیری میں ایک شب میں سورہ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا۔ چودھویں چاند کی چاندنی، رات کا سناٹا، فضا خاموش، بارش اور ژالہ باری کے بعد شدید سرد موسم اور ماحول دم بخود!

اپنی خاص کیفیت اور وجد میں تلاوت کرتے کچھ وقت گزر گیا کہ اتنے میں باہر سے ہچکیوں کے ساتھ رونے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔ میں نے سلسلہ تلاوت ختم کر کے باہر دیکھا تو دروازے کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ جیل پنڈت رام جی لال کھڑے تھے، انہوں نے مجھے دیکھتے ہی رندھی ہوئی آواز گلوگیر لہجے میں کہا:۔

''شاہ جی خدا کے لئے بس کردو! میرا دل بے قابو ہو رہا ہے، اب تو مجھ میں رونے کی سکت نہیں رہی''۔

شاہ صاحب نے فرمایا بھائی ٹھیک سے قرآن پڑھا جائے تو آج بھی اس کے اعجاز

دکھائی دیتے ہیں...... پھر آپ نے سکھر جیل کا تذکرہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا میری تو خیر کوئی بات نہیں۔ میں سرد گرم چشیدہ ہوں، پوری زندگی جیل اور ریل کی نذر ہوگئی۔ مجھے تو سب سے زیادہ فکر ان بڑے میاں (مولانا ابوالحسنات کی ہے، یہ بے چارے! اس وادی پرخار میں پہلی مرتبہ قدم رنجاں ہوئے ہیں۔ مجھے ان کی تکالیف کا بے حد احساس تھا...... مگر...... ماشاء اللہ! انہیں میں نے اپنے سب ساتھیوں میں سے صابر و شاکر پایا ہے......!

راقم الحروف نے استفہاماً عرض کیا شاہ جی! کیا ہمارے ساتھ اس افسوسناک سلوک کا محرک کہیں (مرزائی) انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات کا انتقامی جذبہ تو نہیں ہے؟ کیونکہ آپ پر ظلم وستم کا سلوک ہوا ہے! اس پر شاہ جی نے ایک بار میری جانب دیکھا...... اور پھر خاموش ہوگئے۔[1]

ایام اسیری میں کس سے متاثر ہوا؟

ایک دن میں نے شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کی زندگی ریل اور جیل کی نذر ہوگئی۔ جس طرح آپ علمی، ادبی، ملی اور سیاسی شخصیات سے متاثر ہوئے ہیں اور ان کا اچھے الفاظ میں تذکرہ بھی فرمایا کرتے ہیں اسی طرح جیل کی زندگی میں آپ کو سب سے زیادہ کس نے متاثر کیا ہے......؟

میرا یہ سوال سن کر پہلے تو حسب معمول ٹال گئے۔ پھر جب میں نے اپنی معروضات کے جواب پر ذرا اصرار کیا تو فرمانے لگے......!

کیا پوچھتے ہو بھائی......! میں تو ایک گنہگار انسان ہوں اور گنہگار گنہگار ہی سے متاثر ہوسکتا ہے۔ قید و بند کے دوران سیاسی قیدیوں کے دوش بدوش اخلاقی جرائم، چوری اور ڈکیتی میں ملوث قیدیوں سے بھی ملاقات ہوتی رہتی۔ میں نے انہیں دیکھا کہ ایام اسیری گزارنے کے بعد جب وہ رہا ہو کر باہر جانے لگتے تو ان میں سے پختہ کار مجرم اپنے برتن، چٹائی اور کمبل وغیرہ اپنے جیل کے ساتھیوں کی تحویل میں یہ کہہ کر دے جاتے کہ انہیں جیل کے حکام کے

1۔ خطبات امیر شریعت ص 32 تا 37 ملخصاً از: مولانا مجاہد الحسینی

پاس ڈیوڑھی میں جمع نہ کرانا بس تھوڑے ہی دنوں کے اندر بہت جلد ہم پھر یہاں آئیں گے۔ یہیں اپنا سامان وصول کرلیں گے اور تمہارا جیل کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔

ان گنہگاروں کے عزائم کی بلندی اور اپنی دھن کی پختگی سے میں بہت متاثر ہوا کہ یہ لوگ گناہ میں اس قدر ثابت قدم اور پختہ کار ہیں اور ہم سراسر نیکیوں، خوبیوں اور محاسن میں کسی قسم کی کمزوری کا اظہار کریں؟ بھائی ...... یہ کفر میں پختگی تو کبھی کبھی انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصی توجہ اور دعاؤں کا مرکز بن جایا کرتی ہے۔ جبھی تو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے اللہ میاں سے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اسلام کی تقویت کے لئے مانگا تھا۔ چنانچہ انہوں نے حلقہ بگوش اسلام ہو کر استقلال، شجاعت اور جوانمردی کے جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں تاریخ اسلام میں سنہری باب کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیشہ درخشندہ و تابناک رہیں گے۔ 1

کچھ تو غور کرو

شاہ جی نے ضعیفی کے عالم میں اتمام حجت کی خاطر قادیانیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''اے قادیانیو! اگر نیا نبی مانے بغیر تمہارا گزارا نہیں ہوسکتا، اگر اس کے بغیر تم جی ہی نہیں سکتے تو ہمارے قائد اعظم ہی کو نبی مان لو، ارے مرد تو تھا جس بات پر ڈٹا، کوہ پہاڑ کی طرح اڑ گیا۔ آہوں کے بادل اٹھے، اشکوں کی گھٹا چھائی، خون کی برکھا ہوئی، لاشوں کا سیلاب آیا مگر کوئی چیز قائد اعظمؒ کے عزم کو نہ ہلا سکی۔ اس نے تاریخ کے اوراق کو پلٹ دیا اور ملک کے جغرافیہ کو بدل کر رکھ دیا۔ ارے تمہاری نبوت کو بھی لٹ پٹ کر جگہ ملی تو اسی کے قدموں میں۔ تمام عمر گزار دی انگریز کی نوکری نہیں کی، حکومت سے خطاب نہیں لیا۔ انگریز سے کوئی تمنا وابستہ نہیں کی اور ایک تمہارا نبی ہے کہ جس نے حضور گورنمنٹ کے آگے عاجزانہ درخواستیں کرتے کرتے پچاس الماریاں سیاہ کر ڈالیں''۔ 2

---

1 خطبات امیر شریعت ص 50، 51 ۔ 2 پیام اسلام امیر شریعت نمبر 89، 90

تقریر کی لذت

❁ جناب اعجاز چشتی لکھتے ہیں:

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے میری پہلی ملاقات قیام پاکستان کے بعد 1945ء میں راولپنڈی مدرسہ تعلیم القرآن کے سالانہ جلسہ پر ہوئی۔ شاہ جی نے کمپنی باغ میں ایک بہت بڑے اجتماع کو خطاب کیا میں اس وقت گارڈن کالج راولپنڈی کا طالب علم تھا۔ تحریک پاکستان سے وابستگی کی وجہ سے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک مخصوص متعصبانہ نکتہ سے جلسہ گاہ میں پہنچا۔ شاہ جیؒ نے تلاوتِ قرآن پاک سے تقریر کا آغاز کیا جب وہ قرآن پڑھ رہے تھے، تو شورش کاشمیری کے بوئے گل، کے ان الفاظ پر یقین آیا شاہ جیؒ قرآن پڑھ رہے ہوں تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے قرآن نازل ہو رہا ہو۔ اور وقت ٹھہر گیا ہے۔ شاہ جیؒ کا موضوع تھا" دینی مدارس اور ان کی خدمات"، پہلی بار مجھے ان دینی مدارس اور علماء کی خدمت کا صحیح شعور پیدا ہوا۔ تقریر میں وہ جادو تھا کہ میں مسحور ہو کر رہ گیا۔ دوسری صبح شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا، موضوع سخن کے لئے میں نے جرات کرتے ہوئے علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا ؎

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

شاہ جیؒ نے اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا: دین و سیاست کی جدائی کا ذکر تاریخی واقعات کی روشنی میں اس طرح کیا کہ خلافتِ راشدہ سے سقوطِ بغداد تک کی پوری تاریخ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا۔ علامہ اقبال سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا، حاضرین مجلس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ بوڑھا انسان اپنے خدا کے کس قدر قریب ہے؟ اور اپنے نانا کا کس قدر حلقہ بگوش ہے۔ کہنے لگے بھائی میں نے کتابیں نہیں پڑھیں انسانوں کو پڑھا ہے۔ میں مولانا سید انور شاہ، مولانا حسین احمد مدنی، حکیم محمد اجمل، مولانا محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد کے قافلہ سے بچھڑا ہوا ایک راہی ہوں۔ جوانی بڑھاپے میں بھی منزل مقصود کی طرف چلا جا رہا ہوں، سب ساتھی ایک ایک کر کے چھوٹ گئے۔

1951ء میں احرار دفاع کانفرنس اوکاڑہ میں مولانا محمد علی جالندھریؒ کی دعوت پر شریک ہوا۔ آخری اجلاس جس کو شاہ جی نے خطاب کرنا تھا۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ کے حکم سے مجھے بھی تقریر کرنا پڑی۔ شاہ جی کی عظمت اور ان کی شخصیت کا رُعب سامنے تھا۔ عرض کیا شاہ صاحب کی موجودگی میں میرے لئے تقریر کرنا مشکل ہے۔

☆ شاہ جی نے فرمایا:

''بھائی میری عظمت یہ نہیں کہ اپنے بھائیوں میں خوف و ہراس پیدا کروں، میری موجودگی نے بہروں کو کان دیئے۔ گونگوں کو قوت گویائی بخشی، لنگڑوں کو چلنا سیکھا دیا، میں باعث زحمت نہیں، باعث رحمت بنا ہوں۔ تم تقریر کرو، میں سنوں گا۔''

شاہ جیؒ کے ان الفاظ نے قوت بخشی، میں نے تقریر کا آغاز کیا، اس سے پہلے بار ہا میں بڑے بڑے مجمعوں کو خطاب کر چکا تھا۔ گورداسپور اور دینانگر کے در و دیوار آج تک گواہ ہیں کہ اس پندرہ سالہ مقرر نے دوستوں اور دشمنوں سے اپنی خطابت کی داد لی۔ لیکن اوکاڑہ کے جلسہ کی تقریر رُک رُک کر ٹھہر ٹھہر کر الفاظ کا خیال رکھتے ہوئے جب میں اس مقام پر پہنچا کہ:

''یہ ملک اسلام کے لئے حاصل کیا گیا ہے، یہاں اسلام ہی ہمارا ضابطہ حیات ہوگا اور اسلام ہی کے لئے اس ملک کا تحفظ کرنا ہے۔''

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارہ

شاہ جیؒ نے تقریر کی خوب داد دی، جس نے شاہ جیؒ کو کبھی داد دیتے ہوئے دیکھا ہے وہی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ان کی اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اکثر کانفرنسوں میں شاہ جیؒ کے ساتھ شریک ہوا اور خطاب کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آج میں جب سوچتا ہوں کہ شاہ جیؒ ایسا عظیم خطیب اور مجھ ایسے نوآموز مقرر کی تعریف تو صحیح معنوں میں ان کی عظمت نے دین کو محفوظ رکھا، کیا یہی کم ہے اب تم لوگ اسے سنبھالو اور دُور دُور تک پہنچا دو؟'' [1]

1۔ ''چٹان'' لاہور ص 96

غیبت سے کنارہ کش

شاہ جیؒ نے زندگی بھر کسی کی غیبت نہیں کی اور اُن کا مسلک پردہ پوشی تھا۔

ایک بار شاہ جیؒ سے ایک مشہور غزل گو شاعر جو اپنی شراب نوشی کے لئے مشہور ہیں۔ مل کر گئے تو حاضرین میں سے کسی مولوی صاحب نے کہا کہ:

''شاہ جیؒ آپ تو شرابیوں کو بھی منہ لگا لیتے ہیں۔''

فرمانے لگے:

''بھائی تم نے اُسے شراب پیتے دیکھا ہے؟''

''پھر غیبت کیوں کرتے ہو؟''

''شاہ جی میں نے اُسے شراب کے نشے میں بدمست دیکھا ہے۔''

فرمانے لگے:

''پھر پردہ پوشی سے کام لو۔''

ہزار رحمتیں ہوں اُس مردِ درویش پر ان کے اس طرزِ عمل سے بہتوں نے اصلاح پائی اور دشمن دوست بن گئے۔

آسمان خطابت کے نیرّ تاباں

بیسویں صدی کے عشرہ دوم میں مولانا محمد علی جوہر مولانا آزاد اور مولانا ظفر علی خان نے اپنی تحریر و تقریر سے ملک میں آگ لگا دی۔ جوہر نے ''کامریڈ'' اور ''ہمدرد'' میں مولانا آزاد نے ''الہلال'' اور ''البلاغ'' میں اور مولانا ظفر علی خان نے زمیندار کے کالموں میں لاوا بھر دیا۔ کہیں مضامین آ رہے ہیں۔ تو کہیں نظمیں کہیں بغاوت کی انگیخت ہے۔ تو کہیں اپنی تعظیم کے کنارے اور بلو سمیٹنے کے لئے ہدایات۔ پھر قدرت نے ان تینوں کو فن تقریر کی عظمتوں سے بھی وافر حصہ دیا تھا۔ وہ آسمانِ خطابت کے ماہ و مشتری تھے۔ مگر ابھی اُسے کچھ اور عروج سے ہمکنار ہونا تھا۔ رولٹ ایکٹ ایجی ٹیشن، سانحہ جلیانوالہ باغ کے بعد جب تحریک خلافت اپنے جلو میں تحریک ہجرت کا مرغِ بسمل بھی لائی۔ تو امرتسر کے مردم خیز میدانوں سے ایک گرج اُبھری

جس کی گونج سے سارا پاک و ہند گونج اٹھا۔ کسی نے سنا، کسی نے نہیں سنا، مگر سب کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ گرج ایک کڑک بنے گی۔ جسے بہرے بھی سنیں گے۔ اور جس کا مفہوم دیوانے بھی سمجھیں گے۔ اور جس کے بعد فنِ خطابت صرف اس لئے حیات کا طالب ہوگا۔ کہ اپنے شہسوار کا ماتم کناں ہو سکے۔ یہ خطیب اعظم کی آواز تھی۔ جسے مولانا جوہر نے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ کہ کامیابی کا سہرا اس بے مثل نوجوان کے سر رہا۔ جو عوام میں عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے نام سے معروف ہے۔ جو عوام کو ہنساتے اور ہنستے ہوئے شگفتہ چہروں کو رُلانے پر قادر ہے۔ جو خون کے آنسو رونے والوں کے چہروں پر غضبناکی کی لکیریں بھی کھینچ دیتا ہے۔ اس سے نہ تو پہلے تقریر کی جا سکتی ہے۔ کہ ان کی تقریر سے پہلے مقرروں کی تقریروں کا رنگ اُڑ جاتا ہے۔ اور نہ بعد کہ ان کے بعد کسی کا رنگ جم ہی نہیں سکتا۔ اس ذاتِ گرامی نے ابوالکلام جیسے سحر اللسان اور قادر الکلام کو بھی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ چنانچہ مولانا آزاد کبھی ایسے جلسے میں تقریر نہیں کرتے تھے۔ جس میں شاہ جی مدعو ہوتے۔ ایک مقرر میں جتنی صلاحیتیں ہونی چاہئیں۔ قدرت نے ان سے اُنہیں فیاضی سے حصہ دیا تھا۔ قد و قامت، شکل و صورت، قوت و طاقت، شجاعت و جرأت، فراست و معاملہ فہمی، غیرت و حمیت، ذکاوت اور شدتِ احساس، رقت و جذبات کا تلاطم۔ بلندی آواز اور خوش گوئی 1931ء میں تحریک کشمیر میں اس طرح حصہ لیا۔ کہ گول میز کانفرنس میں انگریز اور وزیر ہند کو کہنا پڑا۔ کہ ہندوستان میں ایک ایسی سحر البیان شخصیت موجود ہے جو بیک وقت دو حکومتوں کو معطل کر کے رکھ دیتی ہے۔ اُن کی آواز میں غضب کا سوز تھا۔ قرآنِ کریم سے والہانہ لگاؤ تھا۔ تلاوت فرماتے تو کسی سحر کا دھوکا ہوتا۔ ڈم ڈم جیل ڈھاکہ میں ایک شب چودھویں کا چاند جوبن پر تھا، موج آ گئی اور تلاوت فرمانی شروع کر دی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ قرأت سے چاند بھی مسحور ہو کر ٹھہر گیا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا۔ کہ پیچھے سے "پنڈت رام جی لال" سپرنٹنڈنٹ جیل کی آواز آئی۔ پلٹ کر دیکھا۔ تو اُس کے رُخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے۔ شاہ جی خدا کے لئے بس کرو۔ دل قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ اب رونے کی تاب نہیں رہی۔ چنانچہ اکثر یہ بات مشاہدہ میں آئی۔ کہ شاہ جی کی تلاوت قرآن کریم سننے کے لئے اکثر غیر مسلم بھی دور دراز کا سفر کر کے ان کے جلسوں میں پہنچتے۔ اور اُن میں کئی غیر مسلم عورتیں بھی ہوتی تھیں۔

حُبِ رسول ﷺ ان میں قدرت نے خاص طور پر ودیعت کر رکھی تھی۔ کہتے تھے۔ خدا معبود ہے۔ محمد محبوب۔ خدا کو جو جی آئے کہو۔ وہ خود محاسبہ کرے گا۔ مگر محمد ﷺ کے متعلق سوچ لینا یہ عقل کا معاملہ نہیں۔ عشق کا ہے۔ عشق پر زور نہیں ہوتا۔ یہ نہ سوچا جائے گا۔ کہ قانون کیا کہتا ہے اور جو ہونا ہوگا۔ ہوگا۔ اور جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

انگریز سے نفرت جزو ایمان

یہی حُبِ رسول ﷺ کا جذبہ انہیں قادیان لے گیا۔ پھر اس کے بعد 1953ء میں تحریک ختم نبوت میں جو کچھ ہوا۔ وہ ہماری نگاہ سے پوشیدہ نہیں...... کسی ہمدرد نے عرض کیا۔ شاہ جی اب آپ ضعیف ہیں۔ اپنے آپ کو ناقابل برداشت مشقت میں نہ ڈالیے۔ فرمایا۔ ناموس رسالت ﷺ خطرے میں ہے۔ اغیار شمع رسالت بجھانے کے درپے ہیں۔ آپ مجھے آرام کا مشورہ دے رہے ہیں یہ کیوں نہیں کہتے کہ خودکشی کر لوں۔ انگریز سے نفرت اُن کا جزو ایمان رہا۔ فرماتے تھے۔ زندگی کی صرف ایک خواہش ہے۔ کہ یا تو انگریز کو ہندوستان سے نکال باہر کروں۔ یا خود اس جدوجہد میں تختہ دار پر لٹک جاؤں یہ اُن کا ایک مخصوص قلندرانہ نعرہ ہوا کرتا تھا۔

ایک دفعہ قید ہوئے۔ تو سپرنٹنڈنٹ جس نے انگریز گورنر کی چھٹی کا حوالہ دیا۔ کہ اگر شاہ صاحب اظہار افسوس کر دیں۔ تو انہیں فوری طور پر رہا کر دیا جائے سپرنٹنڈنٹ کو فرمانے لگے۔ جو کہوں گا۔ جواب لکھو گے۔ اور کہا کہ جب تک زندہ رہوں گا۔ تمہاری جڑوں کو کاٹتا رہوں گا۔ ایک دن انڈین گورنمنٹ کا انگریز ہوم ممبر معائنہ جیل کے لئے پہنچا۔ بولا۔ شاہ جی آپ اچھے ہیں۔ جواب دیا۔ اللہ کا شکر ہے۔ بولا کوئی سوال۔ فرمایا میں سوال صرف اللہ سے کیا کرتا ہوں۔ کہا۔ میرے لائق کوئی خدمت۔ فرمایا۔ ہاں! میرا ملک چھوڑ کر چلے جاؤ۔ راولپنڈی جیل کا سپرنٹنڈنٹ انگریز تھا۔ وہ آپ سے متاثر ہی نہیں تھا۔ بلکہ مرعوب بھی تھا۔ اُس نے ہندوستان کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام "چند یادیں" ہے۔ کتاب میں لکھا ہے۔ جن قیدیوں نے مجھے اثنائے ملازمت میں متاثر کیا۔ اُن میں عطاء اللہ شاہ بخاری ایک سیاسی قیدی بڑی ہی دلفریب شخصیت کا مالک تھا۔ اُس کا چہرہ مہرہ چرچ کے اُن مقدس راہبوں کی طرح تھا۔ جن کی تصویریں حضرت مسیح علیہ السلام کی سے مشابہ ہوتی ہیں۔ شاہ جیؒ کی ہشت پہلو

شخصیت کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ وہ رندوں میں رند تھے اور فقیروں میں فقیر عمر بھر سفر کے لئے تھرڈ کلاس کو پسند کیا۔ استغناء کا یہ عالم تھا۔ کہ کبھی کسی کو مدد کے لئے تکلیف نہ دی۔

اول و آخر، ظاہر و باطن مسلمان

☆ مولانا غلام رسول مہرؔ لکھتے ہیں:

میں اخبار نویسی کے میدان میں قدم رکھنے کی، تیاریاں کر رہا تھا۔ اس وقت پہلی مرتبہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام سنا۔ لوگ ان کے بیان و خطابت کی سحر انگیزی اور زور تاثیر کی ستائش ایسے انداز میں کرتے تھے۔ کہ خیال ہوتا تھا کہ اس میں حقیقت کی جگہ افسانے کا رنگ غالب ہے۔ میں نے 1922ء میں اخبار نویسی شروع کی تو اکثر بڑے بڑے لیڈر اور کارکن قید ہو چکے تھے۔ ان میں خود شاہ صاحب بھی شامل تھے۔ سزائے قید سنا دینے کے بعد انہیں میانوالی جیل بھیج دیا گیا۔ جو عام گذرگاہ سے ہٹا ہوا تھا۔ اور وہاں بالقصد جانے والے لوگوں کے سوا کسی کے پہنچنے کا امکان نہ تھا۔ شاہ صاحب کے بعض رفیق اور دوست پہلے سے وہاں موجود تھے۔ بعض بعد میں وہاں پہنچ گئے۔ بہرحال اس وقت مجھے شاہ صاحب کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ اس طرح میرے دل میں شاہ صاحب کے متعلق محبت و عقیدت کا مخلصانہ جذبات پیدا ہوئے اپنے اس مشہور شعر کی حقیقت کا عملی تجربہ پہلی مرتبہ ہوا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کہیں دولت از گفتار خیزد

رشتۂ ناز کی استواری

شاہ صاحب قید کی مدت پوری کر کے رہا ہوئے تو کئی سال تک سیاسی دائرے میں ہم نے اکٹھے کام کیا اور خاصا وقت یک جائی میں گذرتا رہا۔ میں نے ان کی وہ تقریریں تو زیادہ نہ سنیں جن کی شہرت سے، پاک و ہند کی فضا گونج رہی تھی۔ اور خطابت میں انہیں قدرت کا ایک خاص عطیہ سمجھا جاتا تھا۔ تاہم یہ حقیقت ہے۔ کہ ان کے متعلق جو کچھ تحریک ترک موالات کے آغاز سے سنتا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ واقفیت کا محض ایک سرسری بلکہ نامکمل چربہ تھا۔ خطابت شاہ صاحب کے خداداد جوہروں میں

سے صرف ایک جوہر تھی۔ جسے ان کے فضائل و مکارم میں میرے نزدیک اولین درجہ حاصل نہ تھا۔ اگرچہ زمانہ ان سے خطیب ہی کی حیثیت میں روشناس تھا اور اب بھی ان کا ذکر کرتے ہوئے خطابت ہی کو مرکزی وصف بتایا جاتا ہے۔ مجھے وہ اپنے دور کے بہت بڑے انسان نظر آئے۔ کیوں کہ وہ بہت بڑے مسلمان تھے۔ اوّل و آخر ظاہر و باطن مسلمان تھے۔ ان کے وجود کی مادیت و معنویت کا ذرہ ذرہ اسلامیت اور صرف اسلامیت سے سرشار تھا۔ ان کی تمام دوسری خصوصیتیں اسلامیت ہی کے مختلف پرتو تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ عمر بھر ہر حلقے میں محبوب و ہر دلعزیز رہے۔

نادر شخصیت

ان کی سیرت کی چند دل کش جھلکیاں دکھانا چاہتا ہوں۔ صرف چند جھلکیاں۔ شاید اس طرح اندازہ کیا جا سکے کہ وہ کتنی گراں قدر عالی مرتبت اور نادر الاوصاف شخصیت کے حامل تھے۔ اور اسلامیت و انسانیت کی شکل میں ہمارے وطنِ عزیز کی وہ کتنی بیش بہا دولت و ہ میدان عمل میں مصروفِ مجاہدات تھے تو لوگ ان کی زیارت کو باعثِ صد سعادت سمجھتے تھے۔ انہوں نے ہزاروں لاکھوں کے مجمعوں کو اپنے دلآویز خطبات سے سراپا عمل و حرکت بنا دیا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ حریت و اسلامیت کے لئے جانبازانہ جہاد میں گذار دیا۔ عمر کا خاصا بڑا جز و قید و نظر بندی میں گزارا۔ جو صلاحیتیں قدرت نے انہیں عطا کی تھیں۔ وہ سب بے دریغ اسی راہ میں صرف کر دیں۔ اپنی ذات کے لئے کچھ بھی نہ کیا۔ عمر بھر فقر ان کے لئے سرمایۂ فخر رہا۔ فقر ہی ان کی سب سے زیادہ قیمتی خاندانی میراث تھا۔ اور آج بھی ان کے فقر کا طرّہ آسمان بوس ہے۔ کیا وہ عرفی کے اس شعر کی زندہ مثال نہیں!

باخونِ صد شہید مقابل نہادہ اند
عمرے کہ ما بہ آتش افسانہ سوختیم!

جہاد اسلامیت و آزادی

ہمارے گردوپیش نفسانفسی کے جو ہنگامے اور موازنۂ خدمات کے جو محشر بپا ہے۔ ان سے کون ناواقف ہے؟ جو لوگ لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہوتے تھے۔ انہوں نے ہی اپنے

کارناموں کے دفتر تیار کر کے معاوضے میں وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو ان کے دسترس میں آ سکتا
تھا۔ حالانکہ ان کے استحقاق کا معاملہ اصولاً محل نظر تھا شاہ صاحب کی تمام عمر اس قاہر حکومت سے
لڑنے میں بسر ہوئی۔ جس نے ہماری ہر مادّی اور معنوی ثروت غصب کر کے اپنی رگوں کے لئے
زندگی کا خون مہیا کیا تھا۔ پھر ان کا پورا جہاد صرف آزادی کے لئے نہ تھا۔ بلکہ اسلامیت و آزادی
کے لئے تھا۔ وہ اپنے وطن کو بھی آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ اور یہاں مسلمانوں کو بھی آزاد تر خوددار تر
خوشحال تر اور مخلص تر مسلمان دیکھنے کے آرزومند تھے۔ اپنی عمر انہی مقاصد کے لئے ایسی
مصیبتوں اور دلگیریوں میں گذاری۔ جن کا معمولی سا تصور بھی بڑے بڑے۔ مدعیانِ ہمت و
جرأت کو رعشہ براندام کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر کیا کسی خدمت کے لئے کوئی صلہ طلب کیا؟
طلب کرنا رہا ایک طرف کسی خدمت کا ذکر بھولے سے بھی نہیں کیا۔ خوب سوچو۔ خوب غور کرو۔
پھر بتاؤ کہ ہمارے وطن عزیز میں آج ایسی بلند پایہ شخصیتیں کتنی ہیں؟ [1]

اسلامی معیارِ عظمت

شاہ صاحب بہر حال انسان تھے فرشتہ نہ تھے۔ ان کے ساتھ بھی زندگی کی وہ تمام
ضرورتیں وابستہ تھیں جن سے ہر انسان محصور رہتا ہے۔ لیکن صلے کی طلب میں وہ
کیوں لاکھوں سے الگ ہو گئے۔ اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اسلامی زندگی کا ایک اہم
فرض تھا۔ اور اہل حق کے نزدیک فرض اسی لئے ہوتا ہے کہ اسے بے چون و چرا ادا کیا جائے۔
اگرچہ اسی راہ میں کتنی ہی تکلیفوں، مشقتوں۔ صعوبتوں اور قربانیوں سے سابقہ پڑے۔ یہاں
تک کہ جان بھی دے دینے کی نوبت آ جائے تو ایک لمحے کے لئے ادائے فرض سے روگردانی
گوارا نہ کی جائے۔ قرآن مجید انبیائے کرام علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ ہمیں کیا بتاتا ہے؟
یہ کہ قوم کو دعوتِ ہدایت دینے کے لئے اٹھے تو فرمایا۔

ما اسئلکم علیه من اجرٍ ان اجری الا علی اللّٰہ ○

”ہم تم سے کچھ اجر نہیں مانگتے۔ ہمارا اجر تو اللہ کے پاس ہے۔ جس نے ہمیں پیدا کیا۔“

جن بزرگ ہستیوں نے اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اپنا شعار بنایا وہ بھی ہم قوموں یا

---

1 روزنامہ آزاد امیر شریعت نمبر 7

فکروں سے کبھی کسی اجر کے روادار نہ ہوئے۔ انہوں نے جو کچھ کیا فرض سمجھ کر کیا۔ ان کا مقصد ایک تھا۔ اور وہ یہ کہ خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو۔ اس رضا و خوشنودی کے طلب گار اپنے کارناموں کی پاکیزہ دولت کو دنیوی صلوں کی تمنا سے آلودہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے کاش ہم لوگ سمجھ سکیں اور اندازہ کر سکیں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا تعلق اسی حقانی گروہ سے ہے۔ یہی انسان کی عظمت و برتری کی حقیقی اساس ہے۔ افسوس کہ اسی مقدس گروہ کے افراد آہستہ آہستہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اور ان کی جگہ لینے والے پیدا نہ ہوئے شاہ صاحب اس وجہ سے بھی حد درجہ عزیز ہیں۔ کہ اس گروہ سے متعلق ہیں۔ اور اس وجہ سے بھی قابل احترام ہیں کہ جماعتی و قومی خدمات کے سلسلے میں صحیح اسلامی معیار کے آخری نمائندوں میں سے ہیں۔[1]

دولت فقر اور سعادتِ اطمینان

یہی لوگ ہیں جن کے کارناموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا۔ جس طرف ان کے قدم بڑھے۔ گراں قدر عملی جواہرات کے انبار فراہم ہو گئے خود ان پر نظر پڑی تو فقر و درویشی پر اس طرح مطمئن ملے کہ با اقتدار بادشاہ اپنے تختِ سلطنت پر بھی اس قدر مسرور و مطمئن نہ ہوں گے۔ سچ ہے۔

گر دولت ایں بود کہ بہ درویش دادہ اند

باید گریستن جم و دارا تختِ خویش!

جو قلب مطمئن اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو عطا کیا تھا۔ وہ ہر جگہ نظر نہیں آ سکتا۔ اطمینان قلب دولت، اقتدار، فرمان روائی یا وسعتِ اموال پر منحصر نہیں۔ صرف اللہ کے ذکر اور اس کے فضل و عطا پر موقوف ہے۔ پھر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اس دور میں خدمت اسلامیت و آزادی کا بار گراں دوشِ ہمت پر اٹھایا تھا۔ جب اخلاص و ایثار اتنے کمیاب نہ تھے۔ جتنے آج نظر آ رہے ہیں۔ یعنی ترکِ موالات یا لا تعاون کے دور میں اس تحریک میں جن جانبازوں نے حصہ لیا تھا۔ ان میں خاصی بڑی اکثریت مخلص اور ایثار کی ایسی مثالیں بہت کم

1 روزنامہ "آزاد" امیر شریعت نمبر 9

تحریکیں پیش کر سکتی ہیں۔

شاہ صاحبؒ کو اس جماعت میں ممتاز درجہ حاصل تھا۔ اس سے ان کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں صاحب دل بنایا تھا۔ اور دل ایسی نعمت ہے کہ ہزاروں جانیں بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتیں۔ عرفی نے بالکل درست کہا تھا:

ہزار جانِ گرامی بہ نرخ جو نہ خرند
بہ عالمے کہ درد دل بہ کاری آید

آخر جان کی قدر و قیمت بھی تو دل کے ساتھ ہے دل نہ ہو تو جان سے کون سا قابل ذکر کام انجام پا سکتا ہے۔[1]

ان جیسا بیدار مغز، صاحب ایمان اسلام کا شیدائی پیدا نہیں ہو سکتا

☆ شیخ حسام الدین لکھتے ہیں:

اس جگہ اس امر کا اعتراف کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں کہ مجھے سیاست کے میدان میں لانے کے لئے ہر چند کہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کا بڑا حصہ تھا۔ لیکن سید عطاء اللہ بخاری کی خطابت کی کشش بھی دراصل اس کی بنیاد تھی۔

مجھے برسوں تک شاہ جی کی رفاقت کا فخر حاصل رہا ہے میں ہمیشہ اُن کی شخصیت کا بڑے غور سے مطالعہ کرتا رہا۔ اور ہر مرتبہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اُن جیسا بیدار مغز، صاحب ایمان عالم دین، خطیب خوش گفتار اور اسلام کا شیدائی پھر پیدا نہیں ہو سکتا۔

ان کی عالی ظرفی کا اندازہ کیجئے کہ میرا کئی مرتبہ سیاسی مسائل پر اُن سے اختلاف بھی ہوا۔ بات کے مختلف پہلوؤں پر گرما گرم بحثیں بھی ہوئیں۔ مگر...... اس قسم کے حالات ساون کے بادلوں کی طرح گزر گئے۔ شاہ جی کے مزاج اور میرے ساتھ برتاؤ میں کبھی فرق نہ آیا۔ وہ اپنے طرز عمل سے ایک مجھی کو کیا بلکہ ہر دولت دشمن کو اپنا گرویدہ بنا لینے کا کچھ ایسا ڈھنگ جانتے تھے کہ اس دور کے لوگوں میں وہ بالکل ناپید ہے بلکہ آئندہ بھی اس قسم کی صفات کی

1۔ روزنامہ آزاد امیر شریعت نمبر ص 32

جھلک کسی انسان میں مشکل سے دیکھنے میں آئیں گی۔مجلس میں انتخابات کے موقعہ پر وہ کہا کرتے تھے کہ:

''بھائی! انتخاب ووٹوں کی اساس پر نہ کیا کرو۔ بلکہ مسائل اور ضروریات کی روشنی میں ذمہ داریاں سنبھال لیا کرو۔''

چنانچہ مجلس احرار کے زمانے میں انہوں نے احرار زعما کے اندر ایک ایسی روح پھونک دی تھی۔کہ وہ کام اور خدمتِ قوم کی لگن میں جماعتی انتخابات کی سطح سے بلند و بالا رہنے کے عادی ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی نظریئے کے تحت 1931ء میں مجھے مجلس احرار کا صدر بنایا گیا۔حالانکہ میں)(جونیئر موسٹ)تھا۔لیکن وقت کی ضرورت کے پیش نظر ہم میں اختلافات کو کوئی گنجائش ہی نہ تھی میں مسلسل آٹھ برس تک صدر رہا۔ پھر جب پاکستان بنا تو۔ ماسٹر تاج الدین انصاری نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔

مجلس احرار کی صدارت کے زمانے میں شاہ جی نے ہمیشہ سیاسی۔مذہبی،دینی اور ملی مسائل کو حل کرنے میں در پردہ میری ایسی رہنمائی کی ...... کہ اُن کرم فرمائیوں کے سلسلے میں شاہ جی کی روح کو میں جس قدر خراجِ تحسین ادا کروں کم ہے۔ میں نے شاہ جی کے ساتھ اپنی سیاسی زندگی میں کئی مرتبہ قید و بند کے مراحل بھی طے کئے۔لاہور،پنڈی اور ملتان کی جیلوں میں بہت سے لیل و نہار ہم نے ایک ساتھ بسر کئے ......جیل کی دُنیا میں بھی میں نے شاہ جی کے مزاج کی اُن خوبیوں کو پژمردہ نہیں دیکھا۔جو ان کی شخصیت کا ایک حصہ تھیں۔

تکالیف، پر مسکراہٹیں نچھاور کرنا تو گویا اُن کا ایک مشغلہ بن گیا تھا۔اور بے خوف اتنے کہ فرائض کی بجا آوری کے لئے نتائج کی پروا کئے بغیر ہر مقام پر اور ماحول میں دشمنوں سے ٹکرانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے۔اور خاص طور پر عشق رسول ﷺ کے معاملے میں تو ان کے جذبات کی مثال اس دنیا میں ملنا ہی ناممکن ہے۔

پیری مریدی میں شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے

اپنوں، پرائیوں میں میں نے شاہ جی کا جو احترام دیکھا اُس کے پیش نظر کہہ سکتا ہوں کہ اگر سیاست کی وادیوں میں قدم نہ ہی رکھتے تو پیری مریدی کے میدان میں وہ بڑی شاہانہ

زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اور دنیاوی آسائشیں اور راحتیں اُن کا اوڑھنا بچھونا بن سکتی تھیں۔ لیکن انہوں نے فقر و درویشی کا ایسا شعار اختیار کیا جس پر دنیاوی تکلیفوں کے باوجود وہ زندگی بھر فخر کرتے رہے۔

صاف ستھرا علمی و ادبی ذوق

شاہ جی کی شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے جہاں اور بے شمار صفات سے متصف کیا تھا۔ وہاں ایک صاف، ستھرے علمی و ادبی ذوق سے بھی اُن کے مزاج کی آراستگی کی تھی۔ نہ صرف وہ جملوں کی پیوستگی کو خوب سمجھتے تھے۔ بلکہ اشعار کی برجستگی سے بھی کماحقہٗ آشنا تھے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ خود شاہ جی نے مجھے سنایا تھا کہ سائمن کمیشن کے سلسلے میں الٰہ آباد میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا۔ پنڈت موتی لال نہرو نے شاہ جی کو اس اجلاس میں شرکت کے لئے بہ طور خاص بلوایا اور اپنے ہاں ٹھہرایا۔ رات کو جلسے میں، بڑے بڑے راہنماؤں نے دھواں دار تقریریں کیں۔ پنڈت موتی لال نہرو نے سب مقررین کو اس لئے پہلے وقت دیا کہ وہ جانتے تھے کہ شاہ جی کی تقریر کی حدود تو سپیدۂ سحر سے جا ملتی ہیں۔ اس لئے جب سب مقرر بول چکے تو شاہ جی کا نام پکارا گیا۔ اتنے میں سائمن کمیشن کے خلاف ایک احتجاجی جلوس بھی جلسہ گاہ میں آ گیا۔ لوگوں نے سائمن کمیشن کی ارتھی کندھوں پر اٹھا رکھی تھی۔ جسے دیکھتے ہی شاہ جی کو تقریر کا سرِ آغاز ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے حاضرین کو مخاطب کیا۔ اور ارتھی کی طرف اشارہ کر کے اپنے مخصوص لب و لہجے میں بولے

ہوئے تم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

اُدھر الفاظ شاہ جیؒ کے ہونٹوں سے جدا ہوئے اُدھر موتی لال نہرو کرسی صدارت سے اُچھل پڑے اور سامعین میں بھی بخاری زندہ باد کا غلغلہ بلند ہونے لگا۔ بس پھر کیا تھا۔ اس شعر کی اساس پر انہوں نے خطابت کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ مجمع لوٹ پوٹ گیا۔ غالب کے اس ایک شعر نے وہ رنگ دکھایا کہ ایک نہایت مشکل مضمون کی باریکیاں حاضرین پر واضح ہو گئیں۔

وہ سائمن کمیشن کے بارے میں شاہ جی کے خیالات کو چند ہی لفظوں میں پوری طرح سمجھ گئے۔
وہ اپنی تقریر کے کسی ایسے موڑ پر برجستہ شعر استعمال کیا کرتے کہ محسوس ہوتا جیسے شعر اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔ اُنہیں اُردو۔ فارسی عربی اور پنجابی کے ان گنت اشعار ازبر تھے۔ خطابت میں زبان اتنی فصیح و بلیغ ہوا کرتی کہ نثر پر بھی شاعری کا گمان ہوتا۔ بذلہ سنج اور خوش گفتار ایسے کہ محض الفاظ کی لوٹ پلٹ گفتگو میں طنز و مزاح کے تیور اور نشریت کا اثر پیدا کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

مجسمۂ اخلاق

اوصافِ حمیدۂ اخلاق عظیمہ کا مجسمہ تھے اپنی شخصیت کو ابھارنے کا خیال تک نہ لاتے تھے۔ ہمیشہ دوسروں کے محاسن کا بڑی فراخ دلی سے اعتراف کرتے۔ خود بینی سے احتراز فرماتے۔ اکثر کہا کرتے ’’میں تو گندگی کا ڈھیر ہوں۔ اللہ میاں نے سفید چادر ڈال کر اور پر عطاء اللہ لکھ دیا ہے۔ ارے بھائی ہم دوسروں کے عیب کیا دیکھیں ہمیں تو اپنے عیبوں سے فرصت نہیں ملتی۔

ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

●●●●......●●●●

مجموعہ کمالات

ماسٹر تاج الدین انصاریؒ رقمطراز ہیں۔

---

1 ہفت روزہ چٹان لاہور ص 89

پروردگار عالم نے ابن آدم کو عجیب عجیب نعمتیں عطا فرمائی ہیں ۔ یہ مشتِ خاک مجموعہ کمالات ہے۔ غور فرمایئے کہ انسان حافظے کی کمندیں ڈال کر اپنے ماضی کو کس آسانی سے حال کی جانب کھینچ لاتا ہے۔ تیس چالیس سال پہلے کے گذرے ہوئے واقعات آنِ واحد میں اس طرح سامنے آجاتے ہیں گویا ابھی وقوع پذیر ہو رہے ہیں ۔ مجھے یاد ہے آج سے قریباً چالیس سال قبل جب میں روزنامہ زمیندار کا مطالعہ کرتا تو ترکوں پر برطانیہ کے مظالم پڑھ کر مجھے دُکھ ہوتا تھا۔ پھر رہ رہ کر یہ خیال بھی آتا تھا کہ اسی برطانیہ نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے اور اسی کے ہاتھوں آج ترکوں کی تباہی اور بے آبروئی ہو رہی ہے۔ پھر سوچتا کہ ہم بالکل بے بس ہیں اور کر ہی کیا سکتے ہیں ۔ ایک دن مایوسی نا اُمیدی اور بے کسی کے خیالات میں گھرا ہوا گھر سے تھوڑی دور باہر چوک پر پہنچا تو میرے بچپن کے دوست میر محمد فیضی مجھے ملے۔ علیک سلیک کے بعد میر فیضی نے بتایا کہ وہ امرتسر سے آرہے ہیں ۔

وہاں گذشتہ رات ایک جلسۂ عام تھا۔ اس میں ایک نوجوان مولوی نے ایسی پیاری تقریر کی سبحان اللہ سبحان اللہ ایمان تازہ ہو گیا۔ پوچھا کیا نام تھا مولوی کا؟ میر فیضی نے جواب دیا۔ ''سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ پھر کہنے لگا۔ مولوی کیا ہے فرشتہ ہے سید زادہ بڑا ہی خوبصورت نوجوان ہے۔ اللہ نے لحنِ داؤدی عطا فرمایا ہے قرآن پڑھتا ہے تو سامعین پر وجد طاری ہوتا ہے بولتا ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں تقریر ایسی دل پذیر کہ دلوں میں اتر جاتی ہے۔ مجھے تو اب تک نشہ ہے امرتسر سے مسرور ہو کر آیا ہوں ۔'' اس ظالم نے بخاری کی باتیں سنا سنا کر مجھے ایسے موڑ پر لا کر کھڑا کیا جہاں طبیعتیں نیا راستہ تلاش کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں ۔

میں اپنے دوست سے حضرت شاہ صاحب کی تعریف سن کر سوچنے لگا کہ ایسی تقریر تو ضرور سننا چاہئے۔ میں امرتسر پہنچوں یا انہیں لدھیانے بلاؤں چنانچہ میر فیضی سے مشورہ کے بعد طے ہوا کہ شاہ صاحب کو لدھیانے بلا کر جلسۂ عام کیا جائے۔ جلسہ کیسے ہوگا۔ انتظام کون کرے گا جلسہ کس جگہ کیا جائے؟ جوانی کے جوش نے کچھ سوچنے سمجھنے نہ دیا۔ دوسرے دن میر فیضی کو امرتسر روانہ کر دیا اور تاکید کر دی کہ شاہ صاحب لدھیانے تشریف لانے کے لئے آمادہ

میر فیضی بڑے ذہین اور جوشیلے نوجوان تھے وہ امرتسر پہنچے اور شاہ صاحب سے دوسرے دن لدھیانے آنے کا وعدہ لے کر واپس آ گئے۔ پہلے جلسے کا اعلان بھی ہم نے خود ہی کیا گیس کے ہنڈے۔ فرش اور ٹھنڈے پانی کا بندوبست غرضیکہ جلسے کے لوازمات اور انتظامات سے فارغ ہو کر ہم نے دوستوں کو ہمراہ لیا اور شاہ صاحب کے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ گاڑی لدھیانہ اسٹیشن پر آ کر رکی۔ میں تو شاہ صاحب کو پہچانتا نہ تھا، فیضی نے انہیں دیکھا ہم سب لپک کر ان کے کمپارٹمنٹ کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ سڈول جسم کا خوبصورت نوجوان جس کی پیشانی شرافت، نجابت اور شجاعت کا پتہ دے رہی تھی نہایت سادہ لباس میں گاڑی سے مسکراتا ہوا پلیٹ فارم پر اترا۔ میں نے معزز مہمان کو غور سے دیکھا بھرپور جوانی کی خوبصورت آنکھوں میں مستی کے بجائے حیا کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ یہ تھے بخاریؒ جن سے میر فیضی نے میرا تعارف کرایا۔ بخاریؒ خراماں خراماں دوستوں، عقیدت مندوں اور اجنبیوں کے جھرمٹ میں ریلوے اسٹیشن سے باہر تشریف لائے۔ ہم انہیں گھوڑا گاڑی میں بٹھا کر میر فیضی کے مکان پر لے گئے۔ انہیں کمرے میں بٹھا کر میں نے اپنے دوست سے کہا۔ فیضی میرے دل پر سید زادے کو دیکھ کر اتنا اثر ہوا ہے تقریر سنوں گا تو کیا ہوگا؟ فیضی نے ہنس کر کہا جلسے کے بعد دیکھنا کیا ہوتا ہے ہم نے شاہ صاحب کو کھانا کھلایا اور عشاء کی نماز کے لئے سامنے والی مسجد میں چلے آئے اور نماز سے فارغ ہو کر جلسہ گاہ کی طرف چل دیئے!

لدھیانہ میں شاہ جیؒ کا پہلا جلسہ

خلوص میں کتنی برکت ہے۔ ہمارے ساتھ کون تھا ہم نوجوانوں کی حیثیت ہی کیا تھی مگر لدھیانے میں پہلا جلسہ اس ٹھاٹھ کا ہوا کہ دریا کے کنارے کا بہت وسیع میدان ہندو اور مسلمانوں سے کھچا کھچ بھر گیا لوگوں کے دلوں میں نیا نیا شوق اور جوش تھا وہ بخاری کی تقریر سننے کے لئے جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ جلسہ شروع ہوا۔ بخاری نے خطبہ مسنونہ پڑھا قرآن

پاک کی تلاوت شروع کی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے آیات ابھی ابھی نازل ہو رہی ہیں مجمع پر سکوت طاری تھا۔

قرآن پاک کی تلاوت دل کی آلودگیوں کو صاف کر کے نور ایمان سے جگمگا رہی تھی سامعین پر وجد طاری تھا جلسہ گاہ میں مکمل سکوت تھا جب بخاری نے بولنا شروع کیا تو گویا لالہ زار کھل گیا اور جب اپنے خاص انداز اور ترنم سے برمحل شعر پڑھتے تو سامعین پھڑک اٹھتے۔ سبحان اللہ اور جزاک اللہ کی صدائیں بلند ہوتیں۔ تکبیر کے نعروں سے فضا گونج اٹھتی۔ رات کے ایک بجے تک جلسہ جاری رہا۔

بخاریؒ نے اپنی پہلی تقریر ہی سے اپنی دھاک بٹھا دی۔ تحریک کے لئے میدان ہموار ہو گیا تھا تقریر بخاری نے کی مگر اپنے شہر میں ہمیں عقیدت اور محبت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا یعنی لکڑی کے ساتھ لوہا تیرنے لگا۔ ہزار ہا لوگوں کی زبانوں پر بخاری کا قصیدہ تھا۔ میرے ساتھیوں اور ہاتھ بٹانے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ بہادر اور مخلص نوجوان میرے گرد جمع ہو گئے۔ شہر والوں نے پھر تقاضا کیا کہ بلاؤ بخاری کو۔ ہم نے دوبارہ درخواست کی جسے بخاری صاحب نے قبول فرما لیا۔ بخاری کی بار بار تشریف آوری سے ہمارے ہاں کے اکثر نوجوان صحیح رنگ میں رنگے جا چکے تو ایک روز جلسے کے اختتام پر وہ مجھے الگ لے گئے اور فرمانے لگے کہ لدھیانہ تو علماء کا زبردست تاریخی مرکز ہے۔ یہ دوسرا دیوبند ہے۔

تم مولوی حبیب الرحمان کو جانتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے عرض کیا کہ ہم تو ایک ہی محلے کے رہنے والے ہیں بچپن میں ایک ساتھ کھیلتے رہے ہیں۔ بخاری نے فرمایا کہ پھر مجھے کیوں بلاتے ہو وہ تو بڑی خوبیوں کے مولوی ہیں خاندانی وجاہت کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے مقرر ہیں ان کا خاندان تو انگریز دشمنی میں نمبر ایک پر شمار ہوتا ہے۔ تم ان سے ملو۔ اب میں یہیں نہیں آؤں گا۔ تم ہر ہفتے مجھے لیتے ہو۔ مجھے امرتسر اور لاہور ہی میں کام کرنے دو۔

شاہ جیؒ کی صحبت نے زندگی کا رخ بدل ڈالا

مگر مجھے چونکہ بخاری سے بے پناہ عقیدت اور غایت درجہ کی محبت تھی، میری درخواست پر وہ لدھیانے آہی جاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے سیاسی میدان میں کھینچ کر لانے اور غلامی سے نفرت اور بیزاری پیدا کرنے میں انہی کا ہاتھ ہے ورنہ میں تو قطعاً دنیادار اور کھلنڈرا نوجوان تھا۔ شکار سے فرصت ملی تو کرکٹ کھیل کر دن ضائع کر دیا۔

بخاری کی محبت بھری ملاقاتوں نے میری زندگی کو یکسر بدل ڈالا آزادی وطن کے لئے قربانیوں کا جذبہ بخاری نے میرے دل میں اس طرح کوٹ کوٹ بھر دیا کہ مجھے حال کے دریچے سے ماضی کو جھانکنے ہی کی فرصت نہ ملی۔ جیل۔ جس کے تصور سے دل کانپ اٹھتا تھا کوچہ محبوب بن گیا۔

شاہ جیؒ! کی خطیبانہ خصوصیات

جن لوگوں نے شاہ صاحبؒ کی تقریروں اور خطبوں سے براہِ راست استفادہ نہیں کیا، ان کے سامنے ان کے خطیبانہ کمالات کا نقشہ کھینچنا مشکل ہے ہاں اگر دریا کی روانی کا کوئی تصور آپ کے ذہن میں پایا جاتا ہے۔ پھولوں کی نزاکت اور مہک سے آپ آشنا ہیں، آگ کے شعلوں کو آپ نے دیکھا ہے، اور کسی ایسے فنکار کو سنا ہے جو نغموں کے ساتھ ساتھ اثر سحر اور کیف و وجد کی کیفیات کو بھی سامعین کے دلوں میں اتروا سکتا ہو۔ تو آپ کو شاہ صاحب کی جامعیت تقریر کا کچھ کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

مگر ٹھہریئے! ابھی نقشہ کے تمام رُخ آپ کے سامنے نہیں آپائے۔ شاہ صاحبؒ کی تقریروں میں شیر کی گرج، شاعر کے احساسات اور صوفی و عارف کے اخلاص و سرمستیوں کو بھی شامل کیجئے جب کہیں جا کر ان کی خطیبانہ خصوصیات فہم و فکر کی گرفت میں آسکیں گی۔ شروع سے زندگی کا جو نقشہ انہوں نے تجویز کیا اس سے منحرف ہوئے؟ اور جو خیالات و تصورات کو انہوں نے اپنایا۔ ان کی پوری پوری قیمت ادا کی یا نہیں؟ اس سے بھی زیادہ جو چیز ان کی شخصیت کو نکھارنے والی ہے وہ ان کی بے نظیر جرأت و بے باکی ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس جگرداری کے ساتھ انہوں نے انگریز سے ٹکر لی ہے، جس بہادری اور حوصلہ کے ساتھ انہوں نے قید و بند کی سختیوں کو جھیلا ہے اس کوئی مثال ان کے حریفوں میں تلاش کی جاسکتی ہے۔؟

شاہ جیؒ کی عظمت کا راز ان کی عزیمت میں ہے ان کے ایثار میں ہے، ان کی درویشی

فقر میں ہے، ان کے غنا اور بے نیازی میں ہے۔ ملک سے وفا شعاری میں ہے۔ اور راہ و رسم دوستی کی استواریوں میں ہے۔ شاہ جی اپنی ان خداداد قابلیتوں کے بل بوتے پر اگر پیری مریدی کا کاروبار اختیار کرتے تو لاکھوں ہاتھ بیعت کے لئے آگے بڑھتے اور اگر اپنی اس محبوبیت و شخصیت سے کوئی مالی فائدہ اٹھانا چاہتے تو سیم وزر کی کانیں ان کا خیر مقدم کرتیں۔

دنیا جانتی ہے شاہ صاحبؒ نے یہ دونوں کام نہیں کئے کیا یہی ایک چیز ان کی عظمت کے لئے کافی نہیں؟ ایک اور پہلو سے ان کی زندگی کا جائزہ لیجئے۔

ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ آزادی و حریت کی روشنی کسی ایک ہی دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ یا تخت و اورنگ کی بزم آرائیاں تنہا کسی ایک ہی شخص، یا جماعت کی کوششوں کی رہین منت ہوتی ہیں۔ روشنی کئی دروازوں سے صحن تک آتی ہے اور تخت و اورنگ کی بزم آرائیوں کے پیچھے کئی تاریخی عوامل ہوتے ہیں جو کارفرما ہوتے ہیں۔ اگر واقعاتِ عالم و تاریخ کا یہ تجزیہ صحیح ہے تو پھر حصول پاکستان کی کامرانیوں کا انتساب ان تمام تحریکوں اور شخصیتوں کی طرف ہوگا جنہوں نے براہِ راست یا بالواسطہ۔ انگریزی استعمار کو ختم کرنے کی کوششیں ہیں۔ یا ہندو کی اجارہ دارانہ ذہنیت پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ترتیب اشیاء کو اگر اس انداز سے دیکھئے تو حصولِ پاکستان کے ضمن میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کا حصہ کسی طرح بھی کم اہم نظر نہیں آئے گا، اس لئے کہ:۔ انہوں نے اس وقت انگریز کے قلعہ اقتدار میں شگاف ڈالے۔ جب اس کے خلاف لب کشائی کی جرات کرنا آسان نہیں تھا۔ اس وقت سلطان جابر کے سامنے آزادی حریت کا کلمۂ حق بلند کیا۔ جب اس کے طوق و سلاسل کی گراں قیمت ادا کرنا لازمی تھا۔

پاکیزہ نورانی صورت، نورانی سیرت کی ترجمان

شاہ جیؒ کی پاکیزہ نورانی صورت ان کی پاکیزہ سیرت کی ترجمان تھی...... ان کا شگفتہ چہرہ ان کے کھلے ہوئے اور کھلے دل کا آئینہ تھا۔ ان کی رسیلی آواز، چمکدار آنکھوں سے ان کی طباعی اور ذہانت کا پردہ فاش ہوتا تھا اور ان کے بشرہ کی صفائی ان کے اخلاق کی صفائی اور طبیعت کی ستھرائی کا نشان تھی۔ جس کا ظہور ان کے مجلسی کام اور اجتماعی بیان بلکہ ان کی ایک ایک ادا اور ہیئت کذائی سے ہوتا تھا۔

بے نظیر خطابت' اسلامی مقاصد کی ترجمان

مرحوم کے چھوٹے چھوٹے فقرے طباعی اور ذہانت کے ساتھ بہت سی حقیقتیں اور دل کی صداقتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہوتے تھے۔ جن سے فہیم انسان دور تک پہنچ جاتا تھا۔ ان کی بے نظیر خطابت جہاں اسلامی مقاصد کی ترجمان تھی وہاں اسلامی مدافعت کے لئے مضبوط ترین سپر بھی تھی۔ جماعت احرار کے پلیٹ فارم سے انہوں نے قادیانیت کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دینے کی مساعی انجام دیں وہ اپنی مثال آپ ہی تھیں۔ جماعت احرار کی قیادت کے زمانہ میں سید عطاء اللہ کے ہاتھ میں چمکدار تبر اور منہ میں دو دھاری زبان اور باطن میں جرار قلب تھا جس نے جماعت احرار کی قیادت کرتے ہوئے پنجاب سے قادیانیت کا جنازہ نکال دیا جو پھر نہ اُبھر سکی، قادیانیت کا ابطال درحقیقت ختمِ نبوت کا اثبات تھا اور ختمِ نبوت عطاء اللہ کا ایمان اور ایمان کا بھی تخم تھا، جس سے ایمان کو نشوونما ملتا ہے اس لئے انہیں قادیانیت کو نیچا دکھانے اور اسے زیروزبر کردینے کا ایک خاص شغف تھا۔ باطل ازم اور بھی ہیں لیکن قادیانیت ہمیشہ ان کی تلوار کی نوک پر رہتی تھی۔ کیونکہ اس کی زد اسلام کی اصلی جڑ بنیاد (ختم نبوت) پر تھی۔

سیاسی لائن میں انگریزی قوت کو توڑنے اور ملک کو آزاد کرانے میں ان کی خدمات نہ صرف یہ کہ کسی لیڈر سے کم نہ تھیں بلکہ عام سیاسی ایجی ٹیشنوں اور مقاومت مجہول کے اقدامات میں روح کا درجہ رکھتی ہیں۔ عطاء اللہ نے اپنی جوشیلی اور ہوشیلی تقریروں سے لاکھوں کے مجمعوں کو ہلا ہلا دیا اور برطانوی اقتدار کے ایوانوں میں زلزلے ڈال ڈال دیئے۔ عوام کے ٹھنڈے قلوب ان کی تقریروں سے آتشیں بن کر لوٹتے تھے اور ان کی امروہہ والی تقریر جو جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم پر ہوئی آج تک ضرب المثل کے طور پر یاد کی جاتی ہے جس نے جنگِ آزادی کا ایک نیا موڑ پیدا کیا۔ پھر اردو پارک دہلی کی آتش فشاں تقریریں آج تک اس میدان میں گونج رہی ہیں جہاں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا شوکت علی مرحوم آرام فرما ہیں، اس وقت یہ لوگ بخاری کی تقریروں سے جذباتی روح پیدا کرتے تھے اور آج ان کی تقریروں کی گونج سے جو انہیں کے قیام گاہ پر ہمہ وقت موجزن ہیں عرفانی روح لے رہے ہیں۔

مولانا محمد علی مرحوم کراچی جیل میں محبوس تھے اور کراچی میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس

مولانا آزاد صدارت میں ہوا اس وقت جمعیۃ کی مجلس منتظمین میں حضرت شاہ جی کا پہلا چلبلا پن، تیزی طبع، کنوسینگ کے لئے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر قلبی جذبات کے ساتھ دوڑ دھوپ کا نقشہ گویا آج تک آنکھوں میں ہے۔ اس وقت وہ خلاف معمول ''کھدر'' کا پتلون پہنے ہوئے تھے جو اس وقت کی لیڈرانہ فضا میں تو کھپ رہا تھا مگر شاہ صاحب پر اوپرا معلوم ہوتا تھا اور غالباً بعد میں انہیں بھی اس کا اوپرا پن محسوس ہوا تو پھر کبھی ان پر دیکھنے میں نہیں آیا شاید یہ بار اس پتلون کے لئے پہلی بار ہی تھی اور آخری بار بھی، پھر ہمیشہ انہیں لنگی یا شلوار ہی میں دیکھا گیا اور وہی انہیں زیب بھی دیتی تھی۔

انقلاب سے پہلے جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس کے ایک جلسہ میں میں نے تقریر کرتے ہوئے قطبی کی کوئی مثال پیش کی تھی تو مجھے یاد ہے کہ شاہ صاحب نے قطبی سے قطبیت کے مقام کا ذکر چھیڑ کر اقطاب امت کا تذکرہ شروع کیا اور دریا کی طرح تقریر رواں ہوگئی۔ ان کی تقریروں میں بارہا ایسا ہوا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد خطابت کے اسٹیج پر کھڑے ہوئے خود بھی تقریر میں محو ہو گئے اور سامعین کو بھی از خود وارفتہ کر دیا یعنی عطاء اللہ شاہ بخاری تو اپنے اندر گم ہو گئے اور سامعین ان کی تقریر میں گم ہو گئے، تا آنکہ اس گم گشتگی کو صبح کی اذانوں نے چونکایا کہ رات ختم ہو چکی ہے اور صبح صادق نمودار ہوگئی ہے، نہ سامعین کو رات کی خبر ہوئی، کہ کہاں گئی نہ منتظمین جلسہ کو پتہ چلا کہ وقت کہاں سے کہاں پہنچا اور خطیب کے ہوش میں رہنے کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے۔

حسن صورت ،حسن صوت ،حسن طبیعت

حسن صورت کے ساتھ عطاء اللہ کو خدا نے حسنِ صوت کی دولت بھی عطا فرمائی تھی وہ جب قرآن حکیم کی آیتیں تلاوت کرتے تو ان کے نغمہ قرآنی سے قلوب کھینچ کر گویا باہر آجاتے تھے آواز گونج دار ہونے کے ساتھ بلند بھی تھی اس لئے لاؤڈ سپیکر نہ ہونے کی صورت میں بھی ہجوم واجتماع کی آخری صفیں صف اول ہی کی طرح لذت سماع سے بہرہ یاب ہوتی تھیں۔ اثناء تقریر میں موقعہ بموقعہ اشعار کا ترنم باغ و بہار ہوتا تھا۔ موزون صورت اور موزوں صوت کے ساتھ طبیعت کے غیر موزوں ہونے کے کوئی معنی نہ تھے طبیعت بھی اتنی ہی حسین تھی جتنی صورت و سیرت اور صوت ممدوح موزونیت طبع سے کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے۔ بالخصوص

فارسی کا کلام دلکش ہوتا تھا جس کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ان بے علم خطباء میں سے نہ تھے جن کی خطابت میں علم نہ ہو، یا محض لفاظی ہی ان کی خطابت کا مادہ ہو بلکہ باضابطہ درس نظامی پر مشکوٰۃ شریف تک عبور کئے ہوئے تھے۔ تعلیم و تعلم کے کوچہ سے نا آشنا نہ تھے۔ قدرت کو ان سے خطابت کا اور خطابت کے راستہ سے اسلام کا کام لینا تھا جو تعلیم و تعلم کے راستہ سے نہیں ہو سکتا تھا...... اگر وہ ادھر لگ جاتے تو اس میں لگ جانے کی بھی ان میں صلاحیتیں تھیں۔ مگر دین کی خدمت تعلیم و تعلم میں منحصر نہیں جس راہ سے ان سے کام لیا جانا طے شدہ تھا وہ خطابت کی راہ تھی تو اس کا ان میں میلان پیدا کر دیا گیا

تاہم علمی قوتیں بھی ان میں موجود تھیں اور موجزن رہتی تھیں۔ اس لئے وہ علم کے کوچے سے نابلد نہ تھے۔ قرآن کریم کے مضامین پر بہت خاصا عبور تھا اور اس کے حقائق واشگاف کرنے کا خاص سلیقہ اور ملکہ تھا جس نے من بھر علم کو دہ من کر کے دکھلا دیا تھا۔

بہر حال سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، عالم، عارف، خطیب، شاعر، زعیم، قائد اور درویش صفت انسان تھے جن میں قدرت نے بہت سی خوبیاں ودیعت کی تھیں، وہ دنیا سے کیا گئے کہ بہت سی خوبیاں رخصت ہو گئیں۔

جواہر خطابت

مدح صحابہؓ کے لئے یہ زبان کھلتی تو دلوں پر نقش ہو جاتی، ”میرے غیرت مند بھائیو ایسا نہ ہو کہ تم تلوار اٹھاؤ صحابہ کرام پر اور گھر برباد ہو جائے محمد رسول اللہ کا۔ یاد رکھو! صحابہ کرامؓ دیکھتے وقت دامنِ نبوت اور عصمتِ نبوت کو بھی دیکھ لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ صحابہ کے دامن پر حملہ کرتے وقت دامنِ نبوت تار تار کر دیا جائے۔“

”میں بخاری ہوں، مودودی نہیں ہوں، آج وہ کہتا ہے کہ میں تحریک ختم نبوت میں شامل نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں شامل تھا۔ اگر مودودی شامل نہیں تھا تو میں ان سے حلفیہ بیان کا

مطالبہ نہیں کرتا، صرف یہ مطالبہ کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنے لڑکوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر اعلان کر دیں، سچ جھوٹ سامنے آجائے گا۔ مودودی صاحب تحریک کی ذمہ داری سے ہزار دامن بچائیں۔ لیکن میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ میں تحریک میں شامل تھا۔ جو شامل تھا اس نے سال کاٹی۔ جب میں رہا ہوا تو جیل کی ڈیوڑھی پر آکر کہا کہ جنہوں نے تقریریں کیں وہ رہا ہوئے جنہوں نے سر ہلایا وہ پھنسے رہے کیا یہی ہے دیانت کہ ہزاروں کو مروا کر کہا جائے کہ میں شامل نہیں تھا؟ ارے تم سے تو کافر گلیسکو ہی اچھا تھا، جس نے زہر کا پیالہ پی لیا تھا۔

دلوں کا حکمران

آج خطیب اعظم کی یہ زبان ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی تھی۔ جس شیر نے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے عروج و زوال کا...... دیکھا جہاں حضرت بہاؤ الحق زکریا ملتانیؒ اور شاہ رکن عالم جیسی ہستیاں جلوہ افروز ہوئیں۔ آج اس سرزمین پر ایسا شخص دفن ہو رہا تھا جس نے اپنی خطابت، حاضر دماغی، برجستگی بذلہ سنجی اور قرآن خوانی کی بدولت کروڑوں دلوں پر حکمرانی کی تھی۔ جس نے برطانوی سامراج کو للکارا۔ جرم حریت کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جو شہر شہر قریہ قریہ گاؤں گاؤں غلام قوم کو نغمہ آزادی سناتا رہا۔ جنہوں شاتمِ رسول راج پال کا تعاقب کیا اور علم الدین باعزت نوجوان پیدا کئے۔ آج وہ جسد پیوند خاک ہو رہا تھا۔ ملتان کے حکام نے تاریخی قلعہ میں مرقد کے لئے جگہ پیش کش کی۔ شاہ جیؒ زندگی بھر کبھی سرکار کے زیر بار احسان نہ ہوئے تھے۔ لہٰذا ورثا نے قبول نہ کیا۔

لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ اللہ اللہ کیسی کیسی شخصیتیں پیوند زمین ہوگئیں۔ غالب نے ایسے ہی موقع پر کہا تھا کہ ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانما یہ کیا کئے!

لیلیٰ کے باپ کی خیر

ابصار فکری لکھتے ہیں:

۱۹۵۱ء کے الیکشنوں میں مجلس احرار اسلام نے نہایت جوش وخروش سے اور ہر اُس حلقہ میں زور شور سے کام کیا جہاں مرزائی امیدوار حصہ لے رہے تھے۔ مسلم لیگ نے جناب لیاقت علی خانؒ مغفور کی رہنمائی میں بھی الیکشن کی مہم میں زندگی بھر دی تھی۔ اور مجلس احرار کے اس موٴقف سے مسلم لیگ کے اربابِ اقتدار خوش تھے اور کئی ایسے حلقوں میں حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی معیت میں کام کر رہے تھے۔ قاضی جیؒ!، مولانا محمد علیؒ نے جس ہمت اور خلوص سے کام کیا اس کے سبب ہی ان مخصوص قادیانی اُمیدوار کامیاب نہ ہوسکے۔ یہ اُمیدوار ظفروال، چک جھمرہ، سمبڑیال کے دیہاتی حلقہ پسرور سے حصہ لے رہے تھے۔

الیکشن کے نتائج میں ہر محاذ پر قادیانیوں کو شکست ہوئی۔ اور مجلس احرار اسلام نے یوم تشکر منانے کے لئے بیرون دہلی دروازہ عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ ایک سیشن حضرت لاہوریؒ کی زیر صدارت بعد از نمازِ عشاء منعقد ہوا۔ جس میں حضرت امیر شریعتؒ اور علامہ علاؤالدین صدیقی کی تقاریر ہوئیں۔ شاہ جیؒ قادیانی اُمیدواروں کی شکست سے از حد خوش تھے۔ اور اسی خوشگوار جذبہ سے انہوں نے یادگار تقریر فرمائی کہنے لگے!

”تمہیں ایک بات بتادوں کہ ہندوستان کے معاملے میں قادیانی ہمیشہ مجنوں کا کردار ادا کریں گے۔“

اس کے ساتھ تشریحی طور پر قصہ بیان کیا کہ مجنوں اپنی بستی والوں کو آرام نہیں کرنے دیتا تھا۔ اور ہر وقت جنونی حالت میں لیلیٰ لیلیٰ (استعاراً فرمایا کہ قادیان قادیان) پکارتا رہتا تھا۔ لوگوں کو نہ رات کو سونے دیتا تھا اور نہ دن کو کام کرنے دیتا تھا۔ ہر وقت بس لیلیٰ لیلیٰ کی رٹ لگا تا رہتا تھا لوگ بہت تنگ آ گئے۔ آخر اُس بستی کے معززین اکٹھے ہوئے اور اس مسئلہ کے حل کے لئے سوچنے لگے انہوں نے خیال کیا کہ لیلیٰ کا باپ آخر اپنی دُختر کو کہیں نہ کہیں بیاہ دے گا ادھر قیس اس کا عاشق زار ہے۔ کیوں نہ لیلیٰ کے باپ کے پاس جا کر قیس کے لئے اس

کی دُختر لیلیٰ کا رشتہ طلب کیا جائے۔ اس تجویز کو سب نے قبول کیا۔ اور چند نمائندے قیس کو لیکر لیلیٰ کے باپ کے ہاں پہنچے۔ مردِ قلندر نے اپنی خوب صورت لٹوں کو جھٹکاتے ہوئے، لوگوں کو ہنساتے ہوئے رُلاتے ہوئے آگے فرمایا!

"لیلیٰ کے باپ نے مہمانوں کی دن رات بہت خدمت کی (استعاراً فرمایا کہ قادیان میں ۳۱۳ موجود ہیں) اور ۴/۵ روز کے بعد لیلیٰ کے باپ نے مہمانوں سے ان کی آمد کا مقصد پوچھا۔ تو معززین نے کہا کہ "ہم آپ کی دُختر لیلیٰ کے رشتہ کے لئے حاضر ہوئے ہیں ...... قیس اس کا عاشق زار ہے اور دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں......" اتنا کہنا تھا لیلیٰ کا باپ غصے میں آ گیا کہنے لگا۔ "اس پاگل کے لئے میری لڑکی کا رشتہ...... مجھے ہرگز منظور نہیں ...... اس پر بات بڑھی اور بڑھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ دونوں گروہوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ اور ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے...... (شاہ جیؒ نے اس مرحلہ پر نہایت بلند اور رقت آمیز آواز میں فرمایا) کہ دونوں گروہوں کی لڑائی چھڑتے ہی مجنوں الگ ہو گیا۔ اور پرے ہٹ کر دُعا کرنے لگا یا اللہ لیلیٰ کے باپ کی خیر، لیلیٰ کے باپ کی خیر شاہ جیؒ! نے مجنوں کی یہ دُعا لیلیٰ کے باپ کی خیر کئی بار اپنے مخصوص انداز میں سنائی تو حاضرین بات سمجھ گئے اور فضا "پاکستان زندہ باد" "اللہ اکبر" "امیر شریعت زندہ باد" کے نعروں سے گونج اٹھی...... مردِ قلندر نے فرمایا:

"مجنوں گیا تو اپنے گاؤں والوں کے ساتھ وہاں جا کر لیلیٰ کے باپ کے ساتھ مل گیا اور اپنی بستی والوں کے دشمنوں کی خیر مانگنے لگ گیا۔"

سنو! شاہ جیؒ! نے فقیرانہ وارننگ دی "کہ اگر تم نے قادیانیوں کو اقلیت قرار نہ دیا تو ہندوستان کے ساتھ ہر معاملے میں یہ مجنوں کا پارٹ ادا کریں گے۔

"**لولاک**" لائل پور ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۱ء

ساری زندگی علماء کی پگڑیاں سنبھالتے ہوئے گذاری

شاعر ختم نبوت سید امین گیلانی لکھتے ہیں:

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے چند ماہ قبل غالباً جہلم میں ایک جلسہ پر حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس جلسہ میں راقم الحروف بھی شریک تھا۔ علامہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو حضرت شاہ صاحب کا ذکر چھڑ گیا علامہ صاحب نے فرمایا چند دن ہوئے میں عیادت کے لئے ملتان گیا۔ تو شاہ صاحب جیسے "شیر نیستان" کو عاجز و بے بس بستر علالت پر دیکھ کر جی بھر آیا، میں نے کہا شاہ صاحب خدا آپ کو زندگی اور صحت عطا فرمائے آپ نے بہت کام کیا اور ابھی آپ کی ضرورت ہے۔ تو فرمانے لگے، مولانا میں کس قابل تھا کہ کچھ کام کر سکتا۔ ہاں البتہ ساری عمر علماء حق کی پگڑیاں سنبھالنے میں گذری، شاید یہی ذریعہ نجات ہو جائے یہ بھی محض اس کا فضل و کرم ہوگا۔

علامہ صاحب نے شاہ صاحب کا یہ فقرہ دہرایا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے پھر فرمایا یہ بھی ان کی انکساری کی شان ہے کہ باوجود اس کے کہ ساری عمر جہاد میں گذار دی۔ مگر اس کا اظہار تک گوارا نہیں کیا۔

علماء سے مال لے کر چھابڑی میں رکھ کر صدا لگاتا ہوں

مولانا عبدالمجید صاحب انور ساہیوال فرماتے ہیں:

کہ حضرت شاہ صاحب کی وفات سے قریباً ایک سال قبل ملتان میں مدرسہ قاسم العلوم کا سالانہ جلسہ تھا۔ استاذِ محترم حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ شاہ جیؒ کی عیادت کے لئے

تشریف لے چلے تو میں بھی ساتھ ہولیا۔ مکان پر پہنچے تو بیٹھک میں تشریف فرما تھے پاس ہی حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور دیگر احباب بیٹھے تھے حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت مولانا کو بیٹھک میں قدم رکھتے دیکھا تو معاً اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ چہرہ پر خوشی کے آثار پیدا ہو گئے۔ فرمانے لگے حضرت آج کئی دن کے بعد اٹھ کر کھڑا ہوا ہوں، یہ آپ کی برکت معلوم ہو رہی ہے۔ ورنہ گھٹنے تو جواب دے چکے ہیں۔ پھر وجد کی کیفیت میں مولانا سے مخاطب ہو کر یہ اشعار جھوم جھوم کر پڑھنے لگے۔

صدرا بہ تو حاجت است چوں من صدرا
بدرا، بہ تو رونق است نیک و بدرا
از دیدانِ تو قامتِ من راست شُد
چوں است کنی بلند قدرا قدرا

مولانا عبدالمجید صاحب انوری فرماتے ہیں:

شرکائے مجلس میں سے کسی نے حضرت مولانا بنوری صاحبؒ کے درس قرآن کا ذکر کیا جو اسی صبح مدرسہ قاسم العلوم میں ہوا تھا۔ شاہ جی فرمانے لگے مجھے پتہ دیا ہوتا تو گرتا پڑتا حاضر ہو جاتا۔ آخر میں بھی تو چھابڑی فروش ہوں جب تک زندگی کی رمق باقی ہے یہ دھندا بھی باقی ہے۔ ان ہی حضرات کے ہاں سے مال حاصل کر کے اپنی چھابڑی میں رکھ کر صدا لگا لیتا ہوں۔

مدارس دینیہ دین کی حفاظت کے قلعے ہیں

مولانا عبدالمجید صاحب نے ایک اور واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ شاہ جیؒ مدرسہ خیر المدارس میں تشریف لائے شاہ جیؒ کو اچانک دیکھ کر طلباء کا ہجوم گرد ہو گیا۔ شاہ جیؒ بھی طلباء سے بڑی محبت اور شفقت سے باتیں کرتے رہے پھر مدرسہ کے احاطہ کی طرف نگاہ دوڑائی اور فرمایا مدارسِ دینیہ دین کی حفاظت کے قلعے ہیں۔ ان کی بقا سے دین کی بقا ہے۔ پھر طلباء سے مخاطب ہو کر ایک کیفیت میں یہ اشعار پڑھے۔

از صد سخنِ پیرم یک نکتہ مرا یاداست

عالم نہ بود ویراں تا میکدہ آباد است

تادل کہ تواں برون تا جاں کے تواند داد

دل برون دجاں دادن این ہر دو خدا داد است

گھی لے کر پہنچو جوتے تیار ہیں

مولانا محمد احمد (موضع میاں علی ڈوگراں) ضلع شیخوپورہ نے بتایا ہم ایک دفعہ شاہ جیؒ کی خدمت میں ملتان حاضر ہوئے وہاں ایک شخص کا ملتانی جوتا (کھسہ) بہت پسند آیا شاہ جیؒ نے فرمایا ایسے جوتے بنانے والا ہمارے قریب ہی رہتا ہے۔ ہماری خواہش پر شاہ جی نے اسے بلوا بھیجا ہم نے پاؤں کا ناپ دیا، دوسرے دن جب واپس ہونے لگے تو ہم نے عرض کیا شاہ جیؒ آج کل خالص گھی ملنا دشوار ہے۔ ہم آپ کے لئے جب آئے تو کچھ گھر کا گھی لیتے آئیں گے۔ شاہ صاحبؒ نے منظور کر لیا۔ کچھ دنوں کے بعد شاہ جیؒ کا خط ملا۔

عزیزم مولوی محمد احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

"گھی لے کر پہنچو، جوتے تیار ہیں۔"

والسلام

عطاء اللہ بخاری

جگر پر چوٹ لگائی کہ آنکھیں کھل گئیں

قاری سید غلام رسول شاہ صاحب میانوالی، فرماتے ہیں:

ایک دفعہ حضرت مدنیؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ میانوالی تشریف لائے، صبح ناشتہ پر شاہ جیؒ نے حضرت مدنیؒ سے کہا۔ حضرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ نماز میں جو ایک خاص لذت ہوتی ہے اس سے محرومی ہو جاتی ہے جیسے آج تہجد کے نوافل میں کچھ مزا نہیں آیا۔

حضرت مدنیؒ نے فرمایا دعویٰ عبودیت کے بعد بھی مزے کی تلاش ہے، عبد کا کام یہ

ہے کہ معبود کی عبادت کرتا رہے مزا آئے یا نہ آئے، عبدیت اسے نہیں کہتے کہ مزا آئے تو عبادت کرے نہ آئے تو عبادت نہ کرے یہ عبادت تو نہ ہوئی مزے کی بات ہوئی۔ شاہ صاحبؒ بے اختیار رونے لگے اور فرمایا حضرت! جگر پر وہ چوٹ لگائی کہ آنکھیں کھل گئیں۔

حکماً کوئی چیز منگوا کر پیسے نہ دینا کمینگی ہے

بابو بشیر احمد صاحب چوہان (لاہور) نے بتایا:

کہ میں شاہ جیؒ کی عیادت کے لئے ملتان گیا جب عادت خوشی سے ملے چائے پلائی، کچھ دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ اچھا شاہ جیؒ میں ذرا گھوم پھر آؤں کچھ اشیاء خرید لوں فرمایا بازار جا رہے ہو تو میرے لئے ایک جوڑا جراب لیتے آنا ذرا مضبوط ہو۔ میں بہت خوش ہوا کہ زندگی میں پہلی دفعہ شاہ جیؒ نے فرمائش کی، واپسی پر جرابیں لا کر پیش کر دیں شاہ جیؒ نے پسند فرمائیں پوچھا کتنے کی آئی ہیں میں نے عرض کیا حضرت آپ پیسے رہنے دیں۔ لیکن شاہ صاحبؒ مصر ہوئے اور فرمایا تم پیسے بتاؤ میں تمہیں ایک قیمتی بات بتاؤں گا، میں نے ناچار قیمت بتا دی۔ آپ نے وہ قیمت میری جیب میں ڈال کر فرمایا اب سنو! جس کے پاس کوئی ہدیہ لائے اور وہ شخص ہدیہ رکھ کر پھر اس کی قیمت اسے ادا کرے وہ بھی بڑا کمینہ ہے اور جو شخص کسی سے کہہ کر اپنے لئے کوئی چیز منگوائے اور پھر اس کی قیمت ادا نہ کرے وہ بھی بڑا کمینہ ہے۔

باسی روٹی اور ساگ

○ ...... مولوی غلام محمد صاحب مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت فرماتے ہیں:

کہ ایک دفعہ خوشاب میں جلسہ پر حضرت شاہ صاحب تشریف لائے اور ایک غریب کارکن کی خواہش پر اس کے ہاں قیام کیا جب صبح ناشتہ کا وقت تھا تو اسے بلا کر فرمایا یار مدت ہوئی رات کی باسی روٹی اور ساگ کا لطف نہیں لیا آج وہی کھلاؤ لطف آ جائے گا۔ میری بیٹی سے کہو ساگ بنا کر کھلائے میزبان نے ایسا ہی کیا جب کھانا آیا شاہ جیؒ ہر لقمے پر تعریف کرتے فرماتے کیا مزیدار ساگ ہے بھئی مزا آ گیا بڑی مدت کے بعد یہ نعمت حاصل ہوئی اللہ میری بیٹی کو خوش رکھے میزبان تعریف اور دعائیں سن کر پھولا نہیں سماتا تھا۔ اور حقیقت یہ تھی کہ

شاہ جیؒ نے اس کے حسب حال فرمائش کر کے اس کو زیر باری اور تکلیف سے بچالیا۔

میری گھگھری نوں گھنگھر ولوا دے تو میری ٹور ویکھنی

○...... مولانا مقبول احمد صاحب (جامعہ رشیدیہ منٹگمری) فرماتے ہیں:

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اور ادھر حضرت امیر شریعت بھی باوجود بیماری کے اپنے مرشد حضرت رائے پوریؒ کی ملاقات کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ ان دنوں جمال عبدالناصر نے شدید جنگ کے بعد فرانس اور برطانیہ سے نہر سویز واپس لے لی تھی اور ان کو ذلت کے ساتھ وہاں سے فرار ہونا پڑا تھا۔ انگریز کی اس شکست فاش پر شاہ جیؒ بڑے خوش تھے ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت دین پوریؒ سے فرمانے لگے حضرت دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے ایک دفعہ پھر بولنے کی قوت عطا فرما دیں تو میں اپنے وطن والوں کو بتاؤں کہ اہل مصر نے کس طرح ذلیل کر کے فرنگیوں کو نہر سویز سے بے دخل کر دیا۔

ایک دفعہ ان کی ذلت و خواری کا نقشہ کھینچ کر دکھاؤں کہ میرے اللہ نے انہیں کس طرح خاسر و رسوا کیا۔ پھر حضرت مرشد کا گھٹنا تھام کر ایک عجیب کیفیت میں فرمایا حضرت جی میری قوتِ گویائی کے لئے دعا فرمائیں پھر دیکھئے اور جھوم جھوم کر پنجابی کا یہ مصرع دہرانے لگے "میری گھگھری نوں گھنگھر ولوا دے جے توں میری ٹور ویکھنی۔ حضرت جی میری گھگھری نوں گھنگھر ولوا دے جے توں میری ٹور ویکھنی (یعنی) اگر یہ دیکھنا ہو کہ میں کیسی بانکی تال پر چلتی ہوں تو میرے لہنگے کو گھنگھر ولگوا دو"۔

احسان دانش کی ایک غزل پر سر دھنتے رہے

تقسیم سے قبل ہندو مسلم فسادات کا دور دورہ تھا، شاہ جیؒ لاہور دلی دروازے مجلس احرار اسلام کے دفتر میں تھے راقم الحروف بھی دفتر گیا شاہ جی سے ملا تو فرمایا آؤ بھائی گیلانی آج تمہارے استاذ یعنی (حضرت احسان دانش) کی غزل نے بڑا مزا دیا واہ بھئی واہ، واقعی استاذ ہیں پھر وہ روزنامہ سامنے پڑا تھا جس کے سرورق پر وہ غزل تھی بڑے مزے سے پڑھ کر سنائی ہر شعر پر سر دھنتے اور داد دیتے۔

وہ شاخِ گل پہ زمزموں کی دھن تراشتے رہے
نشیمنوں پہ بجلیوں کا کارواں گزر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گذر گیا
نفس نفس پہ رحمتیں قدم قدم پہ برکتیں
جدھر جدھر سے وہ شفیع عاصیاں گذر گیا

ان اشعار کو خصوصاً کئی کئی بار پڑھا، باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک کسی ضروری کام کے لئے شاہ جیؒ کو اٹھ کر دوسرے کمرے میں جانا پڑا میں موقع پا کر جلدی سے مکتبہ دانش سے احسان دانش صاحب کو ساتھ لے کر دفتر میں پہنچا تو دیکھا کہ شاہ صاحب اندر والے کمرے کے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑے ہیں دونوں ہاتھوں سے اوپر والی چوکھٹ کو تھامے بار بار یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گذر گیا

ہم ایک دو منٹ خاموشی سے کھڑے رہے پھر احسان صاحب نے بلند آواز سے السلام علیکم کہا، شاہ جیؒ فوراً پلٹے اور وعلیکم السلام کہہ کر حضرت احسان سے لپٹ گئے اور میری طرف دیکھ کر فرمایا اچھا ستارہ سحر، سحر کو بھی لے ہی آیا۔ بھئی تم احسان کو لے آئے مجھ پر احسان کیا، اب کچھ وقت خوب گذرے گا پھر کافی دیر تک احسان صاحب سے کلام سنتے رہے۔ اور والہانہ داد دیتے رہے۔

حضرت شرق پوریؒ کی خدمت میں

راقم الحروف کو ایک دفعہ شاہ جیؒ نے حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرق پوری سے ملاقات کا واقعہ سنایا۔

فرمایا ایک روز میں شیخ حسام الدین صاحب اور غازی عبدالرحمن صاحب ایڈووکیٹ امرتسری شرق پور حضرت میاں صاحبؒ کی زیارت کو گئے ملاقات ہوئی تو پوچھا کیسے آئے، غازی صاحب نے کہا زیارت کے لئے، تو اس پر سخت ناراض ہوئے پھر ایک اور ملنے والے شخص نے "پیر جی" کہہ کر مخاطب کیا تو ان سے بھی سخت ناراض ہوئے اور اٹھ کر چلے گئے میں نے ایک شخص سے پوچھا حضرت اب کب تشریف لائیں گے تو اس نے کہا پتہ نہیں، میں نے یہ سن کر کہا ابھی آئیں گے اور انشاء اللہ ضرور آئیں گے۔ یہ کہہ کر میں نے توجہ دی تو میاں صاحب فوراً تشریف لے آئے اور آتے ہی میرے زانو کے ساتھ زانو ملا کر بیٹھ گئے اور پھر پوچھا کیسے آئے ہو میں نے کہا کہ اگر، پھر یہی عرض کیا کہ زیارت کو تو آپ ناراض ہوں گے، مگر میاں صاحب نے بڑی نرمی کے لہجہ میں فرمایا نہیں، اب نہیں ہوں گا۔

شاہ جیؒ فرماتے ہیں میں نے پھر کہا کہ صفائی قلب کے لئے حاضر ہوا ہوں میاں صاحب نے میرا نام پوچھا میں نے کہا عطاء اللہ سن کر یک دم وجد میں آ گئے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے مستی کے عالم میں بیسیوں دفعہ فرمایا "بڑا نام ہے" "بڑا نام ہے" پھر کچھ دیر کے لئے مراقبہ میں چلے گئے۔ پھر میں نے کہا حضرت یہاں تو اس جھٹکے کی ضرورت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا میں "اکفر الناس "ہوں، یہ دل بڑا کافر ہے اسے ویسا ہی جھٹکا دیں تو بات بنے گی۔ حضرت میاں صاحب پھر مراقبہ میں چلے گئے کچھ دیر کے بعد سر کو اٹھا کر فرمایا میرے بس میں ہوتا تو ایسا ٹھیک کرتا کہ دنیا دیکھتی، مگر ہائے میرے بس میں نہیں۔ بالآخر ہم اجازت لے کر واپس ہوئے ایک دفعہ راقم الحروف ملتان شاہ جیؒ کی خدمت میں بیٹھا تھا ایک شخص نے دعا کے لئے درخواست کی، فرمایا میں خود ایک عرصہ سے بیمار ہوں اگر میری دعا سے کام بنتا تو اپنے لئے کر چکا ہوتا۔ اس کے اصرار پر فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے "رَبِّ اغْفِرْ لِي" تم بھی یہی دعا کیا کرو پھر تشریح فرمانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم "رَبِّ اغْفِرْ لِي" جب کہتے تو اس کا کیا مطلب ہوتا تھا۔ فرمایا "غفر" کا مطلب ہے پردہ یا ڈھانپنا تو میاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی "رَبِّ اغْفِرْ لِي" کے معنی یہ تھے کہ میرے اور گناہوں کے درمیان پردہ ڈال دے نبی معصوم ہوتے ہیں اس لئے وہاں گناہ کا تصور تک ناگوار

ہے، اس لئے اپنے اور گناہوں کے درمیان پردہ ڈال دینے کی التجا ہے اور ہمارے لئے "ربِّ اغفرلی" کے معنی ہیں جو گناہ ہو چکے ان کو ڈھانپ دے ان پر پردہ ڈال دے یعنی معاف کر دے۔ انبیاء کا مقام اور ہے "معصومیت" وہاں اس کے معنی بھی اور ہیں۔ ہمارا مقام اور ہے لہٰذا مغفرت کے معنی اور ہیں۔

زندوں اور مردوں کے درمیان سفارت کار

ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز مدیر "ایشیا" لکھتے ہیں:

ایک روز کا ذکر ہے کہ مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ (حضرت شیخ الہندؒ) کے انتقال کے غم انگیز سانحے کی اطلاع سے گجرات کے درودیوار پر غم اور افسردگی کی تاریکی چھا گئی۔ اعلان ہوا کہ شہر کے باہر آزاد ہائی اسکول کی مسجد میں فاتحہ خوانی کے لئے مسلمان جمع ہوں، وہاں میں بھی تھا۔ قرآن خوانی کے بعد یکا یک ایک صاحب مجمع میں کھڑے ہو گئے، چھریرہ بدن، نوجوان، سر پر کھدر کی پگڑی، خلافتی کرتہ، کندھے پر رومال، ہاتھ میں ڈنڈا، روشن آنکھیں، چھوٹی سی داڑھی، وہ پاٹ دار آواز میں خطبہ پڑھنے لگے خطبے کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرے کو تکرار کے ساتھ اس خوش الحانی کے ساتھ پڑھا کہ تمام مجمع پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی، میں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ یہ لحن اور قرآن پڑھنے کا یہ انداز دیکھا تھا، قاری نے لوگوں سے کہا کہ آپ نے جتنا قرآن مجید پڑھا ہے کیا مجھے اجازت ہے کہ اسے مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی روح پاک تک پہنچانے کے لئے اللہ پاک سے دعا کروں لوگوں نے خوشی سے یہ خدمت سپرد کی۔

میں نے پاس کے ایک دوست سے پوچھا یہ کون ہیں جو زندوں اور فوت شدوں کے مابین سفارت کے فرائض ادا کر رہے ہیں جواب ملا یہی تو ہے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، میں نے کہا خوب!

مولانا عزیز ہی آگے چل کر فرماتے ہیں:

عجیب بات یہ ہے کہ شاہ جیؒ کو اپنے کمال فن پر ناز ہے نہ فخر نہ غرور غالباً ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے میں فیروز آباد ضلع آگرہ سے بمبور آ رہا تھا گجرولے کے اسٹیشن پر گاڑی بدلنی پڑتی تھی۔ میں اپنا سامان دوسری گاڑی میں رکھوا کر کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا کہ کچھ فاصلے پر ایک "دعا

روڑا'' نظر پڑا جو خاکی شلوار اور کتھئی کرتا پہنے سر پر پٹکا لپیٹے سامان سے لدا پھندا چلا آ رہا ہے۔ ایک ہاتھ میں جستی چادر کا سوٹ کیس اسی بغل میں بستر دوسرے میں لوٹا اور لمبے دستے کی کلہاڑی میں حیران تھا کہ یو۔ پی کے اس نواح میں یہ پٹھان کہاں سے آ گیا۔ قریب آیا تو معلوم ہوا حضرت شاہ صاحبؒ ہیں علیک سلیک مصافحے اور معانقے کے بعد میں نے کہا شاہ جیؒ بجنور کے لوگ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں فوراً فرمایا مجھے کون یاد کرتا ہے پھر گول مول سرخ اور نوکدار زبان دکھا کر فرمایا سب اس کم بخت کو یاد کرتے ہیں میں اس باکمال محبوب اور سحر انگیز واعظ کے اس فقرے سے متاثر بھی ہوا اور افسردہ بھی، شاہ صاحبؒ کے انکسار سے اور افسردہ قوم کی بدمذاقی کے باعث......

سکھوں کے گوردوارے میں قرآن سنایا

● ...... مولانا عبداللطیف صاحب خطیب جامع مسجد گنبد والی (جہلم) فرماتے ہیں:

کہ ایک دفعہ کچھ لوگوں نے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو کھیالہ سیداں، منڈی بہاؤالدین کے قریب ایک قصبہ ہے وہاں وعظ کے لئے بلوایا، جلسہ سے قبل ہی جلال پور کے پیر فضل شاہ صاحب نے لوگوں کو اکسایا کہ یہاں وہابی کا وعظ مت ہونے دو، بخاری وہابی ہے وہ آ رہا ہے لوگوں کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالے گا۔ لہٰذا کچھ بھی ہو جائے اس کا وعظ مت ہونے دو۔ لوگ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔

جس تاریخ کو وعظ ہونا تھا شاہ صاحبؒ حسب وعدہ منڈی بہاؤالدین اترے تو اس وقت تک پریشانی اور خطرہ کے باعث داعی اڈہ پر شاہ جیؒ کو لینے نہیں آئے تھے۔ کچھ وقت گزرا تھا کہ چند داعیان گھبرائے ہوئے پہنچے اور عرض کیا کہ شاہ جی وہاں تو یہ قصہ ہو چکا ہے شدید خطرہ ہے اس لئے مجبور ہیں کہ جلسہ ملتوی کر دیں۔ شاہ جیؒ نے فرمایا تم مجھے ٹانگہ میں بٹھا کر پہلے روانہ کر دو اور خود پیچھے آؤ تم پر کوئی ذمہ نہیں اگر وہ وعظ کہنے پر ماریں گے تو میں مار کھاؤں گا اگر مسلمان قرآن نہیں سنیں گے تو میں وہاں کے سکھوں کو سنا کر آؤں گا شاہ جی تانگہ میں بیٹھے شاہ جیؒ کی جرأت کو دیکھ کر وہ لوگ بھی اللہ کے بھروسے پر ساتھ چل پڑے۔ جب آگے آگے شاہ صاحب گاؤں پہنچے تو وہاں ایک گروہ فساد کی نیت سے کھڑا تھا شاہ جی نے گرج دار آواز میں

کہا۔" السلام علیکم"

دوسری طرف ساتھ ہی کچھ سکھ بغرض تماشہ کھڑے تھے۔ شاہ جیؒ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں قرآن سنانا چاہتا ہوں گوردوارہ میں کچھ دیر کے لئے جگہ دو گے خدا کی قدرت سکھوں نے خوشی سے منظور کیا اور شاہ صاحبؒ کو ساتھ لے کر گوردوارہ میں چلے گئے پہلے سکھ تماشائی تھے اب مسلمان تماشائی کی حیثیت سے یہ دیکھتے کہ یہ گوردوارہ میں کیسے قرآن سنائیں گے۔ وہاں تک چلے گئے شاہ جیؒ نے قرآن سنایا سکھ ادب سے سننے لگے پھر نور بھری والا قصہ سنایا، شاہ صاحبؒ کے خلوص نے وہ اثر کر دیکھایا کہ اب سب مسلمان نادم تھے۔ اور آنسو بہار ہے تھے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی حرکت پر معذرت خواہ ہوئے اور حضرت شاہ صاحبؒ کامیاب و کامران واپس لوٹے۔

"ولاتنابزوا بالالقاب" کی تشریح

● ...... جناب ابو بکر شبلی لکھتے ہیں:

میانوالی جیل کا ایک واقعہ یوں ہے، ایک دن سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ "ولا تنابزوا بالالقاب" کی تفسیر کے سلسلہ میں بیان کر رہے تھے کہ کسی کی چڑ مقرر کرنا بھی تنابز ہے۔ اسی تعلق میں انہوں نے ایک تحصیلدار کا ایک واقعہ (جو کہ شلجم کے اچار سے چڑتے تھے) سنایا۔ ہم نے شاہ صاحبؒ کا یہ لطیفہ پلے باندھا اور دو تین دن کے بعد سازش کی سب سے پہلے صوفی صاحب (صوفی اقبال پانی پتی) شاہ جیؒ کی کوٹھڑی کے دروازے سے پہنچے اور انگشت شہادت کی پہلی پوری کی جڑ سے انگوٹھا لگا کر شاہ جیؒ سے پوچھا "حضرت آپ کے پاس پن ہے" شاہ صاحب نے جواب دیا نہیں بھائی۔ ایک منٹ کے بعد لقاء اللہ پہنچے "کیوں شاہ جیؒ پن ہے؟ شاہ جیؒ نے جواب دیا نہیں بھائی میرے پاس پن نہیں ہے" پھر میں پہنچا، شاہ جی پن ہے، شاہ جیؒ اب ذرا تیز ہوئے ارے تم لوگوں کے کیا ٹانکے ٹوٹ گئے۔ اتنے میں ایک اور پہنچ گیا" کیا شاہ جیؒ پن ہوگی؟ غرض دو تین سائل اور جو پہنچے تو شاہ صاحبؒ بالکل آپے سے باہر ہو گئے اور ہمیں وہ ناشنیدہ ملاحیاں سنائیں کہ ہم انگشت بدندان تھے:

حضرت شاہ جیؒ کی آواز میں قدرت نے عجب رس بھرا تھا ترنم سے غزل یا نعت پڑھتے

تو لوگوں پر جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی تلاوت قرآن کرتے تو کل کائنات ہمہ تن گوش ہو جاتی اور تقریر کرتے تو لوگ مسحور ہو جائے دل کی گہرائی سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد آپ نے نہ راشن کارڈ بنوایا اور نہ مکان الاٹ کروایا تا حیات کرایہ کے مکان میں رہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کسی سے کچھ نہیں مانگا کرتا۔ سوائے خدا کے میں نے مالک حقیقی کے سوا کسی کے سامنے فدوی بن کر درخواست نہیں گزاری اب کونسی ایسی ضرورت ہے جو مالکِ حقیقی سے منہ موڑوں یہ تھے وہ مردِ درویش حضرت امیر شریعتؒ۔

ہفت روزہ " لولاک " ۷ رجولائی ۵۷ء

ایک عہد ایک ادارہ، ایک انجمن

۞...... آغا شورش کشمیریؒ لکھتے ہیں:

فی الحقیقت وہ ایک عہد، ایک ادارہ، ایک انجمن، اور ایک تاریخ تھے۔ گفتگو طرازی میں ان کا مثیل ملنا مشکل ہے، وہ خاص صحبتوں میں بالکل ایک ادیب، ایک فقیر ایک شاعر، ایک درویش، ایک متکلم، ایک صوفی، ایک نقاد، ایک عالم اور ایک دوست ہوتے تھے۔ ان میں سے جس تار کو بھی چھیڑ لو، وہی نغمے پھوٹنے لگتے...... پھر گلفشانیِ گفتار، بہار کی طرح پھیلتی چلی جاتی تھی۔ ایک نقص یہ ضرور تھا، کہ اپنی گفت گو لکھنے نہیں دیتے تھے۔ حکمتوں اور بذلہ سنجیوں میں تو وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد تھا، کہ...... شاہ جی کی باتیں عطاء الٰہی ہوتی ہیں۔

پالیٹکس کے مفہوم میں سیاست فرنگی کی ایجاد

1 ۞...... شاہ جیؒ کی ساری زندگی سیاسیات کے چکر میں بسر ہوئی، گو عمر کا غالب حصہ دین ہی کی خدمت میں گذارا، مگر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سیاسیات سے دستبردار ہونے کی خواہش کے باوجود چودہ اگست 1947ء تک اپنے آپ کو سیاسیات سے الگ نہ کر سکے، لیکن شہید گنج کے انہدام کے بعد اُن کا یہ عقیدہ پختہ ہو چکا تھا، کہ سیاسیات کا مطلب فتنہ خیزی، فتنہ پروری اور فتنہ انگیزی ہے...... فرماتے، سارے قرآن میں، پالیٹکس کے مفہوم میں سیاست کا لفظ نہیں؟ اس کے معنی ہی مکر کے ہیں۔ اور فرنگی مقامروں کی ایجاد ہے۔ جس کا مطلب ہی فریب دہی ہے...... سیاسیں کے وعدے پورا ہونے کے لئے نہیں کئے جاتے، بلکہ ٹالنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ پر کبھی تقریر نہیں کی

2 ...... حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کبھی تقریر نہیں فرمائی۔ اُن جیسا لسان جو خطابت کے سحر سے وقت کو گوش بر آواز کر لیتا تھا سانحہ کربلا پر بولنے سے طرح دیتا رہا۔ کئی دفعہ دوستوں نے اصرار کیا، کہ عاشورہ کے دنوں میں سانحہ کربلا پر تقریر فرمایئے، انکار ہی کرتے رہے۔ ایک دن میں نے سبب پوچھا، تو کہا...... کس طرح بیان کروں کہ نانا کا کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں نواسوں پر کیا بیتی؟ مجھ میں حوصلہ نہیں کہ اس سانحہ کو بیان کر سکوں...... اپنے اندر طاقت نہیں پاتا البتہ اپنے حال پر غور کر کے دل کو تسلی دے لیتا ہوں، کہ مسلمانوں کی ''پرانی سنت'' (عادت) ہے۔

3 ...... جن دنوں بعض سیاسین کی بدولت مدح صحابہ اور تبرا ایجی ٹیشن کا زور بندھا ہوا تھا۔ شاہ جیؒ نے دہلی دروازہ کے باہر ایک عظیم الشان جلسہ کو خطاب کیا، اور فرمایا قدح صحابہ کرنے والو، خدا کے خوف سے ڈرو۔ اتنے میں کسی نے دُور کونے سے آواز دی۔

> ''شاہ جی! خدا کا خوف کریں۔ سید ہو کر خلافت کے غاصبوں کی (معاذ اللہ) مدح کرتے ہو۔''

بس یہ ایک جملہ بخاری کو جلال پر لے گیا۔ فرمایا کیا کہتے ہو؟ میں علی کا بیٹا ہوں، اور صدیق، عمر، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مدح کرتا ہوں، پہلے بھی کرتا رہا ہوں، اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا، تم کون ہو؟ ہائے وہ لوگ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جگہ ملی ہو، تم انہیں گالی دیتے ہو۔ ظالمو! حشر کے دن آقا کو کیا جواب دو گے؟ پھر اس کے بعد خلفائے راشدین کے فضائل ومناقب پر وہ تقریر کی کہ جیسے شہپر جبرئیل ان کی خطابت کا ہالہ کئے ہوئے تھے۔

علی رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ میں فرق

4 ...... کسی شیعہ نے سوال کیا۔ ''علی رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ میں کیا فرق ہے فرمایا، بڑا فرق ہے، علی رضی اللہ عنہ مرید تھے، عمر رضی اللہ عنہ مراد حضور ﷺ نے خود ان کی آرزو کی، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی میں علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہوں۔ نفس (جی) میرا بھی چاہتا ہے کہ سب کچھ انہیں کی جھولی میں ڈال دوں، مگر عمر رضی اللہ عنہ چھوڑتے نہیں، وہ خود منواتے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ کو نکال دو، اور سوچو کہ تاریخ اسلام

میں رہ کیا جاتا ہے؟

5 ...... درگاہ امام ناصر جالندھر کے جلسے میں کسی نے اس وقت کے اختلافی مسئلے زیارت قبور کا مسئلہ چھیڑ دیا، مخالفوں نے شاہ جی کے بارے میں مشہور کر رکھا تھا کہ وہابی ہیں سوال کیا گیا، کہ آپ کا زیارت قبور کے بارے میں کیا خیال ہے، فرمایا۔

اپنے اپنے ظرف اور ذہن کی بات ہے۔ کچھ لوگ انگور نعمتِ خداوندی سمجھ کر کھاتے ہیں، کچھ اس میں شراب نکالتے، اور عقل کی بازی بدلتے ہیں ...... میں بھی اس مزار کی زیارت کر کے آیا ہوں، اور تم بھی زیارت کرتے ہو، میں خدا کے فضل و کرم سے کچھ لے کر آیا ہوں، اور تم ایمان میں سے کچھ دے کر آتے ہو۔ ع

سبُو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

سیرت کا موضوع نازک

6 ...... سیرت کے ایک جلسہ میں فرمایا: یہ بڑا نازک مضمون ہے سیاسی تقریر ہو، ایک آدھ جملہ نیچے اوپر یا اِدھر اُدھر ہو جائے، تو ڈر نہیں لگتا، زیادہ سے زیادہ قید ہو جاتی ہے۔ سال، دو سال پانچ سال، لیکن سیرت یا حدیث کے مضمون پر بولتے ہوئے ایک آدھ جملہ بھی کم و بیش ہو جائے، تو ایمان کا ضیاع ہے، اور دوزخ کی آگ، اس میدان میں بخاری بزدل ہے جہنم کے قید خانے کی تاب اس میں نہیں ہے۔

حضور ﷺ کی بشریت کا انکار کیا جائے تو سادات کس کی اولاد ہیں

7 ...... حضور ﷺ کی بشریت کے منکرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"**بھائی لوگو!** آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو، اور بٹیروں کی بھی ...... لیکن ایک ہم سید ہی ایسے ہیں، کہ جن کی نسل نہیں، حضور ﷺ کو تم بشر نہیں مانتے ہو، تو پھر ہم کس کی اولاد ہوئے؟

8 ...... فرمایا: (بحوالہ مولانا قاری محمد طیبؒ) علماء اسلام کی پولیس ہیں، ان کا فرض ہے کہ قانون کا احترام کرائیں۔ اہل حال بزرگوں کو جو کچھ کہنا ہے، اپنے تک محدود رکھیں۔ اگر وہ کھلم کھلا

قانون اسلام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے، تو ہم انہیں پکڑ لیں گے، خواہ عدالت میں چھوٹ ہی جائیں۔

سماع موتی سے متعلق عجیب و غریب جواب

9...... کسی نے سوال کیا...... شاہ جیؒ یہ مردے سنتے ہیں کہ نہیں، فرمایا، "سنتے ہوں گے جن کی سنتے ہوں گے، ہماری تو زندے بھی نہیں سنتے ہیں۔"

☆...... اس نے دوسری مرتبہ پوچھا آپ نے فرمایا جب ہم مریں گے تو پتہ چل جائے گا اگر سن لیں گے تو اور بھی سنتے ہوں گے۔ اس کی پھر بھی تسلی نہ ہوئی اس نے چوتھی مرتبہ مذکورہ بالا سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا مردے تین قسم پر ہیں۔ جو ہر وقت یا ہر جگہ سے، ہر حال میں سنتے ہیں بعض وہ ہیں۔ جو کسی وقت کسی حالت میں، کسی جگہ سے نہیں سنتے۔ تیسرے وہ ہیں جو کبھی کبھی سن لیتے ہیں اور کبھی نہیں سنتے۔ جب اس نے وضاحت طلب کی تو فرمایا:

☆...... کہ بریلویوں کے مردے ہر وقت، ہر حالت میں، ہر جگہ سے سنتے ہیں۔ غیر مقلدوں کے کسی وقت، کسی حالت میں، کسی جگہ سے نہیں سنتے، دیو بندیوں کے کبھی کبھی سن لیتے ہیں اور کبھی کبھی نہیں سنتے۔ (عجیب قسم کی تعریف ہے)......

حاضرین ہنس پڑے مسئلہ ختم ہو گیا۔

10...... موری دروازے کے باہر کندن شاہ کا تکیہ ہے جسے عام لوگ۔ گھدو شاہ کہتے ہیں، اس سے پیوست کبھی ایک باغ تھا، جہاں کانگریس کے جلسے ہوتے تھے، سائمن کمیشن کے زمانے میں شاہ جیؒ نے یہاں ایک تقریر کی...... سرکاری لوگوں نے اس تکئے کے چرسیوں، بھنگیوں اور سلفہ بازوں کو رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لئے اُکسایا، وہ سلفہ کا کش کھینچ کر یا علی مدد کے نعرے لگانے لگے.....

☆...... شاہ جیؒ نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔ او چرسیو! یہ غلاظت پی کر میرے باپ علی رضی اللہ عنہ کا نعرہ کیوں لگاتے ہو؟ کیا تمہارے باپ دادا نہیں ہیں......

(کیا بات کس شگفتگی سے کہی ہے۔)

11...... ایک وکیل نے رمضان کے دنوں میں شاہ جی سے بزعم خویش مذاق کرتے ہوئے

کہا حضرت علماء تعبیر و تاویل میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمایئے کہ آدمی کھاتا پیتا رہے، اور روزہ بھی نہ ٹوٹے...... فرمایا سہل ہے، قلم و کاغذ لے کر لکھو!

''ایسا مرد چاہیئے، جو اس وکیل صاحب کو صبح صادق سے مغرب تک جوتے مارتا جائے، یہ جوتے کھاتے جائیں اور غصے کو پیتے جائیں اسی طرح کھاتے جائیں اور پیتے جائیں۔''

☆...... فرمایا۔ جاؤ اس طرح کھاتے پیتے رہو، روزہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔

چندہ کھاتے ہیں، سور تو نہیں کھاتے

12﴾...... اسلامیہ کالج کے طلبہ نے کہا۔ شاہ جی، کالج میں داڑھی رکھ کر جانا مشکل ہے فرمایا'' ہاں بھائی اسلامیہ کالج میں مشکل ہے خالصہ (سکھوں کا) کالج میں آسان ہے۔''

☆...... مسلم کانفرنس کے ٹوڈیوں کا زمانہ تھا کسی تحریک میں لوگ جیل جا رہے تھے۔ شاہ جی، مولانا ظفر علی خاں کی صدارت میں تقریر کر رہے تھے۔ ''زمیندار'' کی ضبطی پر چندہ کی فراہمی کا ذکر آ گیا۔ ایک شخص نے دور سے کہا یہ چندہ کھا جاتے ہیں۔

☆...... فرمایا بھائی چندہ ہی کھاتے ہیں، سور تو نہیں کھاتے، اور مجمع زعفران ہو گیا...... پھر فرمایا:

☆...... ''ان تنظیموں کو چندہ دو، یہ لوگ قربانی کے بکرے ہیں۔ کھائیں گے تو جیل جائیں گے، پھانسی پر چڑھیں گے۔ قربانی کے بکروں کو بھوکا مارنا چاہتے ہو''......

☆...... کسی نے کہا شاہ جی! مجلس کے بعض لوگ اب لیگ میں چلے گئے ہیں، یعنی اس سے تعاون فرما رہے ہیں۔ فرمایا، ہاں بھائی، کچھ حسینؓ کے پیروکار تھے۔ کربلا میں ذبح ہو گئے کچھ حسنؓ کے پیروکار ہیں، انہوں نے صلح و آشتی کی راہ اختیار کی، دونوں کے اسوۂ حسنہ کی پیروی ہو گئی پاکستان بن جانے کے فوراً بعد راولپنڈی میں کسی دینی جماعت کا ایک جلسہ تھا۔ شاہ جیؒ بھی مدعو تھے۔ راجہ غضنفر علی خاں تب وزیر تھے، اور جلسہ کے صدر انہوں نے شاہ جی کو دعوت تقریر دیتے ہوئے کہا کہ:

☆...... شاہ جیؒ جس لیگ کے مخالف تھے، اسی لیگ نے انہیں پناہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ طنزیہ جملہ تھا، شاہ جی نے اٹھتے ہی جواب دیا...... ہاں بھائی، یہ پناہ آج سے نہیں مل رہی۔ اس کی بڑی لمبی تاریخ ہے، میرے ابا کو بھی پٹنے کے بعد تمہارے ابا کے گھر میں پناہ ملی تھی۔

☆...... اور مجمع پر یکا یک سناٹا چھا گیا۔ فرمایا، ہمارے ہاں نوجوانوں کا عجیب مزاج ہو گیا ہے، بلکہ فطرت...... جولڑکا میٹرک میں فیل ہوتا ہے۔ باٹا شو کمپنی میں سیلز مین ہو جاتا ہے یا سی، آئی، ڈی کے ملائکہ، مقدسین کا انفارمر بن کر ٹاپتا پھرتا ہے۔ ختم نبوت کی تحریک کے دنوں میں سندھ کی کسی جیل میں محبوس تھے، ایک بہت بڑا سرکاری افسر ملنے کے لئے گیا باتوں باتوں میں کہنے لگا...... شاہ جی، اب اسلامی حکومت ہے، پہلے جیل جاتے تھے، تو لوگ قدر کرتے تھے، اب تو وہ دن نہیں رہے، لوگ بھول جائیں گے...... چھوڑیئے اس قضیہ کو، باہر آ کر کوئی اور کام کیجئے۔ فرمایا ٹھیک ہے بھائی، لیکن میں کبھی لوگوں کے لئے جیل نہیں گیا۔ میں تو اسلام اور آزادی کے لئے جیل جاتا ہوں۔ رہا اسلامی حکومت کا سوال تو مجھے تم سے اتفاق ہے۔ مگر یہ نہ بھولو، کہ اسلامی حکومتوں میں کچھ لوگ جیل میں رہا کرتے ہیں اور کچھ لوگ تخت پر کچھ گوالیار کے قلعہ میں، کچھ دہلی کے قلعہ میں۔

☆...... کسی نے ایک بڑی گدی کے سالانہ عرس میں سوال کیا، مزاروں کے بارے میں کیا رائے ہے، فرمایا...... میں اس سوال کی بنیاد کو سمجھتا ہوں۔ بہر حال ایک مزار اقدس میرے آقا، میرے ہادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ طیبہ میں بن چکا ہے، اب دوسرا مزار میرے نزدیک شرک فی النبوۃ ہے۔[1]

مجموعہ محاسن

۞...... مولانا تاج محمودؒ لکھتے ہیں:

شاہ جی کی ذاتِ گرامی بے شمار محاسن کا مجموعہ تھی۔ وہ نظر بہ ظاہر ایک انسان تھے۔ لیکن حقیقت میں قدرت نے انہیں کئی انسانوں کے کمالات و اوصاف سے نوازا تھا۔ وہ عشق رسول ﷺ میں ڈوبے ہوئے عالم۔ بے مثال مفسر قرآن۔ فصیح اللسان مبلغ اسلام۔ بڑے دل گردے کے مجاہد۔ ہمہ تن ایثار۔ سراپا اخلاص۔ وجیہہ صورت۔ مضبوط ڈیل ڈول۔ سرفروش غازی۔ سحر طراز مقرر۔ انقلاب انگیز خطیب۔ پر سوز قاری۔ باخدا مرد مومن اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک عظیم انسان تھے۔

---

1 چٹان سالنامہ ص ۷۱

ان کے خیالات میں آسمانوں کی بلندی۔ عقائد میں پہاڑوں کی پختگی۔ زبان میں دریاؤں کی روانی۔ جلال میں تلواروں کی کاٹ اور جمال میں صبا کی لطافت پائی جاتی تھی۔ وہ نبی نہ تھے بلکہ ان کی زندگی حضور سرور کائناتﷺ کے اس ارشاد کی شہادت واشاعت میں گزری کہ:

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّینَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ ○

لیکن شکل وصورت سے لے کر نشست و برخاست تک ہر بات میں پیغمبرانہ انداز رکھتے تھے۔ اُن کے جس کمال اور جس خصوصیت پر غور کیا جائے۔ حافظ شیرازی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

زفرق تا بقدم ہر جا کہ مے نگرم
کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا اینجا است

ہم نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا نہیں ان کے حالات سیرت وتاریخ کی کتابوں میں پڑھے ہیں۔ شاہ جی کی زندگی عبادت وریاضت سے لے کر لطافت وظرافت تک انہیں اکابر کی زندگیوں کا عکس جمیل تھیں۔

اگرچہ فیاضِ ازل نے بڑی فیاضی سے انہیں بے شمار ملکات وصفات ودیعت فرمائے تھے لیکن ان کمالات میں جو چیز سب سے نمایاں تھی اور جس کی بدولت شاہ جی آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے وہ ان کی خطابت تھی معلوم ہوتا ہے کہ حسب ونسب کی شرافت ونجابت سے لے کر آواز کی سحر طرازی اور الفاظ کی فصاحت وبلاغت تک کی تمام نعمتیں انہیں خطابت کے لئے عطا کی گئی تھیں۔ لاکھوں کے مجمع میں جب تشریف لاتے تو لوگوں کی گردنیں اٹھنے لگتیں۔ دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں۔ مجمع سے منظم اور غیر منظم نعرے بلند ہونے شروع ہوتے۔ ایک ہی وقت میں ایک گوشہ اللہ اکبر پکار رہا ہوتا۔ دوسرا زندہ باد کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھالیتا غرض مجمع میں ایک غلغلہ بپا ہو جاتا۔ بیٹھ جایئے۔ بیٹھ جایئے، سٹیج پر تشریف لا رہے ہیں۔ آپ انہیں بخوبی دیکھ سکیں گے۔ ذرا بیٹھ جایئے۔ لیکن کون سنتا آدھے کھڑے آدھے بیٹھے ہیں۔ کھڑے ہونے والے بیٹھ رہے ہیں اور بیٹھے ہوئے کھڑے ہو رہے ہیں۔ ایک عجیب دارفتگی اور شوق معلوم ہوتا۔ شاہ جی بڑے عجیب و

عجیب انداز سے آتے، پنڈال نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھتا اور جب وہ اسٹیج پر پہنچ کر ستاروں میں چاند کی طرح بیٹھ جاتے تو لوگوں کا شور و غل اور جلسے کی افراتفری سکون و سکوت میں بدل جاتی، ہُو کا عالم طاری ہو جاتا۔

اب شاہ جیؒ مجمع کے سامنے آتے تھوڑی دیر کھڑے رہتے کچھ پڑھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں اور ہتھیلی پر پھونکتے ہاتھ منہ پر پھیر لیتے۔ میرا زندگی بھر یقین رہا کہ جب شاہ جی مجمع کے سامنے کچھ پھونکتے تھے تو آپ کے دل کا تعلق کسی اور ہی جگہ ہو جاتا تھا ع

سیماب لفظ اترتا ہے عرش سے

ایک دفعہ سامنے پھر دائیں بائیں غور سے مجمع کو دیکھتے۔ پھر خطبہ کی آیات [1]

حجازی لے میں قرآن پڑھنا

اور درودِ پاک حجازی لے میں پڑھتے۔ عوام کے دل و دماغ مسحور ہو جاتے عناصر پر سکتہ طاری ہو جاتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ عالم ارواح اور عالم ملکوت بھی شاہ جی کی آواز پر متوجہ ہو گئے۔ تقریر شروع ہوتی، منہ سے پھول جھڑنے لگتے۔ ہاتھ اٹھاتے ہلاتے تو محسوس ہوتا کہ عوام پر جادو کر رہے ہیں۔

آیات و احادیث کا ایک ذخیرہ اور ان کی ایسی اچھوتی تشریح و تفسیر کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ عربی فارسی اردو پنجابی کے شعر ایسے برمحل پڑھتے گویا انگشتری میں نگینے جڑ رہے ہیں۔ لطائف و ظرائف بیان کرتے تو مجمع کشتِ زعفران بن جاتا۔ کبھی ہنسا دیتے کبھی رلا دیتے۔ رات ڈھل جاتی، سحر قریب ہو جاتی اور وہ پڑھ رہے ہوتے ؎

نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

1۔ چٹان لاہور سالنامہ 1962ء ص 27

نہ کسی کو سردی گرمی کا احساس رہتا۔ نہ کسی کو نیند و آرام کا خیال۔ اگر کسی کو کوئی فکر دامن گیر ہوتی تو صرف یہ کہ کہیں رات ختم ہونے کے ساتھ ہی شاہ جی کی تقریر بھی ختم نہ ہو جائے۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ شاہ جی کی تقریر میں صبح کی اذان ہوئی اور شاہ جی چونک کر موذن کو پکار اٹھے ؎

تری آواز مکے اور مدینے

تب تقریر ختم کر دیتے۔ لوگ اصرار کرتے شاہ جی کچھ اور فرمائیں۔ "بھائی رات ختم ہو گئی" اور شاہ جی عموماً اس شعر پر ختم کر دیتے ؎

وسعت دل ہے بہت، وسعتِ صحرا کم ہے
اس لئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے 1

دل و دماغ مسخر کر لیتے

شاہ جیؒ کی تقریریں لوگوں کے دل و دماغ کو کیونکر مسخر کر لیا کرتی تھیں یہ ایک لمبی داستان ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ انہوں نے اپنی خطابت سے بڑے بڑے طوفانوں کو روکا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معرکے سر کیے۔

صرف چند واقعات عرض کرتا ہوں جن سے اندازہ ہوگا کہ وہ کس طرح لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لیا کرتے تھے۔

خان غلام محمد خاں لونڈ خور نے سنایا کہ میں نے نہ تو شاہ جیؒ کو دیکھا ہوا تھا اور نہ ان کا خاص معتقد تھا میرا سیاسی مسلک بھی ان سے جدا تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے وقت دلی دروازہ کے باہر سے گزرا تو شاہ جیؒ تقریر کر رہے تھے۔ میں بڑے ضروری کام میں تھا۔ اس خیال سے رُک گیا کہ جس مقرر کی اتنی شہرت ہے اُسے پانچ منٹ سن لوں۔ میری عادت یہ ہے کہ میں جلسہ میں ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتا۔ خود اپنے جلسے بھی گھوم پھر کر دیکھتا اور سنتا ہوں۔ میں پانچ منٹ تک شاہ جیؒ کی تقریر سنتا رہا پھر سوچا تھوڑی دیر اور سن لوں۔ ان کا سحر تھا کہ کھڑے کھڑے بیٹھ گیا۔

---

1 چٹان لاہور ص 27

بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو لیٹ گیا اور لیٹے لیٹے ساری رات تقریر سنتا رہا اور ایسے حواس گم ہوئے کہ اپنا کام ہی بھول گیا۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان بلند ہوئی شاہ جیؒ نے تقریر کے خاتمے کا اعلان کیا تو مجھے خیال آیا کہ اوہو! ساری رات ختم ہوگئی یہ شخص تقریر نہیں کر رہا بلکہ جادو کر رہا تھا۔[1]

قتل کے لئے آنے والا گر کر تڑپنے لگا

حاجی قائم دین لائل پور میں کپڑے کے بہت بڑے تاجر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دین و دنیا دونوں بڑی فیاضی سے عطا کی ہیں۔ شاہ جی کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ تقسیم سے قبل آگرہ میں تھے انہوں نے واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ شاہ جیؒ آگرہ میں مارکیٹ کی چھت پر منعقدہ جلسہ میں تقریر کر رہے تھے۔ حجازی لے میں قرآن مجید کی آیات پڑھیں تو ایک نوجوان تڑپ کر چھت کے کنارے کی دیوار سے چھت پر آن گرا، مرنے سے تو بچ گیا لیکن وجد اور جذب کی حالت میں ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ لوگوں نے اٹھایا تو اس کے چہرا برآمد ہوا، اسے شاہ جی کے پاس لایا گیا۔ شاہ جی نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا کچھ پڑھ کر پھونکا اور محبت نے پاس بٹھالیا جب اسے ہوش آیا تو اس نے انکشاف کیا کہ مجھے تو شاہ جی کے قتل کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن شاہ جی کا خطبہ اور قرآن مجید سن کر میں بے تاب اور بے ہوش ہو کر گر پڑا پھر اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں۔

ایک دفعہ شاہ جیؒ علی گڑھ کے کسی جلسہ میں تقریر کرنے تشریف لے گئے۔ کالج کے طلبہ نے تقریر سننے سے انکار کر دیا۔ ایسا ہنگامہ بپا کیا کہ تقریر کرنا محال ہوگیا۔ شاہ جیؒ نے دیکھا کہ بچے برافروختہ ہیں۔ کوئی اور نصیحت کارگر نہیں ہوتی تو فرمایا اچھا بیٹا قرآن مجید کا ایک رکوع پڑھ دیتا ہوں اور جلسہ تمہارے احترام میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ طلبہ خاموش بیٹھ گئے شاہ جی نے انتہائی دلسوزی سے نیم خورد آواز میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ چشم و گوش اور در و دیوار جھوم گئے۔ تلاوت ختم ہوئی تو فرمایا بیٹا کیا خیال ہے اس کا ترجمہ بھی کروں۔ آواز آئی ضرور ترجمہ بھی کر دیجئے۔ اب ترجمہ شروع ہوا پھر ترجمے کے بعد تفسیر و تشریح کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ شاہ جی نے تقریر ختم کی طلبہ نے شور

1۔ ایضاً ص 27

مچایا، شاہ جیؒ خدا کے لئے کچھ اور بیان کیجئے۔ فرمایا بیٹا کبھی پھر آؤں گا تو تقریر سناؤں گا۔ [1]

ان کی خطابت میں تمام مسائل زیر بحث آتے

شاہ جی ایک صاحب طرز خطیب تھے ان کی خطابت میں سیاست مذہب معاش اور معاشرت سمیت ہر قسم کے مسائل زیر بحث آتے۔ لیکن اُن کی خطابت کا مرکزی نقطہ جس کے گرد نہ صرف ان کی خطابت بلکہ ان کی پوری زندگی گردش کرتی تھی وہ عشق رسول تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ شاہ جی کے کل محاسن ان کی خطابت کے لئے تھے اور ان کی خطابت عشق رسول کے لئے تھی۔ انہی کی ایک نعت شریف کا مطلع اور مقطع ہے

سُبحان مَن یّری چہ شانِ محمد است
لولاک ذرۂ زجہانِ محمد است
سر قضا و قدر ہمین است اے ندیم
پیکانِ امر حق زکمانِ محمد است

حضور سرورِ کائنات ﷺ کے فضائل کو عشق و محبت میں ڈوب ڈوب کر بیان کرتے۔ حضور ﷺ کے لئے الفاظ و القاب کا انتخاب خاص اہتمام سے کرتے تھے۔ اگر کوئی معیاری نعت آپ کے سامنے پڑھی جاتی تو اس کے الفاظ و آواز پر سر دھنتے۔ ایک دفعہ لاہور میں ایک رضا کار نے نعت پڑھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھتے ہوئے جھومنے لگے میری آنکھوں میں ابھی تک وہ نقشہ ہے۔ شاہ جیؒ جذب و مستی کے عالم میں جھوم رہے تھے حتیٰ کہ ان کے گھنگھریالے بالوں پر بھی اسی جذب و مستی سے "وجد" کی حالت طاری تھی۔

ایک شعر پر جس میں سرورِ عالم ﷺ کے فقر و فاقہ اور سیدۃ النساء (رضی اللہ عنہا) کی ردائے مبارکہ کی کہنگی (پرانا) کا ذکر تھا کھڑے ہوگئے، اور کھڑے کھڑے جھومتے رہے۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا، کہ سید دو عالم ﷺ کے ذکر مبارک پر قیام کرنے کا مقام تھا۔

---

1. ایضاً ص 27

مردِ مومن و مجاہد کی زندہ تصویر

⁂ ...... مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ؒ۔ ناظم جمعیۃ العلماء ہند دہلی لکھتے ہیں:

اُن کی شخصیت اس دَور کی ایک عظیم اور باکمال شخصیت تھی ۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو مخصوص و ممتاز صلاحیتوں سے نوازا تھا وہ انتہا درجہ سادگی پسند، قناعت گزین اور توکل شعار انسان تھے۔ ان کی طبیعت حد درجہ بے لوث و بے غرض واقع ہوئی تھی ۔ اپنے رہن سہن۔ وضع قطع، بول چال۔ میل جول اور ہر ادا میں وہ سادگی کا پیکر اور "مردِ مومن و مجاہد" کی زندہ تصویر تھے۔ شاہ صاحب ؒ بجا طور پر اس صدی کے اُن علماءِ حق میں شمار کئے جائیں گے جنہوں نے اپنے فکر و عمل کی تمام صلاحیتیں انسانی سماج کی بے لوث و بے خوف خدمت کے لئے وقف کیں اور اُن کی پوری زندگی جہاد و عمل کا ایک نمونہ بنی۔

شاہ صاحب ؒ کو دین وملت سے وہ شغف تھا جو مردِ مومن کا شعار ہے ۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو خطاب و بیان کی بے مثال صلاحیت بخشی تھی اور ساتھ ہی دل بھی وہ عطا فرمایا تھا جو سعی و عمل کے جذبات اور حق پسندی وحق گوئی کی سدا بہار امنگوں سے معمور تھا۔ اُن کی یہ مخصوص صلاحتیں سرتاسر خداداد صلاحتیں تھیں جن میں کسب و تصنع کو کوئی دخل نہ تھا۔ زہے سعادت! کہ شاہ صاحب ؒ نے اپنی یہ تمام صلاحتیں خدمتِ دین وملت اور خیر خواہی وطن کی راہ میں صرف کیں اور یہی اُن کی شخصیت و کردار کا نشانِ امتیاز ہے۔[1]

خدا ساز مقرر و خطیب

ملک کی زندگی میں شاہ صاحب ؒ ایک سحر آفرین خطیب اور بے مثال مقرر کی حیثیت

---

1. چٹان لاہور سالنامہ 1962ء ص 32

سے نمودار ہوئے اور بہت ہی جلد عوام و خواص کے دلوں پر چھا گئے۔ دنیا کی کسی بھی زبان میں اس شان کے خطیب کم بہت کم ہو سکتے ہیں کوئی دینی اور مذہبی عنوان ہو یا کوئی سیاسی اور سماجی موضوع وہ جس سلاست، روانی، برجستگی اور بے تکلفی کے ساتھ گھنٹوں تقریر کرتے اور اپنے مافی الضمیر کو سامعین کے رگ و پے میں سمو دیتے تھے اس کو دیکھ کر یقین ہوتا تھا کہ وہ ایک پیدائشی اور خداساز مقرر اور خطیب ہیں۔

عشق رسول ﷺ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا

سیرت پاک اور اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کا خاص موضوع اور ذہنی شغف تھا اور نہ صرف وعظ و تبلیغ کی حد تک...... بلکہ شاہ صاحب اُن خوش نصیبوں میں تھے جن کو خدا تعالیٰ نے اسوۂ رسول کی سچی لگن اور عمل کی توفیق و سعادت سے بھی نوازا تھا۔

''ختم نبوت'' کی راہ میں جب قادیانیت نے رخنے پیدا کرنے چاہے اور ایک گمراہ تحریک نے سر اٹھایا اس وقت حق پرستوں کی جو صفیں اس کے مقابلے پر سینہ سپر ہوئیں شاہ صاحبؒ ایک قائد کی حیثیت سے اُن میں پیش پیش تھے اور آخر تک پیش پیش رہے اس راہ میں اُن کو بڑے بڑے خطرات و مصائب کا سامنا ہوا۔ مگر عشقِ رسول کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔[1]

قائد تحریک آزادی و خلافت

پہلی جنگ عظیم کے بعد عالم اسلام کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ ''خلافت'' کا تھا۔ تحریکِ خلافت کی ہماہمی نے مسلمانانِ ہند میں جو بیداری اور جرأت عمل پیدا کی وہ خود ملک کی تحریکِ آزادی کے لئے ایک بڑی کمک ثابت ہوئی اور اُسی وقت سے آزادی کی تحریک نے اپنی ملک گیر اور مضطرب شکل اختیار کی۔ ناممکن تھا کہ شاہ صاحب جیسا الوالعزم اور باعمل انسان اس تحریک کی صفِ قیادت سے پیچھے رہ جاتا۔

مجھے یاد ہے کہ 1920ء میں مولانا حسرت موہانی مرحوم نے دہلی میں ایک اہم سیاسی اجتماع بلایا تھا۔ اس اجتماع میں پہلی بار مجھے حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقات کی مسرت

1۔ چٹان لاہور سالنامہ 1962ء ص32

حاصل ہوئی تھی۔ اس کے بعد مسلسل پچیس سال پھر اس طرح گزرے کہ فکر و عمل کا ایک میدان تھا اور ایک ہی لگن۔ تحریک آزادی شبانہ روز سرگرمیوں کا محور تھی۔ اس طویل رفاقت اور شعور و جذبات کی ہم آہنگی نے دلوں میں خلوص و تعلق کی جو گرہیں لگائیں، آج جب کہ شاہ صاحبؒ دنیا سے رُخصت ہو چکے ہیں، اُن کا ذکر بھی دل پر شاق گزرتا ہے۔

نہیں آتی اگر ان کی یاد تو گھنٹوں نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

اس دَور کی آزمائش اگرچہ بہت کٹھن اور ہمت شکن تھی۔ لیکن وطن کے قدم کا مردان ہمت کا جو قافلہ ہر خوف و خطر سے بے نیاز...... یہاں تک کہ خود اپنی عزت و آبرو اور جان و مال سے بے فکر ہو کر اس عہد کے ساتھ اپنے گھروں سے نکلا تھا کہ:

یا تن رسید بجاناں یا جان زتن برآید

اُس کا عزم و ثبات بھی نا قابلِ تسخیر تھا اور بالآخر وہی کامیاب ہوا مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اسی قافلہ کے ایک سالار اور انہی مردانِ ہمت کی صفِ اوّل میں تھے۔ آزادی وطن کی خاطر انہوں نے جس تندہی کے ساتھ کام کیا۔ ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک کی خاک چھانی اور خندہ پیشانی کے ساتھ قدم قدم پر خطرات کا مقابلہ کیا۔ پامردی کے ساتھ ہر تعاقب اور قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ اور اس پورے دور میں جو قائدانہ اور مجاہدانہ کردار پیش کیا وہ تاریخِ آزادیِ وطن کا ایک سنہرا ورق ہے جو ہمیشہ قدر و اعجاب کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اور مکمل آزادی کی فضاؤں میں سانس لینے والی آئندہ نسلیں اس احسان سے گرانبار رہیں گی۔

حق یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی شخصیت۔ اُن کا جوشِ عمل، اُن کی قربانیاں اور سب سے بڑھ کر اُن کی ساحرانہ خطابت، تحریک آزادی وطن اُس کی پرورش اور ترقی کے لئے ایک بڑی مدد اور بیش قیمت اثاثہ تھی جس کے بغیر اس عظیم تحریک کی کامیابی اور اس کا نشو و نما بروقت مکمل نہ ہوتا۔

قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ وَاَسْکَنَہٗ فَسِیْحَ جَنَّاتِہٖ[1]

---

1. چٹان لاہور سالنامہ ص 32

اقبالؒ و بخاریؒ

❁ ...... آغا شورش کشمیریؒ لکھتے ہیں:

کہ شاہ جیؒ ایک مرتبہ علامہ اقبالؒ کے ہاں تشریف لے گئے اثنائے گفتگو میں فرمایا۔
''ٹھیک ہے مرشد! میں نے تو کبھی اپنی کتابوں کی گرد بھی نہیں جھاڑی ہے۔'' 1
''او شاہ جیؒ تساں تے دلاں دماغاں دیاں مٹی جھاڑ دے او۔''
(شاہ جی! آپ تو دلوں اور دماغوں کی گرد جھاڑتے ہیں)

شاہ جی نے یہ بیان کیا، تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمایا ہائے کیا انسان تھا، جدید دانش اور قدیم حکمت کا نقطۂ معراج، چونکہ میاں ﷺ سے محبت کرتے تھے، اس لئے اللہ نے ان پر علم و دانش اور فکر و نظر کی سبھی راہیں کھول دی تھیں۔ وہ میدان کا کھلاڑی نہیں تھا لیکن علم اس کا خانہ زاد تھا۔

آج جو پشتینی وفادار (شاہ جیؒ نے فرمایا) اس کا نام لے لے کر اُس کے ہمنشینوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوا رہے ہیں، کسی علمی مسئلے پر اقبالؔ نے کبھی ان سے مخاطبت کی؟ کبھی ان سے کوئی دینی سوال کیا، کبھی ملی امور پر ان سے از خود گفت گو کی، کبھی مسلمانوں کے مستقبل کا سوال ان سے زیر بحث لاتے رہے؟ ان کے ساتھ تو ان کے زیادہ سے زیادہ لاغر قسم کے مجلسی روابط تھے۔ شاہ جیؒ نے کہا یہی وہ لوگ، جو اقبالؔ کی راہ میں ہمیشہ مزاحم ہوتے رہے انہی لوگوں نے اقبالؔ کے خلاف مخبریاں کی تھیں اور انہیں کسی منصب پر فائز نہیں ہونے دیتے تھے۔ اقبال

---

1 شاہ جیؒ علامہ اقبالؒ کو مرشد کے نام سے پکارتے

نے مجھ سے آنکھوں میں آنسو لا کر کہا تھا۔

شاہ صاحب، ان خاندانوں کی سیاہ دلی کی حد ہو گئی، خوفِ خدا سے بھی عاری ہو چکے ہیں۔ میرے بارے میں ہائیکورٹ کے چیف جسٹس اور گورنر صوبہ کو عرضداشت بھجوائی ہے، جس میں مجھے ایک ایسے فعل سے متہم کیا ہے، جس کا تصور بھی شرافت کو مرجھا دینے کے لئے کافی ہے۔

شاہ جیؒ نے بتایا، یہ بیان کرتے ہی اُن کا بدن کانپنے لگا کہ انسان مخالفت اور مخاصمت میں کس حد تک سنگدل، سیہ رو، اور گندہ ضمیر ہو جاتا ہے۔ شاہ جی کی روایت ہے، کہ اقبال ملک دشمنی سے ان کے خون کا قطرہ قطرہ انگاروں میں ڈھلا ہوا تھا، وہ یورپی تہذیب، یورپی ملکوں، یورپی سیاست اور یورپی سج دھج کے سخت دشمن تھے۔ کہا کرتے تھے کہ ہمارا مغرب زدہ طبقہ اپنے خصائص کھو چکا ہے، اس کے اندر مشرق کی رُوح بالکل نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ قوم اپنی خودی اپنی قیمت کھو بیٹھی ہے۔ لوگ علم کی سنجیدگی سے ہاتھ اُٹھا کر نٹوں کا تماشا دیکھنے میں غلطاں ہیں۔ کاسہ لیس خاندانوں کا ذکر بڑی حقارت سے کرتے، یہ طنطنہ میں نے صرف انہی میں دیکھا، کہ جن سے نفرت کرتے، انہیں اپنے گھر میں بھی گھسنے نہیں دیتے تھے، اور اگر کوئی کسی بہانے چلا آتا، تو اسے دھتکار کر نکال دیتے، اور منہ نہیں لگاتے تھے؟

ایک دن فرمایا، شاہ جی میں مطمئن ہوں کہ میرا کلام لوگوں کے رگ و پے میں اُتر رہا ہے۔ لیکن ابھی کاروان تیار ہو رہا ہے ابھی کاروان بنا نہیں...... سفر راستہ اور منزل تو دور کی چیزیں ہیں۔ جب تک مشرق، مغرب کی ذہانت کو للکارے گا نہیں، اس وقت تک مشرق کی عظمت کا سورج نہ کبھی اُبھر سکتا ہے۔ اور نہ اس کے نصف النہار پر پہنچنے کا سوال ہی زیرِ غور آ سکتا ہے۔

شاہ جی یہ عموماً فرماتے:

"کاش اقبالؔ آج زندہ ہوتے، ان کا دماغ ایک عظیم الشان تنہائی کا عظیم الشان کتب خانہ تھا۔ جب کبھی ان کی ہم نشینی کا موقع ملتا معلوم ہوتا تھا کہ لالہ زار کھل گیا ہے۔"

شاہ جیؒ کی معرکہ آرائیاں

۞ …… ڈاکٹر سید محمد عبداللہ لکھتے ہیں:

توہین رسالت ﷺ کے خلاف احتجاج سے بھرا ہوا ایک ہجوم بے پناہ شاہ محمد غوثؒ والی سڑک اور باغات میں جمع ہوگیا۔ گویا ایک تقاضا عام تھا کہ احرار اس احتجاج کو عملی شکل دینے میں قوم کی رہنمائی کریں۔ اس صورت حال میں مجلس احرار کے دفتر کی بالائی منزل پر احرار کے بڑے بڑے رہنما سراسیمگی اور پریشانی کے عالم میں جمع ہوئے اور مسلمانوں کے جذبات کو کم کرنے اور منظم کرنے کے وسائل پر غور کرنے لگے۔ اس موقعہ پر میری یاد کے مطابق منجملہ دیگر اصحاب کے چوہدری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا داؤد غزنوی، شیخ حسام الدین، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور سب سے اہم اور ممتاز سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ موجود تھے۔ بحث کے جو نقاط تھے وہ یہ تھے۔

اوّل: کہ توہین رسول ﷺ کے مسئلہ کو عدالت میں لایا جائے۔

دوم: آریہ سماجیوں کی سرکوبی کے لئے حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی جائے۔

یہ بحث بڑے معرکے کی بحث تھی۔ ایک طرف وضع اور احتیاط کا انداز تھا اور دوسری طرف جرات غازیانہ کا مظاہرہ تھا۔ اندرون خانہ اس بحث میں ہر قسم کی باتیں ہوئیں اور یہ خصوصیت احرار میں ہی دیکھی گئی تھی کہ سخت سے سخت بحث کے باوجود احرار برادری کا احساس کبھی کمزور نہیں ہوتا تھا۔

امیر شریعت کی اہل لاہور کو یقین دہانی

شاہ محمد غوثؒ والی سڑک پر ہجوم اور زیادہ ہوتا گیا اور اب شاید مخالفوں کے لوگ بھی ہجوم میں شامل ہو گئے تھے اور نعروں کا انداز کچھ ایسا تھا کہ گویا اگر کوئی جلد فیصلہ نہ ہوا تو دفتر احرار اور راہنمایان احرار کی بھی خیر نہیں۔ اسی شور و شغب کے عالم میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بالکونی سے اپنا چہرہ دکھایا اور کہا:

اے باشندگان لاہور! معاملہ عزت رسول اللہ ﷺ کا ہے اور اس کے لئے ہماری جماعت ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس مقدس جہاد میں وہ لوگ شریک نہیں جن کو اپنے دعوے کے مطابق اب تک میدان میں آ چکنا چاہیے تھا۔ ہم عزت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ مگر جاؤ ان رہنماؤں کو بھی لے آؤ جو ہم سے الگ مسلک رکھتے ہیں تا کہ یہ جہاد آخری جہاد ہو اور اس میں پوری قوم شریک ہو۔

سول نافرمانی کی تحریک

سید عالی مقام کی اس تجویز سے دو اثر مرتب ہوئے۔ بعضوں نے کہا کہ جھوٹ کہہ رہے ہیں، بعضوں نے کہا۔ آخر کار احرار ہی قوم کے کام آئی، یہ خان بہادر، سر اور نواب اب کہیں نظر نہیں آتے۔

احرار کی میٹنگ پھر شروع ہوئی، شاطروں کی پہلی چال ذرا سی ناکام رہی، مگر شاطروں کی قوم حوصلے والی قوم ہوتی ہے۔ ہجوم پھر مشتعل کر دیا گیا۔ میٹنگ کے اندر اب بحث اس نکتے پر آ کر رک گئی کہ عدالت میں چارہ جوئی اب بہانہ جوئی کے مترادف سمجھی جائے گی۔ اس لئے سول نافرمانی کے بغیر کوئی چارہ نہیں مگر سوال یہ پیدا ہوا کہ ایسی سول نافرمانی میں پوری قوم کو شریک کیوں نہ کیا جائے مگر اس کے لئے پھر التوا ضروری تھا۔ اس لئے یہاں بحث بند ہو جاتی تھی۔

چودھری افضل حق کی رائے

چودھری افضل حق کا خیال تھا کہ سول نافرمانی کا مسئلہ طے شدہ ہے مگر شہر کے دوسرے رہنماؤں سے بھی اشتراک کی درخواست ضروری ہے تا کہ نقصان کی صورت میں یہی

دوسرے رہنما قوم کو یہ کہہ کر نہ بھڑکائیں کہ دیکھا ہم عدالت کے ذریعے سارے مسائل حل کرا لیتے۔ یونہی مسلمانوں کا خون کرا دیا اور بات ٹھیک تھی مگر بڑا مسئلہ یہ تھا کہ باہر کے ہجوم کو کس طرح مطمئن کیا جائے۔ عالی مقام سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بڑے راست پسند آدمی تھے۔ مگر سیاست میں باہر کے شاطروں کی ماریں کھا کھا کر یہ ضرور جاننے لگے تھے کہ شاطروں کے بچھائے ہوئے جال میں پھنسنا نہیں چاہئے۔ تاہم مسئلہ کے حل کی جو صورت بھی سامنے آتی وہ خطرناک اور نازک معلوم ہوتی تھی۔

امیر شریعتؒ کا فیصلہ اور بحث کا خاتمہ

اب سہ پہر ہو چکی ہے اور چار بجا چاہتے ہیں اور ہجوم اور بھی بڑھتا جا رہا ہے، نعروں کی آوازیں اتنی بلند اور گونج دار ہوتی جا رہی ہیں کہ مجلسی بحث میں لوگ ایک دوسرے کمرے میں چلے گئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور دیر تک سجدے میں رہے اور جب سجدے سے اٹھے تو ان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور زبان پر یہ الفاظ:

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید

کہتے ہوئے پھر مجلس میں داخل ہوئے اور فرمایا: "آج ہمارا طریق کار صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ شہر کے سرکاری رہنماؤں کو ان کے حال پر چھوڑ کر اور ہر مصلحت سے آنکھ بند کر کے ناموس رسول اللہ ﷺ کے لئے ہر وہ اقدام کیا جائے جس کی ضرورت ہو۔ یہ فرمانے کے بعد فرمایا۔ بس میری یہی رائے ہے۔ فقط۔"

جلسہ عام کا اعلان اور دفعہ 144 کا نفاذ

حضرت سید صاحب کے اس نعرہ حق کے بعد بحث و استدلال کا چراغ گل ہو گیا اور ساری جماعت نے سید عالی مقام کی پیروی کرنے کا اعلان کیا اور فیصلہ ہوا کہ دہلی دروازے کے باہر جلسہ عام کی فوری منادی کرا دی جائے۔ مہر علم دین (جن کی اسیری کی مدت میری

دانست میں بالاقساط پندرہ برس سے کم نہ ہوگی) کی آنکھیں چمک اٹھیں اور چہرہ غیرت دینی سے تمتما اٹھا۔ ڈھنڈورا پیٹنے والے اطراف شہر میں پھیل گئے۔

اب ہجوم شہر کی کوتوالی سے لے کر اکبری دروازے تک پھیل گیا اور احرار کے رضا کار باغ میں پلیٹ فارم جمانے میں مصروف ہو گئے۔ اب لوگ کوتوالی سے سرک سرک کر باغ میں پلیٹ فارم کے اردگرد جمع ہونے لگے۔ اس اثناء میں شاطرانِ شہر نے حکام سے مل کر ان پر اثر ڈالا کہ فرقہ وارانہ فساد کا سخت خطرہ ہے۔ جلسہ روکا جائے ورنہ بڑا خون خرابا ہوگا۔ احرار ابھی اپنے انتظامات درست کر ہی رہے تھے کہ پولیس ایک مسلح گارڈ (انگریز) کے سمیت اور شاید مسٹر فیبلوس سٹی مجسٹریٹ کی معیت میں دفتر احرار کے سامنے پہنچی اور اپنے خاص ایلچی کے ذریعے احرار رہنماؤں کو مطلع کیا کہ حکومت کے نزدیک مجوزہ جلسہ عام نقص امن کا باعث ہوگا۔ اس لئے جلسہ ممنوع قرار دیا جا چکا ہے اور اس تاریخ سے ایک ماہ تک کے لئے دفعہ **144** نافذ کی جاتی ہے۔

عزمِ امیرِ شریعت

اب احرار رہنماؤں کو ایک نئی مشکل پیش آئی۔ موضوع یہ تھا کہ اگر اس حکم کے باوجود جلسہ کیا جائے تو فائرنگ کا ہونا یقینی ہے اور اس صورت میں نقصان جان کی ذمہ داری کا سوال ہے۔ ایک تجویز یہ ہوئی کہ سارے احرار لیڈر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیں۔ مگر سوال پیدا ہوا کہ ہجوم کی تسکین کے علاوہ اس سے اصل مسئلہ کا حل کس طرح نکلے گا۔

بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا۔ مگر اب سید عالی مقام فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے فرمایا آج جلسہ ہوگا اور ضرور ہوگا البتہ چودھری افضل حق کی تجویز پر یہ اتفاق ہوا کہ کھلی جگہ جلسہ کرنے کی بجائے وطن بلڈنگ کے احاطے میں جلسہ کیا جائے اور حکومت کے رویہ کے خلاف احتجاج کے علاوہ توہین رسول ﷺ کے مسئلہ پر مسلمان قوم کی کسی متحدہ روش کی تجویز پر غور کیا جائے۔

چودھری افضل حقؒ اور مجسٹریٹ کے درمیان گفتگو

احرار رضا کار اس فیصلہ کو لے کر ہجوم میں پھیل گئے اور اب لوگوں کا اجتماع وطن بلڈنگ میں ہوتا گیا۔ شام ہو چکی تھی۔ احرار رہنماؤں نے مسجد شاہ محمد غوث میں نماز ادا کی اور بعد از نماز

معمولی سی مشاورت کے بعد جلسہ گاہ کا رُخ کیا۔ یہ رہنما احاطہ کے دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ سٹی مجسٹریٹ نے احاطے کے اندر کے جلسہ کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔ اس پر ان کے اور چودھری افضل حق کے درمیان دیر تک بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہجوم سے بات کرنے کا موقع ضرور دیا جائے تا کہ لوگ پر امن طریقوں سے گھروں کو واپس چلے جائیں مگر مجسٹریٹ نے ضد کی۔

سول نافرمانی کا فیصلہ اور شاہ جیؒ کی تقریر

اس صورت حال کو دیکھ کر سید عالی مقام نے احرار رہنماؤں کو مشورہ دیا کہ اب حکومت سے ٹکراؤ ناگزیر ہو گیا ہے۔ چنانچہ سول نافرمانی کا فیصلہ کر لیا گیا اور بشرط ضرورت جلسہ شروع ہو گیا جس کی صدارت چودھری افضل حق ایم۔ ایل۔ اے نے کی۔

میں نے مرحوم سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بیسیوں تقریریں سنی ہیں مگر اس رات کی تقریر کچھ ایسی تھی جس کا نقش کبھی مٹ نہ سکے گا۔ مگر تقریر سے زیادہ سید صاحب کی تدبیر کا بھی اسی روز قائل ہوا، احاطہ مختصر تھا اور ہجوم زیادہ۔ اور خطرہ یہ تھا کہ باہر کا ہجوم کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے پولیس کو فائرنگ کا بہانہ مل جائے۔ میں نے دیکھا کہ اکثر احرار رہنما (ہر چند کہ وہ بھی شعلہ بیان تھے) بے بسی کے عالم میں تھے۔ اس لئے صدر جلسہ نے اغراض و مقاصد اور صورت حال پر معمولی سی روشنی ڈالنے کے بعد فرمایا کہ آج ہماری باگ دوڑ سید عالی مقام کے ہاتھ میں ہے اس لئے آپ انہی کے احکام کی سماعت کیجئے۔ سید صاحب نے سب سے پہلے باہر کے ہجوم سے خطاب کیا "اے شمع رسالت کے پروانو! میں جانتا ہوں کہ آج تم شوق شہادت میں یہاں بے تابانہ آئے ہو، مگر حفاظت ناموس رسول ﷺ کی لڑائی تم سے نظم وضبط کا تقاضا کرتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ شہر لاہور بلکہ مسلمانان ہندوستان کا بچہ بچہ اپنی اپنی باری سے قربانی پیش کرے، لہٰذا جو لوگ دروازے پر باہر کھڑے ہیں۔ دو دو چار چار کی ٹولیاں بنا کر اور بکھر کر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں۔ ان کی باری کل آئے گی اور جو لوگ احاطے کے اندر ہیں وہ پولیس یا فائرنگ کے خوف سے اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں اور ایک نظم اور قاعدہ کے تحت اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دیں۔"

شاہ جیؒ کی تقریر

دروازے پر غل ہوا، معلوم ہوا کہ شاطران شہر کے کچھ کارندے لوگوں کو سید صاحب کی تقریر کے خلاف مشتعل کر رہے تھے اور اس پر ملک لال دین اٹھے اور دروازے پر کھڑے ہو گئے اور باہر کے ہجوم کو سید صاحب کے اعلان سے باخبر کیا۔ ملک لال دین قیصر موقعہ پر گرفتار ہو گئے، مگر باہر کا ہجوم منتشر ہو گیا۔ اب سید صاحب کی تقریر شروع ہوئی۔ تقریر کیا تھی آنسوؤں اور شعلوں کا اجتماع تھا۔ جوش کی انتہا تھی اور آہ کراہ کی آوازیں ہر طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے سید صاحب کی تقریر کے الفاظ یاد نہیں رہے مگر ایک دو فقرے ابھی تک دماغ میں کھبے ہوئے ہیں۔

> ''اے مسلمانان لاہور آج جناب رسول ﷺ کی آبرو تمہارے شہر کے ہر دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ اے امت رسول ﷺ آج ناموس محمدی کی حفاظت کا سوال درپیش ہے۔ جو پارہ پارہ ہو گئی تھی، مگر توہین رسول ﷺ کے سانحہ سے آسمانوں کی بادشاہت متزلزل ہو رہی ہے۔''

تقریر سید صاحب کی تھی مگر اس روز سید صاحب اپنی معمول کی تقریر کے موڈ میں نہ تھے اور یہ معلوم ہے کہ سید صاحب کی عام تقریروں میں ظرافت اور بذلہ کا عنصر اصل موضوع کے برابر ہوا کرتا تھا۔ مگر اس روز پانی اور آگ کی ترکیب سے یعنی سرد آہوں اور گرم آنسوؤں کے ملاپ سے ان کی تقریر ڈھل رہی تھی یہ اور ہی طرح کی تقریر تھی۔

شاہ جیؒ کا پولیس سے خطاب

احاطے کے اندر تقریر ہو رہی تھی اور باہر پولیس کی جمعیت زیادہ سے زیادہ صف آرا ہوتی جاتی تھی۔ رات گزری جا رہی تھی اور پولیس والوں کا دل قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ آخر سید صاحب نے پولیس والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''اے پولیس والو! ہم یہاں صرف اظہارِ غم کے لئے جمع ہوئے ہیں تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تم ہمیں گرفتار کرنا چاہتے ہو تو ہم حاضر ہیں اور اگر ہمارے ساتھ وہ سلوک مطلوب ہے جو ایک سید زادے کو وراثت میں ملا ہے تو ہمارے

سینے اس کے لئے بھی حاضر ہیں۔'' اس پر جلسہ میں شدید زور کی لہر اٹھی اور لوگوں نے کہا ہماری جانیں بھی حاضر ہیں شہر کا کوتوال زیرک آدمی تھا اس نے جلسہ گاہ کے قریب آ کر سید صاحب سے کہا کہ آپ جلسہ جاری رکھئے۔ دفعہ 144 صرف باغ کی حدود تک ہے۔ مگر اب پبلک کا جوش بہت بڑھ چکا تھا۔ سینکڑوں آدمی شہادت کے شوق میں بے تابانہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس پر چودھری افضل حق نے کہا (جو آئینی حدود کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے) صاحبو! وہ وقت بھی آنے والا ہے جب ہمیں تمہاری جانوں کی ضرورت ہوگی مگر ابھی وہ وقت آیا نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہم اس قانون کے پرخچے اڑا دیں جو ہمیں توہین رسول ﷺ پر اظہار غم سے روکتا ہے۔ چنانچہ عام سول نافرمانی کا اعلان ہوگیا۔

شاہ جیؒ کی گرفتاری

دس دس اور پھر پانچ پانچ آدمیوں کے دستے پلیٹ فارم کے پاس جاتے تھے اور سید صاحب کی قدم بوسی کر کے باغ کی طرف جا کر گرفتار ہو جاتے تھے۔ ہزاروں آدمی اس شب گرفتار ہوئے۔ میرے پاس میرا دوست مولوی خدا بخش کھڑا تھا۔ اس کا بھائی اور اس کے بھانجے سب گرفتار ہو چکے تھے۔ میں نے اس کو روک رکھا تھا کہ تمہارے لوگ جا چکے ہیں۔ تم سب لوگوں کے گھروں میں ایک مرد بھی اب باقی نہیں جو خبر گیری کرے۔ تمہارا جانا مناسب نہیں مگر وہ دیوانہ وار اٹھا اور سید محترم کے قدموں میں جا گرا اور پھر پانچ آدمیوں کے ہمراہ باہر چلا گیا اور گورے کا ڈنڈا کھانے کے بعد گرفتار ہو گیا اور میں (اس وقت بھی صید لاغر کی طرح بے مصرف ہی رہا)

نے خون آنکھوں سے بہا تک نہ ہوا داغ
اے خون شدہ دل تو کسی کام نہ آیا!

جب سول نافرمانی کرنے والوں کی آخری ٹولی بھی چلی گئی تو احرار لیڈروں کی جماعت سید صاحب مرحوم کی سرکردگی میں باہر نکلی اور سید صاحب کے پر درد طریق سلام وصلوٰۃ کی گونج میں باغ کے قریب جا پہنچی اور وہیں گرفتار ہوگئی اور اس طرح یہ شب ختم ہوگئی اور

میرے ذہن پر سید عالی مقام کا انمٹ نقش چھوڑ گئی۔ احرار کے بڑے بڑے لیڈر تو گرفتار ہو گئے مگر سول نافرمانی اضلاع میں پھیل گئی اور آخر یہ اثر ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے خلاف زبان کشائی کرنے والوں کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ 1

❁ ...... بنت امیر شریعتؒ محترمہ سیدہ اُم کفیل صاحبہ فرماتی ہیں:

خانقاہ سراجیہ کا نسخہ

سر سکندر والے کیس میں خانقاہ سراجیہ کندیاں والے حضرت مولانا احمد خاں صاحب کو جب اباجی نے دعاء کے لئے پیغام بھیجا تو انہوں نے وظیفہ پڑھنے کے لئے بتایا اور ساتھ فرمایا تھا۔

"جے میں ول ہوندا تے میرا اک رات دا کم سی ہن شاہ نوں آکھو تن راتاں پڑھے تے ہوئے گا تماشا"۔

پھر رپورٹر نے ہی جعلی تقریر کا بھانڈا بر سرِ عدالت پھوڑ دیا۔ اباجی فرمایا کرتے تھے کہ میں بیٹھا پڑھ رہا تھا آنکھیں بند کیں تو تلوار چلتی دیکھی۔

آتا قلندروں کو جس وقت جلال
شاہوں کے سروں سے تاج گر پڑتے ہیں

حضرت رائے پوری اور حضرت امیر شریعتؒ

❁ ...... جناب حفیظ رضا پسروریؒ لکھتے ہیں:

گو حضرت امیر شریعتؒ، حضرت رائے پوریؒ مرید تھے مگر حضرت رائے پوریؒ ان کو اہم مقام دیتے تھے اور امیر شریعت کے ساتھ انہیں خصوصی محبت اور لگاؤ تھا۔ حضرت امیر شریعت فرمایا کرتے تھے کہ جدوجہد آزادی میں کئی ایسے مشکل مقام آئے جہاں زندگی اور موت میں بہت تھوڑا فاصلہ رہ جاتا تھا۔ مگر حضرت رائے پوری کی خاص روحانی توجہ سے وہ مرحلے آسانی سے طے ہو جاتے۔ شاہ صاحب کو جب کبھی فرصت ملتی تو وہ حضرت کی خدمت میں رائے پور تشریف لے جاتے اور ان کے فیضان نظر سے مستفید ہوتے رہتے۔

1۔ نقیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر حصہ دوم ص 361 تا 368

جب 1950ء میں حضرت رائے پوری بیماری کی حالت میں بغرض علاج لاہور تشریف لائے تو شاہ جی بھی ملتان سے لاہور پہنچ گئے اور شب و روز حضرت رائے پوری کی خدمت میں رہنے لگے۔

حضرت رائے پوری اکثر انہیں دعا کے لئے کہتے اور شاہ جی نظریں جھکا لیتے۔ میں ان دنوں لائل پور تعینات تھا۔ ایک دن قاضی جی (قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ) بھاگے بھاگے آئے، فرمانے لگے۔ لاہور چلنا ہے۔ حضرت رائے پوری کی حالت تشویشناک ہے۔ ہم بذریعہ کار لاہور پہنچے۔ حضرت کا قیام ڈیوس روڈ کے قریب اپنے عقیدت مند حاجی عبدالمتین کے ہاں تھا۔ ہم وہاں پہنچے۔ حضرت چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور مشتاقانِ دید کا ہجوم اردگرد محو دعا تھا۔ اندر ایک کمرے میں شاہ جیؒ اور شیخ حسام الدینؒ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ ساتھ کے کمروں میں آغا شورش کاشمیریؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، جناب عبدالوحیدؒ وزیر مغربی پاکستان، سابق جنرل حق نواز، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا عبید اللہ انورؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا عزیز الرحمٰن لدھیانویؒ اور دہلی سے آئے ہوئے کچھ اور بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔

میں باہر صحن میں بیٹھا تھا اور حضرت رائے پوری بستر علالت پر تھے۔ سب لوگ بارگاہ رب العزت میں حضرت کی صحت کی دعا کر رہے تھے۔ حضرت نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ میں نے ایک بار یہ شعر پڑھا:

خواجہ ء من نگہدار
آبروئے گدائے خویش

میری حیرانی کہ حد نہ رہی۔ کہ حضرت نے آنکھیں کھول کر میری طرف مختصراً دیکھا اور پھر محو استراحت ہو گئے۔ قاضی جی نے دیکھا تو حیران ہوئے۔ مجھ سے پوچھنے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ شعر پڑھا تھا۔ فرمانے لگے کہ حضرت کا روحانی تصرف تھا۔ اب نہ پڑھنا۔ حضرت کو آرام کی ضرورت ہے۔ پھر میں اور قاضی صاحب۔ اندر شاہ جی کی خدمت میں جا بیٹھے۔ شاہ جی حضرت سے اپنے تعلق کے واقعات سنا رہے تھے۔ فرمانے لگے:

آپ کی تقریر نفلی عبادت کی ضرورت پوری کر دیتی ہے

آزادی برصغیر اور تحریک ختم نبوت کی مسلسل جدوجہد کے دوران انہوں نے محسوس کیا کہ جب وہ رات کے پچھلے پہر تہجد کے لئے اٹھتے ہیں یا اٹھنا چاہتے ہیں تو اکثر نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے از حد پریشان تھے۔ انبالہ کی ایک ملاقات میں انہوں نے اپنی اس مشکل کا تذکرہ حضرت رائے پوری سے کیا تو انہوں نے پڑھنے کے لئے ایک وظیفہ بتا دیا۔ شاہ جی نے پڑھا تو اس کے بعد کیفیت یہ ہو گئی کہ نیند بالکل غائب ہو گئی۔ اور اشد ضرورت کے وقت بھی نیند نہ آتی تھی۔ رات گئے تقریر کے بعد جب قیام گاہ پر آتا تو بقیہ وقت کروٹیں بدل بدل کر گزر جاتا مگر تہجد ضرور ادا ہو جاتی۔ اس سے از حد پریشانی رہی۔ کچھ دوائیاں بھی استعمال کیں مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جماعتی کاموں میں بے پناہ مصروفیت کے سبب حضرت رائے پوریؒ سے جلد ملاقات نہ ہو سکی۔ آخر دو ماہ بعد سہارنپور میں ملاقات ہوئی تو میں نے اپنی مشکل کا ذکر کیا۔ فرمانے لگے کہ مجھے بھی اس کا بے حد فکر رہا۔ آپ (شاہ جی) کے اصرار پر وظیفہ بتا دیا تھا۔ وگرنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ حقیقتاً آپ کی جدوجہد اور تقریر ہی عبادت کا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ کسی نفلی عبادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آپ کی تقریر ہی عبادت نفلیہ کی ضرورت پوری کر دیتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ تقریر کے بعد نماز فجر تک آرام کیا کریں۔ اس کے بعد نیند کی حالت معمول کے مطابق ہو گئی۔ میں سو بھی لیتا تھا۔ تہجد بھی ادا کر لیتا تھا اور بروقت نماز فجر کے لئے تیار بھی ہو جاتا تھا۔ تھکاوٹ یا نیند کی کمی کا پھر کبھی احساس نہ ہوا۔ [1]

شاہ جیؒ! اور ٹوپی

ایک مرتبہ شاہ جیؒ بنگال کے ضلع دیناج پور کی جیل میں بھیجے گئے۔ وہاں اندرون جیل مولانا عبداللہ الباقی اور دیگر علماء اور رہنمایان بنگال پہلے سے موجود تھے۔ شاہ جی کے سر پر مراد آبادی ٹوپی تھی۔ ان لوگوں نے بھی دیکھا دیکھی مراد آبادی ٹوپیاں استعمال کرنا شروع کر دیں۔

جیل کے انگریز افسروں کو یہ ٹوپیاں سخت ناگوار تھیں اور سب سیاسی قیدیوں نے یہ

1۔ ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" امیر شریعت نمبر، حصہ دوم، ص 188 ۔ 187

فیصلہ کرلیا کہ انگریزوں کو یہ ناگوار ہیں تو ہم ان کا استعمال ہرگز ترک نہ کریں گے۔

ایک دن سپرنٹنڈنٹ جیل اور مسٹر سیمپسن (Simpson) انسپکٹر جیل خانہ جات معائنہ کے لئے آئے اور تمام سیاسی قیدیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

یہ گاندھی کیپ ہیں، انہیں آپ لوگ نہ پہنا کریں۔

شاہ جیؒ نے آگے بڑھ کر فرمایا:

یہ گاندھی کیپ نہیں بلکہ مرادآبادی کیپ ہیں۔

مگر گاندھی کیپ کے متعلق اصرار جاری رہا۔ شاہ جی نے غصہ میں فرمایا تو پھر یہ قمیض بھی گاندھی ہے اور یہ پاجامہ بھی۔

اس پر سیمپسن بہت چڑا' اس نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو حکم دیا کہ ان سب کی ٹوپیاں اتروالو۔

یہ حکم سنتے ہی اکثر اصحاب نے ٹوپیاں خود بخود اتار کر جیل سپرنٹنڈنٹ کے حوالے کر دیں۔

سپرنٹنڈنٹ جیل شاہ جیؒ کی طرف بڑھا اور کہا کہ آپ بھی ٹوپی اتار دیں۔

شاہ جیؒ نے فرمایا: سر اترنے سے پہلے یہ ٹوپی نہیں اتر سکتی۔ پہلے سر اتارو پھر ٹوپی اتار لینا۔ شاہ جیؒ نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر میری ٹوپی پر اس نے ہاتھ ڈالا تو دونوں افسروں کو گرا کر آج میں سیمپسن کا خون پیوں گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس وقت میرے سامنے بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کا خون تھا اور میری صحت بھی ماشاءاللہ بہت اچھی تھی۔ جب سپرنٹنڈنٹ جیل نے شاہ جی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو آپ نے اس کی کلائی پکڑ لی اس پر کچھ اس قسم کی ہیبت طاری ہوئی کہ چوٹی سے لے کر ایڑی تک وہ پسینہ میں لت پت ہوگیا اور وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ شاہ جی نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ دونوں افسر بڑبڑاتے ہوئے احاطے سے باہر چلے گئے۔

اس کے بعد ادھر تمام رفقاء جیل سمجھے کہ شاہ جیؒ پر بڑی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹے گا اور جب سیمپسن دفتر پہنچا ابھی آرام سے بیٹھا بھی نہ تھا کہ دو پستولوں سے مسلح ٹیریرسٹ جوان آئے اور انہوں نے سیمپسن کو للکار کر کہا:

تیار ہو جاؤ مسٹر سمپسن (Resdy mr. Simpson) پھر بیک وقت دونوں نے فائر کئے چشم زدن میں سمپسن خاک کا ڈھیر تھا۔ کچھ وقفہ کے بعد جب شاہ جیؒ اور ان کے رفقاء کو اطلاع ملی تو شاہ جیؒ نے مارے خوشی کے زور سے کہا۔ وہ مارا گیا ان کی اس گرج پر رفقاء گھبرا گئے کہ کہیں اس سازش میں ہم پر مقدمہ نہ قائم ہو جائے۔ شاہ جیؒ نے فرمایا ظالم دشمن مارا ہے۔ اب بھی خوشی نہ منائیں۔ [1]

عشق رسول ﷺ

شاہ صاحب کو رسول اکرم ﷺ سے حد درجہ عشق تھا جو بات بات میں زبان پر آتا تھا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر فرمایا:

"خدا کی عبادت، رسول کی اطاعت، انگریز کی بغاوت، یہ میرا ایمان ہے اور رہے گا۔ خدا معبود ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ محبوب اور انگریز مغضوب۔ خدا کو جو جی میں آئے کہو اس کا محاسبہ وہ خود کرے گا۔ مگر محمد ﷺ کے متعلق سوچ لینا یہ معاملہ عقل و خرد کا نہیں، عشق کا ہے۔ عشق پر زور نہیں ہوتا اور نہ اپنے پر اختیار۔ پھر یہ نہیں سوچا جائے گا کہ قانون کیا کہتا ہے اور زمانہ کیا چاہتا ہے۔ پھر جو ہونا ہو گا ہو جائے گا۔ جو ہو گا وہ دیکھا جائے گا۔ [2]

اور جج لاجواب ہو گیا

حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ نے قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ سے پوچھا کہ تحقیقاتی عدالت میں حضرت شاہ صاحب (سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ) نے مرزائیوں کے بارے میں کیا بیان دیا تھا۔ قاضی صاحب نے جواباً عرض کیا کہ جب چیف جسٹس مسٹر محمد منیر نے شاہ صاحبؒ سے پوچھا کہ کیا آپ مرزا غلام احمد کو کافر کہتے ہیں؟ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب مجھ پر لدھارام والا مقدمہ چلایا گیا تھا اور لدھارام کے بیان پر مجھے بری کر دیا گیا تھا تو آخری پیشی پر سرکاری وکیل نے یہ سوال بھی اٹھایا تھا کہ یہ مرزا کو کافر کہہ کر منافرت پھیلاتے ہیں۔

1۔ شاہ جیؒ کے علمی و تقریری جواہر پارے ص 340 تا ص 242 از اعجاز احمد سنگھانوی

2۔ شاہ جیؒ کے علمی و تقریری جواہر پارے ص 156، 157

اس پر انگریز چیف جسٹس مسٹر ینگ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا آپ مرزا غلام احمد کو کافر کہتے ہیں تو میں نے کہا تھا ہاں۔ میں ایک دفعہ نہیں کروڑوں دفعہ اسے کافر کہا ہے۔ اب بھی کہتا ہوں اور مرتے دم تک کہتا رہوں گا۔ یہ تو میرا دین و ایمان ہے۔ اس پر مسٹر ینگ نے سرکاری وکیل سے کہا تھا کہ لوان سے اور سوال کرو۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ تشریف لے جائیں۔ آپ کا مرزا کو کافر کہنا کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ قصہ مسٹر محمد منیر کو سنا کر شاہ صاحبؒ نے کہا کہ عیسائی جج نے تو اس طرح کہا تھا۔ اب معلوم نہیں مسلمان عدالت کیا کہتی ہے۔ یہ سن کر مسٹر منیر نے بھی آپ کو یہی کہا کہ آپ تشریف لے جائیں۔[1]

●●●●......●●●●

---

1 تحریک ختم نبوت 1953، ص 545، 546

الہلال کی زبان کا عوامی ترجمان

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے الہلال کے ذریعہ قوم میں حریت و آزادی کی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ لیکن الہلال سے پڑھا لکھا طبقہ استفادہ کر سکتا تھا۔ جب کہ ان پڑھ اس کی زبان کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اسے عوامی زبان مہیا کرتے۔ شاہ جیؒ نے اسے عوام کی زبان میں ڈھال کر قوم کو انگریز کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔

❁ ...... چنانچہ جناب عبداللطیف ایم اے رقمطراز ہیں:

1926ء کا زمانہ تھا کہ الہلال نے ہندوستان کے مطلع صحافت پر طلوع ہو کر مسلمانوں کو خواب غفلت سے جھنجھوڑنے کی کوشش کی ۔ نیند کے ماتے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے۔ ایک انقلابی انگڑائی لی اور کلکتہ سے بلند ہونے والی صدا پر گوش بر آواز ہو گئے۔ یہ صدا دل نواز تو تھی۔ لیکن اس کا مکمل ادراک ہر ایک کے بس کا روگ نہ تھا۔ الہلال کی زبان ابوالکلام کی زبان تھی جسے پوری طرح سمجھنا تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لئے ہی ممکن تھا۔ وقت مقتضی تھا، کہ اس انقلابی پیغام کا کوئی ترجمان ان عوام تک پہنچے۔ جو ابوالکلام آزادؒ کی انشاء پردازانہ عظمت کا صحیح شعور نہ رکھنے کے باعث اس کی روح تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ اور ان کی زبان میں انہیں یہ پیغام پہنچائے۔

چالیس برس تک آزادی کی شمع جلائے رکھی

اسی دور میں امرتسر کے چھوٹے سے شہر سے ایک للکار گونجی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک

عظیم خطیب کے روپ میں برصغیر کے طول و عرض پر چھا گئی ایک بوریا نشیں طالب علم نے بیک وقت اپنے غیر معروف مدرسے اور معمولی مسجد کی امامت سے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی اقلیم پر حکومت کی طرف قدم بڑھایا۔ کم و بیش چالیس برس تک، قریہ قریہ، بستی بستی میں آزادی کی پکار بلند کی اور مسلمانوں کے دل میں جذبۂ حریت بیدار کرنے میں کسی بھی واحد شخصیت سے زیادہ اہم کردار ادا کیا۔ پڑھے لکھوں نے سنا تو جھوم گئے۔ عوام نے سنا تو برستی گولیوں اور چلتی لاٹھیوں کے سامنے سینے تان دیئے۔ انگریزی استعمار کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئی اور حریت پسند کی طرح اس شخصیت کو بھی مرحلہ دار و رسن سے روشناس کر گئی اور اس کے بعد یہ سعادت اس کی زندگی کا اہم حصہ بن گئی۔

عہد نبوی ﷺ کے مسلمانوں کے کردار کی بازگشت

یہ للکار سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تھی جو بلاشبہ اس صدی کے عظیم ترین خطیب تھے۔ اور جن کی ذات گرامی پر کسی بھی قوم کو فخر ہوتا، جو اس نفس پرستی اور خود غرضی کے دور میں ایثار و قربانی، فقر و بے نیازی اور غذا پرستی اور تقویٰ کا ایک ایسا نمونہ تھے۔ جو عہد نبوی کے مسلمانوں کے کردار کی بازگشت معلوم ہوتا ہے جب ہندوستان میں جذبہ حریت اور ناموسِ حفاظت رسالت کی تاریخ لکھی جائے تو شاہ جیؒ کا نام نامی سر فہرست آتا ہے اس دور میں کسی مقصد سے لگن اور اس کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دینے کا کوئی عمل مکمل نمونہ اگر ہمارے سامنے آتا ہے تو وہ شاہ صاحب کی ہی ذات گرامی ہے۔ ان پر کون سی مصیبت نہیں آئی اور دنیوی تکالیف کا کون سا ایسا مرحلہ ہے، جس میں وہ نہ گزرے ہوں۔ لیکن کہیں بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ ہوئی، نہ فاقہ مستی ان کے لئے باعث رکاوٹ بن سکی اور نہ ہی قید و بند کی صعوبتوں نے انہیں اپنے مقاصد سے روکنے میں کامیابی حاصل کی۔

یوں تو ہندوستان میں بیسوں لیڈر گزرے ہیں اور ان میں سے کسی کے مقام سے بھی انکار کرنا غلط ہوگا۔ لیکن یہ سعادت کسی کے حصے میں نہیں آئی۔ کہ کلکتہ سے پشاور اور کشمیر سے راس کماری تک اسے ایک ہی جیسے احترام اور خلوص سے سنا گیا ہوا...... دیہات کے عوام میں آزادی کی لہر دوڑانے میں جو کردار شاہ صاحب نے ادا کیا ہے اس کا بھی کوئی جواب

ہندوستان میں نہیں ملتا۔ شاہ صاحبؒ حق گوئی کی ایک مثال تھے انہوں نے جس قدر درست سمجھا اسے برسردار بھی کہا۔ اور پابہ زنجیر ہو کر بھی کہا جب برطانوی سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ انہوں نے انگریزی استعمار کو للکارا۔ یہ وہ دور تھا جب بڑے بڑے لیڈر بھی مکمل آزادی کا نام نہ لیتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے موقعہ پر انہوں نے اس وقت انگریزوں سے عدم تعاون اور فوجی بھرتی نہ دینے کا اعلان کیا۔ جب سورج اور آزادی کی مالا چلنے والی اشیاء کی عظیم جماعت کانگرس بھی سوچ بچار میں مبتلا تھی۔

شاہ صاحبؒ اپنی ذات میں ایک تحریک تھے۔ وہ تنہا ایک عوامی تحریک برپا کر سکتے تھے۔ ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک کشمیر اور تحریک ختم نبوت ان کی خطابت کا ایک اعجاز ہیں۔ وہ جس مسئلے کو چاہتے عوام کے دل کی آواز بنا سکتے تھے۔ انہیں اس بات پر قدرت حاصل تھی کہ سامعین کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لیں وہ اگر اپنے مخاطبین سے چٹانوں سے ٹکرا جانے کو کہتے وہ بلا جھجک کر گزرتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ جو لوگ گھر سے شاہ صاحب کا ایک لفظ نہ سننے کی نیت سے آئے جلسہ میں اپنے جیب و داماں کی آخری متاع شاہ صاحب پر نثار کر گئے ان کی تقریر کی کیفیت الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ وہ پوری جلسہ گاہ کو قرون اولیٰ کے ماحول میں لے جاتے ان کو جادو کر دینے والی شخصیت جب اسٹیج پر نمودار ہوتی تو دل خراج عقیدت پیش کرتے اور جب حجازی لہجے میں خطبہ مسنونہ پڑھتے۔ تو بدترین مخالف بھی موم ہو جاتے اور پھر چند لمحوں میں یہ کیفیت ہوتی کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کو جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

شاہ جیؒ اگر کسی زندہ قوم میں پیدا ہوتے تو ان کے نام پر متعدد ادارے وجود میں آتے اور ان کے مجسمے چوراہوں کی زینت بنتے۔ لیکن وہ جس قوم میں پیدا ہوئے وہ لعل و جواہر کو مٹی میں ملا دینے والی قوم ہے۔ اس میں جوہرِ قابل کی شناخت ہے نہ قدر، ورنہ وہ جس قوم کے قائد تھے اگر اسے پہچان لیا جاتا تو اس کیفیت میں زندگی بسر نہ کرتے جس طرح کے شب و روز ان پر بیت گئے۔

حلم، عجز اور تواضع کا پیکر

شاہ صاحبؒ کے خلوص سے ان کے دشمنوں کو بھی انکار ممکن نہیں۔ لیکن ان کے کردار کا سب سے اہم پہلو یہ تھا۔ کہ عوام میں جو مقبولیت انہیں اپنے دور میں نصیب ہوئی۔ اور جس چاہت اور اشتیاق سے عوام نے انہیں سنا اور جان و مال کی قربانیاں دیں وہ کسی اور لیڈر کو یقیناً نہ ہو سکی اس کے باوجود شاہ صاحب کو غرور اور تکبر چھو نہ گیا تھا۔

انہوں نے پیشہ ور سیاست دانوں اور نام نہاد مشائخ و علماء کی طرح اپنے گرد و پیش جاہ و حشم کا کوئی اہتمام نہیں کیا، اس کے بالکل برعکس وہ انکسار، تواضع اور حلم کا پیکر تھے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ رضا کار اور وزیر و امیر قلندر کی بارگاہ میں برابر کا درجہ رکھتے تھے۔ جب لاکھوں عوام ان کی تقاریر پر سر دھن رہے ہوتے وہ اپنے مرشد حضرت عبدالقادر رائے پوری کے ارشاد کے مطابق خدا سے دُعا مانگ رہے ہوتے کہ پروردگار میرا کوئی ایک لفظ قبول کرلیجیئو۔ اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اثر رکھتا تھا۔ کیونکہ خلوص...... میں ڈوبا ہوا تھا نہ کہ محض لذت بیان کی خاطر ارشاد ہوتا تھا۔[1]

ایک لاثانی خطیب

خوردوں کو بزرگ بنانے اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنے والے بہت کم ملیں گے۔ اللہ پاک نے شاہ جیؒ کو اس عظیم وصف سے نوازا تھا۔ چنانچہ آپ کے زیر سایہ کام کرنے والے تمام ورکر بھی آگے چل کر آسمان خطابت کے ماہ و انجم بنے۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے چالیس سال مہتمم رہنے والی شخصیت حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ لکھتے ہیں۔

حضرت شاہؒ صاحب کی زندگی اپنی نوعیت میں بلاشبہ ایک معیاری زندگی ہے جہاں تک زندگی کے جزئیاتی معاملات کا تعلق ہے مجھے چونکہ اس زندگی میں ان سے زیادہ...... معیت میسر نہیں ہوئی، اس لئے ان کی زندگی کے جزئیات اور عوامی گوشوں پر روشنی ڈالنا یا سیر حاصل تبصرہ کرنا میرے لئے دشوار ہے، البتہ جہاں تک مجموعی زندگی کے اصولی نقشے کا تعلق

1۔ روزنامہ آزاد لاہور امیر شریعت نمبر ص 24

ہے اس کے بارے میں بلا جھجک یہ عرض کر سکتا ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کی زندگی ایک بے مثال خطیب کی زندگی ہے جس پر قوم کو ہمیشہ ناز رہے گا معرکتہ الاراء خطابت اور شعلہ بیانی ان کی ایک ایسی زبردست خصوصیت رہی ہے جس میں وہ اپنے معاصرین میں ہمیشہ منفرد اور ممتاز رہے ہیں اور اس خداداد جوہر کے ساتھ انہوں نے اسلام اور اس کے مسلک حق کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں جس خوبصورتی اور خوبی کے ساتھ پہنچایا ہے وہ انہی کا حق تھا یہ جوہر اور قرآنی اعجاز ...... کا پرتو ان کیقلب پر حق تعالیٰ نے خاص طور پر ڈالا تھا جس سے انہوں نے حق ہی کا کام کیا اور حق ہی کے راستے کی ہمیشہ دعوت دیتے رہے۔

جہاں تک ان کے بیانات سے مجھے استفادہ کا موقع ملا ہے محسوس ہوتا ہے کہ قرآن ان کے سامنے کھلا ہے اور وہ اس کے بلیغ اور موجز جملوں کی مجسم شرح و تفسیر بنے ہوئے ہیں سحر بیانی سے مجمع کو باندھ کر رکھ دینا گویا ان کا اختیاری فعل ہوتا ہے کہ جب چاہیں اسے کھول دیں اور جب چاہیں باندھے رکھیں۔ پھر یہ ان کے بیان کی بلاغت و سلاست کی خوبی تھی کہ مسلم و غیر مسلم مکمل طور پر ان سے مستفید ہوتے تھے اور دست و پابستہ ہو جاتے تھے۔

مجلس احرار کے ذریعہ انہوں نے ملک اور قوم کی جو عظیم خدمات ایک طویل مدت تک انجام دیں برصغیر ہندو پاک کا گوشہ گوشہ ان پر گواہ ہے تحریکِ آزادی پاک و ہند کی تاریخ میں انہیں ایک بلند مقام اور عظیم خصوصیت حاصل ہے۔ اس دور میں راہیں الگ الگ تھیں اور ایک کی رائے کا دوسرا پابند نہ تھا لیکن ان کے ذہنی جوہروں کے معترف ان کے مخالف بھی تھے اور ان سے متاثر بھی ہوتے تھے کبھی سفروں میں اتفاقی طور پر ساتھ ہوا محسوس ہوتا تھا کہ وہ مقناطیس کی حیثیت سے ہیں اور لوگ بمنزلہ لوہا پیتل کے ہیں جو کھینچ کھینچ کر ان سے چسپاں ہو رہے ہیں اور چیدگی کے ساتھ ان کے اردگرد جمع ہیں۔ میرے لئے موجبِ ناز ہے کہ ممدوح کو میرے ساتھ خصوصی محبت اور ساتھ ہی شفقت بھی رہی ہے اگر کبھی کسی جلسے میں ان کے سامنے میری تقریر ہوئی تو غیر معمولی طور پر خوش ہو کر ہمیشہ تحسین و آفرین کا برتاؤ فرمایا بلکہ اسے لکھوانے کا اہتمام بھی کیا۔

خوردنوازی

ان کی خوردنوازی کی شان تھی جس سے محبت اور وفا مترشح ہوتی تھی کبھی کبھی مجھ سے حوصلہ افزائی کے لہجے میں فرماتے کہ تیری ایک تقریر سے میں کئی وعظ بنالیتا ہوں۔ امرتسر میں ایک مرتبہ مسجد خیرالدین میں میری تقریر ہوئی تو خود بھی اس میں موجود تھے اور باوجود اپنی بے مثال خطابت اور اس بارے میں صاحب فن ہونے کے تقریر اس طرح سن رہے تھے جیسے کوئی مستفید اور مبتدی کرتا ہے اور کلمے کلمے پر بزرگانہ انداز سے داد و تحسین کے کلمات و اشارات کہے جاتے تھے میں واپس ہوا تو اسٹیشن تک ساتھ آئے اور پھولوں کا ہدیہ ایسے انداز سے عطا فرمایا جیسے کوئی اپنے بڑے کو نذر دیا کرتا ہے یہ ان کی قوتِ تواضع اور ہضم نفسی کی دلیل ہے خطباء میں تواضع کے ساتھ ساتھ مستفیدانہ انداز کا حامل میں نے انہیں کو دیکھا ہے ورنہ عموماً خطباء دوسرے کی خطابت سے استفادہ کو کسر شان سمجھتے ہیں لیکن وہ کسرِ شان کے بجائے کسرِ نفسی کا جذبہ لے کر دوسروں کی خطابت سے ہمیشہ مستفیدانہ رنگ سے استفادہ کرتے تھے یہ درحقیقت ثمرہ ہے ان کی وابستگی کا۔ اور بزرگوں کے سلسلے میں منسلک ہونے کا۔

ایک روشن ضمیر اور صاحب دل انسان

ممدوح حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت تھے اور اپنے شیخ کی توجہات کا مرکز بھی۔ جس سے خود شیخ کو تعلق ہے اس کا قدرتی اثر تواضع اور انکسار طبع ہی ہو سکتا ہے جو ان میں بحمد للہ بدرجہ اتم موجود تھا اور اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ بخاری صرف ایک مثالی خطیب ہی نہیں بلکہ ایک روشن ضمیر اور صاحب دل انسان بھی تھے۔ جنہیں ہمیشہ بزرگوں سے قلبی رابطہ اور عقیدت کا رشتہ رہا ہے۔

شاہ جیؒ کی مسحور کن شخصیت

❁ ...... مولانا محمد منظور نعمانیؒ رقمطراز ہیں:

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام سب سے پہلے اس ناچیز نے اس وقت پڑھا جب لاہور کے ایک دریدہ دہن آریہ سماجی نے اللہ کے رسول سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے خلاف ایک نہایت گندی، اور رسوائے عالم کتاب لکھ کر شائع کی، اس کتاب کا نام بھی اتنا خبیث اور دل آزار تھا کہ شریف آدمی خواہ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتا ہو، دلی تکلیف کے بغیر وہ نام نہیں لے سکتا...... ہندوستان کی فرقہ وارانہ فضا شدھی سنگھٹن کی فتنہ انگیز تحریک نے پہلے ہی سے کافی خراب کردی تھی، اس کتاب کی اشاعت نے آگ پر جلتی کا کام کیا..... اور مسلمانوں میں سخت ہیجان بلکہ طوفان برپا ہوگیا۔

اس سلسلہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے لاہور میں ایک تقریر کی تھی، اس کا اثر یہ ہوا تھا کہ پردہ نشین خواتین نے اپنے بچے ان کے قدموں میں ڈال دیئے تھے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر قربان کردو۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس تقریر پر گرفتار کر لئے گئے، ان پر مقدمہ چلا بالآخران کو غالباً دو سال کی قید سخت ہوئی۔

بہر حال جہاں تک اب یاد ہے میرے دل میں ان کی غائبانہ محبت کا بیج اسی زمانہ میں، اخبارات میں ان کا تذکرہ دیکھ دیکھ کر پڑا۔ پھر مختلف تحریکوں اور سرگرمیوں کے سلسلہ میں اخبارات میں ان کا نام آتا رہا۔

یہاں تک کہ ایک وقت اخبارات میں آیا کہ انجمن خدام الدین لاہور کے جلسہ میں (جس میں پنجاب کے علماء حق کی ایک بڑی تعداد شریک تھی) سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امیر شریعت قرار دیئے گئے اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم دین اور سب سے بڑی دینی درسگاہ...... (دارالعلوم دیوبند) کے صدر و شیخ الحدیث، استاذ نا واستاذ العلماء حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ (قدس سرہٗ) نے بحیثیت امیر شریعت ان کے ہاتھ پر بیعت کی...... اخبارات میں یہ خبر پڑھنے کے بعد قدرتی طور پر اپنی نظر میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی عظمت واہمیت پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی اور دید وملاقات کا دل میں بڑا اشتیاق پیدا ہوگیا۔

ان کے نام کے ساتھ "بخاری" اور "شاہ" کے پُرعظمت ضمیمے لگے ہونے کی وجہ سے میرا تصور اس وقت ان کے بارہ میں یہ تھا کہ ان کی شکل وصورت بخاری علماء کی سی اور وضع و ہیئت مشائخ طریقت کی سی ہوگی۔ لیکن اتفاق کی بات عرصہ تک ملاقات کی نوبت نہیں آئی۔

میں 1930ء میں امروہہ (ضلع مرادآباد) میں مدرس تھا، حسن اتفاق کہ اس سال

جمعیۃ العلماء اور اس کے کاموں سے خاصی دلچسپی تھی۔ یہ وہ وقت تھا کہ چند ہی مہینے پہلے آل انڈیا کانگریس نے اپنے لاہور کے اجلاس میں 1928ء والی اُس نہرو رپورٹ کو منسوخ قرار دے کر جس کی بناء پر 1929ء میں جمعیۃ علماء ہند بھی کانگریس سے الگ ہوگئی تھی اور آزادی کامل کی تجویز پاس کی تھی۔ اور پھر اس کے بعد گاندھی جی نے نمک سازی کی شکل میں انگریزی اقتدار کے خلاف سول نافرمانی کی جنگ گجرات سے شروع کر دی تھی۔ بہر حال امروہہ میں جمعیۃ العلماء کا یہ اجلاس، اس زمانہ اور اس ماحول میں ہونے والا تھا۔

جمعیۃ کا اجلاس شروع ہونے سے ایک دو دن پہلے ہی قریبی مقامات سے جمعیتی رضا کاروں کے جتھے انتظام کے لئے آنا شروع ہو گئے میرے وطن سنبھل کا ایک جتھا ایک دن پہلے پہنچنے والا تھا اس میں کے بعض آدمی علی الصبح پہنچ گئے۔ اور انہوں نے بتایا کہ ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہمارا جتھا ایک جلوس کی شکل میں امروہہ میں داخل ہو، اس جلوس میں کچھ اونٹ ہوں، ان پر نقارے ہوں، اس لئے ہمارے واسطے اونٹوں اور نقاروں کا انتظام کر دیا جائے۔ (دراصل سنبھل کے رضا کار اس طرح کے "حجازی" جلوس نکالا کرتے تھے) ہم لوگ جو امروہہ میں اس وقت اجلاس کے کاموں کے ذمہ دار تھے، ان کے سامنے یہ مسئلہ آیا، قریباً 9-8 بجے صبح کا تھا، مجلس استقبالیہ کے دفتر میں بیٹھے ہم اسی مسئلہ پر مشورہ کر رہے تھے کہ اونٹوں نقاروں والا یہ حجازی نما جلوس یہاں نکلنا مناسب ہے یا نہیں میری اور اکثر کارکنوں کی رائے اس وقت کے حالات میں جلوس کے حق میں تھی۔ لیکن ہم سب کے مخدوم اور ہر حیثیت سے بزرگ حضرت حافظ عبدالرحمٰن صاحب (مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ) رحمہ اللہ علیہ کی رائے نہیں تھی۔ ان کو غالباً اس کے جواز میں بھی شبہ تھا۔ یا وہ اس کو ثقاہت اور سنجیدگی کے خلاف سمجھتے تھے۔

شاہ جیؒ سے پہلی ملاقات

یہ مشورہ چل ہی رہا تھا کہ اچانک دو حضرات دفتر میں داخل ہوئے ان میں ایک تو حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ تھے جو میرے لئے جانے پہچانے ہی نہیں بلکہ میرے استاد تھے اور ان کے ساتھ جو دوسرے صاحب تھے ان کو ہم سے کوئی نہیں پہچانتا تھا، ان کی وضع یہ تھی کہ ہاتھ میں بہت موٹا سا ایک سونٹا، جسم پر کھدر کا چھوٹا سا قمیض نما نیم آستین کرتا،

اور غالباً کھدر ہی کا رنگا ہوا نیلا تہبند، جسم بالکل پہلوانوں کا سا میں یہ سمجھا کہ یہ مفتی صاحب کے ساتھ کوئی رضا کار ہیں۔ اتنے میں خود مفتی صاحب نے بتایا کہ یہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہیں، یہ سن کر سب کی، خاص کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیوں کہ میرے تصور میں تو ان کی صورت اور وضع بخارہ کے کسی مقدس شیخ خانقاہ کی سی تھی، مصافحہ اور ملاقات کے بعد بڑی بے تکلفی کے ساتھ شاہ صاحب نے ہم لوگوں سے فرمایا، کیا ہو رہا ہے؟

میں نے کہا کہ ہم لوگ ایک چھوٹے سے مسئلہ پر غور کر رہے ہیں سنبھل کے رضا کاروں کا جتھا آرہا ہے وہ اس طرح کا جلوس نکالنا چاہتا ہے۔ ہم میں سے کچھ کی رائے ہے کہ نکلنا چاہیے اور بعض حضرات اس کو ٹھیک نہیں سمجھتے۔ شاہ صاحب نے اپنے خاص انداز میں فرمایا کہ اس وقت کے مفتی ہم ہیں، ہم فتویٰ دیتے ہیں کہ ایسا جلوس نکلنا چاہئے۔ منگواؤ اونٹ اور نقارے ایک اونٹ پر میں خود بھی بیٹھوں گا۔

اس عاجز کی سب سے پہلی ملاقات شاہ صاحب سے یہی تھی اور ان کے انداز و مزاج کا یہ پہلا تجربہ تھا، جہاں تک یاد ہے یہ جمعہ کا دن تھا۔ جلوس کی تیاریاں فوراً شروع ہوگئیں۔ اور اسی شان سے جلوس نکلا، اور پورے بازار کا اس نے گشت کیا، مشورہ سے یہ بھی طے کر لیا گیا تھا کہ آج بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں شاہ صاحب کی تقریر ہوگی۔ (واضح رہے کہ اجلاس بھی جامع مسجد ہی میں ہونے والا تھا، اسی میں پنڈال بنا تھا) جلوس ہی نے شاہ صاحب کی تقریر کا اعلان کیا۔ اس زمانہ میں شاہ صاحب کی اخبارات میں دھوم تھی اور ان کی زندگی کے بعض واقعات نے مسلمانوں کے بہت بڑے طبقہ کو ان کا نادیدہ عاشق بنا دیا تھا۔ پھر امروہہ میں بلکہ ہمارے اس علاقہ ہی میں شاہ صاحب کی یہ پہلی آمد تھی۔ اور اس دن امروہہ میں کوئی دوسرا جلسہ بھی نہیں تھا (کیوں کہ دونوں جمعیتوں کے باقاعدہ جلسے کل سے شروع ہونے والے تھے) اس لئے شاہ صاحب کی تقریر سننے کے لئے آج بہت سے لوگ بھی آگئے جن کی دلچسپی دوسری جانب تھی اور جمعیۃ علماء ہند کے وہ سخت مخالف تھے۔

امروہہ میں پہلی تقریر نے کایا پلٹ دی

نماز جمعہ کے بعد تقریر شروع ہوئی۔ یہ پہلی تقریر تھی جو اس ناچیز نے شاہ صاحب کی

سنی، اس میں بالکل مبالغہ نہیں کہ پورا مجمع بالکل مسحور تھا۔ جمعیۃ علماء کے مخالفین کی طرف سے اس وقت دو باتوں کا خاص طور سے پروپیگنڈہ کیا گیا تھا۔ ایک یہ کہ یہ دیوبندی وہابی ہیں، نجدیوں کے حامی ہیں۔ دشمن رسول ہیں (معاذ اللہ) اس دوسری بات کے اچھالے جانے کی خاص وجہ یہ تھی کہ دوسری جمعیۃ کے اجلاس کا داعی اتفاق سے امروہہ کا وہ عنصر تھا جس کے نزدیک دیوبندی وہابیوں کی تکفیر کے سوا مسلمانوں کی زندگی کا کوئی دوسرا مسئلہ قابل توجہ نہیں تھا۔ شاہ صاحب کے علم میں یہ صورت حال ہم لوگوں کے ذریعہ آچکی تھی، اس لئے ساری تقریر کا محور یہی دو مسئلے رہے۔ اس تقریر نے لوگوں کو انتہا متاثر کیا کہ اپنی پوری زندگی میں کسی تقریر کا ایسا اثر مجھے یاد نہیں، رسول دشمنی والے ناپاک اتہام کے سلسلہ میں کچھ کہتے ہوئے جب شاہ صاحب نے مولانا جامیؒ کے دو شعر ایک موقع پر پڑھے تو دو آدمی تڑپ کر بے ہوش ہو گئے، جن کو بہت دیر کے بعد ہوش آیا...... یہ تقریر قریباً ڈھائی گھنٹہ تک ہوئی اور یہ واقعہ ہے کہ اسی پہلی تقریر نے سینوں کو انگریز دشمنی کے جذبہ سے بھر دیا اور امروہہ کی فضا کو جمعیۃ کے حق میں اور آزادی کی جنگ میں شمول کے لئے آمادہ کر دیا۔

اس فضا میں اس تجویز کے پاس کرا لینے میں سب سے زیادہ حصہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہی کا تھا۔ عام و خاص مجالس کی اس شخص کی تقریروں نے فضا پلٹ دی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کا بندہ تقریر نہیں کرتا سحر کرتا ہے۔ بعض مخصوص ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کی گرفتاری کے احکام آگئے ہیں اور وہ اجلاس ختم ہونے کے بعد روانگی کے وقت گرفتار کر لئے جائیں گے۔

چونکہ طے شدہ پالیسی یہ تھی کہ وہ حتی الامکان گرفتاری سے اپنے کو بچائیں اس لئے یہ چال چلی گئی کہ آخری رات کے آخری اجلاس کے لئے ان کی تقریر کا خاص طور سے اور بار بار اعلان کیا گیا اور اس طرح عوام کو مشتاق بنانے کے ساتھ پولیس کو بھی شاہ صاحب کے بارہ میں مطمئن کر دیا گیا اور ہوا یہ کہ شاہ صاحب ایک بڑے عجیب وغریب طریقہ پر دن ہی میں امروہہ سے نکل گئے اور امروہہ کا اسٹیشن چھوڑ کر ایک دوسرے قریبی اسٹیشن سے انہوں نے سفر کیا، اور یہ سب کچھ اس طرح ہوا کہ ان کی روانگی کا انتظام کرنے والے دو چار آدمیوں کے سوا اپنوں میں بھی کسی کو خبر نہیں ہوئی، رات کو مولانا احمد سعید صاحب (علیہ الرحمہ) کی تقریر شروع ہوئی اس

دن میں مولانا کی تقریر بھی بڑی غیر معمولی قسم کی ہوئی، اس کے باوجود یہ محسوس ہوتا رہا کہ مجمع بڑی بے چینی کے ساتھ شاہ صاحب کی تقریر کا منتظر اور مشتاق ہے، مولانا نے رات کے قریب دو بجا دیئے اور ایک دم کلائی کی گھڑی کو دیکھتے فرمایا، او ہو دو بجنے کے قریب ہیں! لو بھئی اسلام علیکم، اب شاہ صاحب کی تقریر پھر کبھی سن لینا! یہ سن کر پولیس والے بھی ہکا بکا رہ گئے۔

شاہ صاحب نے امروہہ سے نکل کر ایک طوفانی دورہ شروع کیا، وہ عرصہ تک گرفتار نہ ہو سکے، انہوں نے قریباً پورے شمالی ہند کا دورہ کر لیا 1930ء کی سول نافرمانی میں جو ہزار ہا مسلمان جیل گئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی بہت بڑی تعداد تنہا شاہ صاحب ہی کی پر جوش اور آتشیں تقریروں کے حساب میں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی کشش اور تاثیر دی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ غالباً اپنے اسی دورہ میں بدایوں بھی گئے، مولانا عبدالقدیر صاحب بدیوالی مرحوم کے مہمان ہوئے، معلوم ہے کہ موصوف اپنے بدایونی مسلک میں کیسے پختہ تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (بریلوی حضرات کی اصلاح کے مطابق) ٹھیٹ وہابی ہیں، اس کے علاوہ مجھے خوب یاد ہے کہ مولانا بدایونی مرحوم اور امروہہ کے اجلاس میں "کانگرس کی جنگ آزادی میں شرکت" والے رزولیوشن کے اہم مخالفین میں تھے لیکن اس اختلاف مسلک اور سیاسی اختلاف رائے کے باوجود سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریروں اور ان کے خلوص سے ان کا قلب اتنا متاثر تھا کہ کھانے کے لئے ہاتھ دھونے کے وقت خود سلفچی اور لوٹا ہاتھ میں لے کر شاہ صاحب کے ہاتھ دھلاتے تھے اور اپنے شدید اصرار سے شاہ صاحب کو اس معاملہ میں مجبور کر دیتے تھے...... اللہ تعالیٰ دونوں پر اپنی رحمتیں فرمائے۔

یہ تو جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات درمیان میں آ گئی تھی ورنہ ذکر ان کے 1930ء کے دورہ کا ہو رہا تھا، انہوں نے پنجاب سے بنگال تک کا دورہ کیا اور بنگال جا کر گرفتار ہوئے اور سزا پا کر وہیں علی پور جیل میں رہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ شاہ صاحب اور اسی طرح ان کے خاص رفقاء کو اپنی اس جدوجہد اور قربانی سے اس کی امید بالکل نہیں تھی کہ کانگریس اور اس کے لیڈروں کی طرف سے اس کا اعتراف بھی کیا جائے گا۔

وہ اس قربانی کے ذریعہ کانگرس میں کوئی پوزیشن حاصل کر سکیں گے، بلکہ اس کے برعکس انہیں سابق تجربوں کی بناء پر پورا یقین تھا کہ کوئی ایسا مسلمان کانگریس میں کوئی پوزیشن حاصل نہیں کر سکتا جو اسلام اور مسلمانوں کا بھی پورا وفادار اور اس موضوع پر بھی لڑ جانے والا ہو۔ اور بالکل یہی چیز سامنے آئی 1930ء کی اس جنگ آزادی کے بعد جب دوسری گول میز کانفرنس سے پہلے گاندھی اردن پیکٹ ہوا، اور سارے سیاسی قیدی رہا کئے گئے اور اس کے بعد کراچی میں آل انڈیا کانگرس کا اجلاس ہوا تو پنجاب کانگرس نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت یہ کیا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے رفیقوں کو کانگرس کے نظام سے دور رکھا یہاں تک کہ کراچی کے اجلاس میں یہ لوگ صرف مشاہد کی حیثیت سے شریک ہو سکے۔

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے رفقاء کے سامنے اس جدو جہد اور قربانی کا محرک صرف یہ تھا کہ انگریز کو ہندوستان سے بے دخل کرنے کے لئے ایک لڑائی لڑی جا رہی ہے ہمیں صرف اس مقصد کی خاطر اس میں حصہ لینا چاہئے۔ حضرت شیخ الہندؒ سے لے کر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تک اس قافلہ کے تمام ہی مجاہدین نے اسی کو سامنے رکھ کر قربانیاں دی تھیں اور اسی بنیاد پر وہ اپنی جدو جہد اور قربانیوں کو اعلاء کلمۃ اللہ کی جدو جہد اور قربانی سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھتے تھے۔[1]

آپ نے ہزاروں لوگوں کے عقائد صحیح کئے

اسی پنجاب میں بے شمار آبادیاں ایسی تھیں جہاں مسلمانوں کو کلمۂ شہادت تو ایک طرف رہا السلام علیکم کہنا نہ آتا تھا ان میں ہندومت کے زمانہ زوال کی رسمیں عقیدہ کے طور پر مروج تھیں کئی علاقوں میں غیر اللہ کی پرستش ہی کو اصل اسلام سمجھا جاتا۔ انہوں نے تمام صوبوں میں بے شمار دینی مدرسے کھلوائے۔ عام مسلمانوں کو علماً اور عملاً سمجھایا کہ انسانی فضیلت کی بنیادیں خاندانی تفاخر پر قائم نہیں ہوتیں بلکہ ہر انسان اپنے علم و دیانت اور زہد و تقویٰ کے باعث قابل تکریم ہوتا ہے قرآن کی بجائے دیہات میں عشقیہ قصیدے پڑھے جاتے تھے آپ نے اس بدمذاقی کا طلسم توڑا، اور ان کی جگہ قرآن کریم کی تلاوت کو عام کیا۔ مسلمانوں کو دو کانیں کھولنے کی

---

1. چٹان لاہور امیر شریعت نمبر ص 74

ترغیب دی۔ آپ نے ناموس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ آپ نے مبلغین کی ایک جماعت تیار کی جس نے نہ صرف بدعات کے خلاف جہاد کیا بلکہ منکرات کی راہ روک لی۔

خطابت میں بے ساختہ پن

شاہ جیؒ نے اردو خطابت میں بے ساختہ پن پیدا کیا اور اپنے طرزِ بیان سے ثابت کیا کہ نفاستِ زبان ہی خطابت کا حقیقی جوہر ہے مولانا ابوالکلام آزاد کی انشاء اور شاہ جیؒ کی خطابت میں واضح تفاوت کے باوجود ایک گونہ مماثلت ہے مولانا کی تحریروں میں عبارت کے ہر موڑ پر اساتذہ کے اشعار نگینے کی طرح جڑے ہوئے ملتے ہیں۔ شاہ جیؒ کی تقریروں میں برجستہ شعر اس طرح وارد ہوتے ہیں کہ ان کی چمک دمک میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مولانا اپنی تحریروں کو قرآن مجید کی آیات سے مرصع فرماتے ہیں۔ شاہ جیؒ تقریروں میں ہیرے کی طرح ٹانکتے ہیں۔

مقناطیسی کشش

قادیان کی تبلیغ کانفرنس 1934ء میں آپ نے جو تقریر کی اس کی مقناطیسی کشش کا اعتراف مسٹر جی۔ ڈی کھوسلہ نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے اس ٹکڑے ہی سے جذبات کی معراج معلوم ہوتی ہے۔ وہ (مرزا محمود) نبی کا بیٹا ہے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہوں وہ آئے اور مجھ سے اردو فارسی اور پنجابی میں ہر معاملہ سے متعلق بحث کرے یہ جھگڑا آج ہی طے پا جاتا ہے وہ پردے سے باہر نکلے، نقاب اٹھائے، کشتی لڑے۔ آل علیؓ کے جوہر دیکھے۔ ہر رنگ میں آئے۔ وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے، میں ننگے پاؤں آؤں وہ حریر و پرنیاں پہن کر آئے۔ میں موٹا جھوٹا پہن کر آؤں وہ مزعفر کباب یاقوتیاں اور اپنے ابا کی سنت کے مطابق پلومر کی ٹانک وائن پی کر آئے میں نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کے آؤں، ہمیں میدان ہمیں گو۔

غرض اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ جن سے شاہ جیؒ کی خطیبانہ عظمت کا سراغ ملتا ہے پھر اس کی سب سے بڑی شہادتیں تحریک ختم نبوت کا وہ بانکپن ہے جس کے نشہ میں لوگوں نے جانیں نچھاور کی تھیں۔ [1]

1۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور یکم ستمبر 1961ء ص 16

نادرۂ روزگار انسان

❁ ...... عبدالمجید قریشی لکھتے ہیں:

شاہ صاحب کی تقریر پہلی مرتبہ میں 1938ء میں قیام دِلی کے دوران میں سنی۔ پہاڑ گنج میں تانگوں کے اڈے کے برابر ایک بڑا سا گول میدان ہوا کرتا تھا جسے گول چکر کہا جاتا تھا۔ یہ جگہ ہمیشہ جلسہ گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ مجھے شاہ صاحب کو دیکھنے اور ان کی تقریر سننے کا پہلے پہل اتفاق ہوا تھا۔ وہ منظر اب بھی میری نگاہوں کے سامنے ہے ان دنوں برسات کا موسم تھا۔ گیارہ بجے شب کے قریب جب شاہ صاحبؒ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو آسمان پر دور دور تک سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔

تقریر کے ساتھ ہی ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ پانچ سات منٹ بعد یہ پھوار ننھی منی بوندوں میں تبدیل ہوگئی۔ موسم کا یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر لوگ کچھ کسمسائے لیکن اٹھے نہیں۔ شاہ صاحب کی تقریر جاری تھی۔ گو بوندیں ان کے اوپر بھی گر رہی تھیں لیکن وہ تقریر کے ساتھ ساتھ سامعین کی ذہنی کشمکش کا لطف اٹھانے پر تلے ہوئے تھے۔ بارش کا زور تھوڑا سا اور بڑھا تھا کہ دو ایک آدمی اٹھے۔ انہیں اٹھتا ہوا دیکھ کر شاہ صاحب جوش میں آ گئے فرمانے لگے:

”دلی والو! بس اتنے ہی مرد ہو کہ ذرا سی بارش سے گھبرا گئے۔ اس برتے پر تم عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر سننے کے لئے آئے تھے ارے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریروں میں تو تمہیں انگریزوں کی رائفلوں کی گولیاں بھی کھانی پڑیں گی اور تم ہو کہ ان دو چار بوندوں ہی سے ڈر کر بھاگنے لگے۔ یاد رکھنا اگر بھاگ گئے تو پھر کبھی پہاڑ گنج کا منہ نہ دیکھوں گا ہاں یاد آیا تم بھی سچے ہو جیب میں رکھے ہوئے نوٹوں کا خیال آ گیا ہوگا۔“

ان الفاظ کا شاہ صاحب کے منہ سے نکلنا تھا کہ لوگ دبک کر بیٹھ گئے۔ جلسہ کا رنگ ہی اور ہو گیا، حتیٰ کہ بارش بھی تھم گئی۔

ڈنڈے کی صدارت میں جلسہ

شاہ صاحبؒ کا ایک دلچسپ اور پُر لطف واقعہ انہیں دنوں مجھے اپنے والد صاحب

قبلہ کی زبانی سننے کا اتفاق ہوا۔ پاکستان کے قیام سے پہلے انبالہ میں تبلیغ اسلام کے نام سے ایک ”انجمن تبلیغ اسلام“ کا سالانہ جلسہ انبالہ میں ہونا قرار پایا۔ جس کے صدر میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم تھے میر صاحب اپنے زمانے کے اچھے شاعر اور معتدل قسم کے سیاستدان تھے۔ میر صاحب نے ہندوستان کے جن مشاہیر علماء کو اس موقعہ پر مدعو کیا اُن میں شاہ صاحبؒ بھی تھے۔ میر صاحب نے شاہ صاحب سے قول لے لیا تھا کہ اُن کی تقریر محض تبلیغی ہوگی اور سیاسیات سے انہیں بہر صورت دامن بچانا ہوگا۔ لیکن شاہ صاحب بھلا کہاں چوکتے ہیر پھیر کر آخر سیاسیات پر آ ہی گئے اور اپنی تقریر کا رُخ پوری طرح فرنگی اقتدار کے خلاف پھیر دیا۔ میر صاحب نے جو یہ منظر دیکھا تو کرسی صدارت چھوڑ کر غائب ہو گئے۔ دوران تقریر شاہ صاحب نے مڑ کر پیچھے کو دیکھا تو میر صاحب کو کرسی سے غائب پایا۔ شاہ صاحب ہنسے اور فرمانے لگے:

”اچھا بھاگ گئے اب تم صدارت کرو میرے بھائی۔“

یہ کہہ کر اپنا موٹا سا لکڑی کا ڈنڈا کرسی پر رکھ دیا۔ [1]

1957ء کی ابتداء میں ملتان ہی کے ایک جلسہ میں شاہ صاحب اپنی تقریر میں اُس جنگ اقتدار پر تبصرہ فرما رہے تھے جو پاکستان میں خان لیاقت علی خان مرحوم کی شہادت کے بعد لڑی جا رہی تھی۔ جب چندریگر مرحوم کا ذکر آیا تو انہوں نے ایک چھوٹا سا فقرہ کہا جسے سن کر لوگ پھڑک اٹھے فرمایا کہ:

”ایک چلہ وہ (چندریگر صاحب) بھی کاٹ گئے۔“

یہاں یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ چندریگر صاحب کی وزارت عظمٰی کی عمر قریب قریب چالیس روز ہی تھی۔

چند یادیں!

☆ ...... شاہ جیؒ نے فرمایا:

”میں دنیا میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور وہ رب کا قرآن ہے مجھے صرف ایک چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے تجربوں اور شاہدوں نے

---

1 چٹان لاہور 15 جنوری 1962ء ص 76

میرے ان دو جذبوں میں بلا کی شدت اور حرارت پیدا کر دی ہے۔''

محبت اور نفرت کے یہ دروازے ایسے نہیں کہ جن دماغوں میں ان کا سودا ہو۔ ان کے لئے پابہ زنجیر ہندوستان میں جیل خانہ، زندگی کے سفر کا ایک ایسا موڑ ہے جہاں کبھی طلب کے خیال سے رکنا پڑتا ہے۔ کبھی فرض کی کشاکش لے آتی ہے اور کبھی جستجو کی منزل کا تقاضا پہنچا دیتا ہے یہ صحیح ہے کہ اب جینے کی ''آبرو'' پر بوالہوسوں نے پیش دستی شروع کی ہوئی ہے اور ع

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

تحریک خلافت کے قیدیوں کے رہا ہونے کے بعد حجاز میں ایک انقلاب آیا۔ اور شریف حسین وہاں سے بھاگ گئے اور سرزمین حجاز ابنسعود کے قبضہ میں آ گئی۔

چنانچہ جیسے ہی قبے گرنے اور قبریں مسمار کرنے کی اطلاع پاک و ہند میں پہنچی لوگ بے قرار ہو گئے اور انہوں نے ابنسعود کے خلاف الزام لگایا کہ قبے ابن سعود کی حکومت نے گرائے ہیں۔ پنجاب خلافت کمیٹی نے جن میں شیعہ سنی اور اہل حدیث شامل تھے۔ مل کر ان حالات کا مقابلہ کیا۔ بالخصوص شاہ صاحبؒ نے ان دنوں جس جوانمردی کے ساتھ مخالفین اور ان کی حکومت کا مقابلہ کیا یہ ان کی خداداد ہیبت کا ایک کارنامہ ہے اس کے علاوہ آج تک وہ بہت بڑی ایمانی قوت سے ملک کے اندرونی اور بیرونی فتنوں کا مقابلہ کرتے آئے تھے۔ روتے بلکتے اور شاہ جیؒ نے فرمایا پنجاب کی تو تقریباً سب جیلیں دیکھی بھالی ہیں لیکن 1930ء میں ڈمڈم جیل ڈھاکہ کی زیارت بھی ہو گئی وہاں افسروں سے ایسی ٹھنی کہ رہائی تک اکھاڑہ جما رہا دوست زندانی مصائب سنانے میں لذت محسوس کرتے ہیں اور میں عیب یہ اپنا اپنا ذاویہ نظر ہے میں ان مصیبتوں کو رسوا کرنے کا عادی نہیں۔ میرے لئے جیل خانہ صرف نقل مکانی میں اپنے گردو پیش باغ و بہار فراہم کر لیتا ہوں اور قیدیوں گزر جاتی ہے۔ جیسے صحراؤں سے بادل!

کرامات

❁ ...... مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانوی فرماتے ہیں:

ایک دفعہ شاہ صاحب اور میں مظفر گڑھ کے ایک قصبہ میں وعظ کے لئے جا رہے تھے۔ راستہ کچا کڑاکے کی دھوپ پڑ رہی تھی۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ دو ڈیڑھ میل آگے پیدل جانا تھا۔ تھوڑی دیر چلے کہ مجھے بہت گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے کہا شاہ جی یہ دھوپ اور گرمی کا عالم، ابھی کتنی دور پہنچنا ہے۔ کیا بنے گا؟ یہ سن کر شاہ جی نے مجھے تو کچھ جواب نہ دیا۔ ایک دم آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا "ہم کسی اپنے کام تو نہیں جا رہے۔؟"

چند منٹوں میں کیا دیکھتا ہوں کہ جہاں دُور دُور تک بادل کا نشان نظر نہیں آتا تھا۔ وہاں ہر طرف سے بادل گھر گھر کر آنے لگے نہ گرمی رہی نہ وہ دھوپ، مزے کا موسم ہو گیا۔

بھنگی کا قبولِ اسلام

کوئی اندازہ سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مولانا سید نور الحسن صاحب بخاریؒ تحریر فرماتے ہیں اور راقم الحروف (ابن گیلانیؒ) نے بھی یہ واقعہ خود حضرت شاہ صاحبؒ کی زبانی سنا کہ خیر المدارس جالندھر کے جلسہ میں شریک تھے۔ کھانے کے دستر خوان پر بیٹھے تو سامنے ایک نوجوان پرتھی نامی بھنگی کو دیکھا۔ شاہ جی نے فرمایا آؤ بھئی کھانا کھالو۔ اس نے عرض کیا۔ جی میں تو بھنگی ہوں۔ شاہ جیؒ

نے درد بھرے لہجے میں فرمایا انسان تو ہو۔ اور بھوک تو لگتی ہے۔ یہ کہہ کر خود اٹھے اس کے ہاتھ دھلا کر ساتھ بٹھالیا۔ وہ بیچارہ تھر تھر کانپتا تھا اور کہتا جارہا تھا۔ جی میں تو بھنگی ہوں۔ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود لقمہ توڑا شوربے میں بھگو کر اس کے منہ میں دے دیا۔ اس کا کچھ حجاب دور ہوا تو شاہ جی نے ایک آلو اس کے منہ میں ڈال دیا۔ اس نے جب آدھا آلو دانتوں سے کاٹ لیا تو باقی آدھا خود کھالیا۔ اسی طرح اس نے پانی پیا تو اس کا بچا ہوا پانی خود پی لیا۔ وقت گذرتا گیا۔ وہ کھانے سے فارغ ہو کر غائب ہو گیا۔ اُس پر رقت طاری تھی وہ خوب رویا۔ اس کی کیفیت بدل گئی۔ عصر کے وقت اپنی نوجوان بیوی جس کی گود میں ایک بچہ تھا ساتھ لے کر آیا اور کہا شاہ جی اللہ کے لئے ہمیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیجئے۔ اور میاں بیوی اسلام لے آئے۔ [1]

بارش رُک گئی

❁ ...... صوفی غلام مصطفیٰ صاحب سلیریا فرماتے ہیں:

ایک دفعہ شاہ جیؒ لاہور میں خطاب فرمارہے تھے تو اچانک بارش شروع ہو گئی۔ بعض لوگ کچھ حرکت کرنے لگے۔ شاہ جیؒ نے والہانہ انداز میں گرج کر فرمایا۔ بیٹھو کوئی متنفس نہ اٹھنے پائے۔ میں تقریر کروں گا اور تم سنو گے۔ بارش رُک سکتی ہے مگر بخاری کی تقریر نہیں رُک سکتی۔ خدا کی شان دیکھئے۔ اُدھر شاہ جیؒ نے یہ الفاظ فرمائے۔ اُدھر بارش رُک گئی۔ بادل چھٹ گئے۔ اور چاند نورانی صورت دکھانے لگا۔ بخاری اپنی تقریر کے جوہر دکھانے لگا۔ [2]

پان میں زہر

قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ اکثر یہ واقعہ سنایا کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ شجاع آباد میں تقریر کرتے ہوئے شاہ صاحب نے پان مانگا۔ میں نے پان منگوا بھیجا پان لانے والے کو کسی اور نے کہہ دیا کہ میں پان لاتا ہوں۔ پان آیا تو میں نے شاہ جیؒ کو دے دیا۔ شاہ جیؒ نے پان کو منہ میں ڈالتے ہی جلدی سے کہا، ''کیوں قاضی جی مجھے مارنے کا ارادہ ہے؟'' یہ کہہ کر میرے ہاتھ پر پان اُگل دیا۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ پان کے اثر سے میرا ہاتھ سیاہ

---

1 الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص ☆ 2 ایضاً ص

ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ پان میں زہر ڈال دیا گیا تھا۔ شاہ جی کئی روز تک وہیں صاحب فراش رہے۔[1]

تلاوت کے دوران سانپوں کا جھومنا

❁ ...... میاں عبدالصمد لاہور کا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں:

1946ء میں جب الیکشن کا زمانہ تھا، مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری مولوی مظہر علی اظہر تھے۔ شاہ صاحب کشمیر میں تھے۔ شاہ صاحب الیکشن کے سخت مخالف تھے۔ وہ الیکشن کو فرنگ کی دی ہوئی لعنت سمجھتے تھے۔ ہم لوگ شاہ صاحب کو لینے کشمیر گئے۔ رات کو ملاقات ہوئی، بات کوئی نہ ہوئی۔ صبح ہم نے تلاش کیا۔ پتہ چلا فلاں جھیل کی پہاڑی کے اوپر صبح کی نماز پڑھ کر چلے جاتے اور کافی دیر بعد واپس آتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے، ہم نے کیا نقشہ دیکھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر تشریف فرما ہیں۔ ابھی پو اچھی طرح پھٹی نہ تھی۔ چھ بجے کا وقت تھا۔ پہاڑ کے درمیان جھیل کے دوسری طرف ایک اور پہاڑی ہے جہاں سے پانی بہتا ہے، مگر خاموشی کے ساتھ۔ زمین، آسمان فضا سب خاموش ہیں۔ شاہ صاحب با آواز بلند محو تلاوت ہیں۔ کوئی انسان نہیں، ہم نے ان آنکھوں سے نظارہ کیا۔ سامنے کی پہاڑی پر جم غفیر سانپ ہی سانپ تھے۔ چھوٹے بڑے، درمیانے، ایک بہت بڑا سانپ بھی پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ ہم وہیں رک گئے۔ سانسیں بھی روک لیں اور بیٹھ گئے۔ شاہ صاحب قرآن پڑھتے رہے، سانپ جھومتے رہے۔ ہم نے درختوں پر نگاہ ڈالی جانور بھی خاموش ہیں۔ ادھر شاہ صاحب نے پون گھنٹے بعد تلاوت ختم کی اور سانپوں نے پہلے سر کو پہاڑی پر رکھا جیسے سجدہ ریز ہوں۔ پھر آہستہ آہستہ چلے گئے۔ پرندے بھی خدا کی حمد و ثناء کے گیت گاتے اڑ گئے۔ اب جب بھی میں کبھی مری اور آزاد کشمیر کی پہاڑیوں پر نظر ڈالتا ہوں، سیاہ پہاڑوں پر شام سرمئی آنچل پھیلاتی ہے، سورج اپنا تمام در و بام پر لٹا دیتا ہے تو وہ نورانی چہرہ بھی میری آنکھوں کی پتلیوں میں اور دماغ و دل کے گوشوں گوشوں میں چمکتا نظر آتا ہے۔ شاہ صاحب نے ہماری طرف دیکھا اور کہا، کامریڈ دیکھا تم نے؟ میں اگر پہاڑوں کو قرآن سناؤں تو ریزہ ریزہ کر دوں، سمندر کو برف بنا دوں، ہوا کو ساکت کر دوں۔ مگر میری قوم نے میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی میں بدل

---

1. ماہنامہ الرشید لاہور دار العلوم دیوبند نمبر ص 567

دی۔ مگر میں ان کے دلوں کی سیاہی کو نہ دھو سکا۔ ہم نے آنے کا مقصد بیان کیا۔ بادل نخواستہ بحث و تمحیص کے بعد تیاری کر لی۔[1]

شاہ جیؒ کی تلاوت سے دشمن چوکڑی بھول گئے

صوفی واحد بخش صاحب دوائی فروش کلروالی (مظفر گڑھ) کے بروایت مولوی سلطان محمود ماہڑہ نے ذکر کیا کہ گڑھی اختیار خاں علاقہ خان پور ضلع رحیم یار خاں کے ایک شخص نے شاہ جیؒ کو تقریر کی دعوت دی جو اس علاقہ کے مشہور بدعتی واعظ مولوی محمد یار فریدی کے لئے ایک زبردست چیلنج کی حیثیت اختیار کر گئی اور اس کا آرام حرام ہو گیا۔ اس نے کثیر تعداد افراد کی ایک باقاعدہ پلٹن تیار کی جس کے ذمہ جلسہ گاہ میں کنکروں اور ڈھیلوں کے تھیلے لے جا کر بیٹھنا اور تقریر کے دوران شاہ جیؒ پر انہیں پھینکنا تھا۔ جلسہ کا آغاز ہوتے ہی ان لوگوں نے اپنی پوزیشن لے لی۔ لیکن شاہ جیؒ نے کسی موضوع پر تقریر کا اختتام ہوا تو کم و بیش 80 کی تعداد میں آدمی کنکروں وغیرہ کے تھیلوں سمیت شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوئے۔

{ناقل، حاجی محمد حسن چغتائی رحمۃ اللہ علیہ، روایت صوفی واحد بخش صاحب دوران ملاقات}

{ربوہ 7۔8 مارچ 1991ء بموقعہ تیرھویں شہداء ختم نبوت کانفرنس}

لدھارام انگریزوں کا گھریلو گواہ

گجرات کے مشہور مقدمہ میں جب لدھارام رپورٹر سی آئی ڈی نے حقیقت حال کا انکشاف عدالت عالیہ میں کیا اور شاہ جیؒ کی رہائی ہو گئی تو لدھارام سے پوچھا گیا کہ آخر تو نے سرکاری ملازم ہوتے ہوئے یہ جھوٹی شہادت دینے سے گریز کیوں کیا اور سچی شہادت سے اپنے آپ کو خطرے میں کیوں ڈالا۔ تو اس نے بتایا کہ میں نے سرکاری ملازمت میں ہمیشہ سچی جھوٹی شہادتیں دی ہیں اور اس دن بھی شاہ جی کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کے لئے تیار ہو کر آیا تھا۔ ڈائری میں ردّ و بدل اگرچہ اعلیٰ حکام کے حکم سے کیا تھا لیکن اس میں بہر حال میری بھی رضامندی شامل تھی۔ ہوا یہ کہ میں جب گواہی دینے عدالت آیا تو شاہ جیؒ کو دیکھا ایشوں

1۔ ہفت روزہ ختم نبوت، جلد 7، شمارہ 11

اور منیوں کی شکل وصورت کا ایک سچا انسان کھڑا ہے۔ مجھے کسی مخفی طاقت نے ٹوکا کہ یہ شخص اب میری جھوٹی شہادت پر پھانسی کی سزا پائے گا۔ میرا دل لرز گیا میں نے دل ہی دل میں توبہ کی اور عہد کرلیا کہ دنیا کی ہر مصیبت برداشت کرلوں گا لیکن اس عظیم انسان کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کا پاپ (گناہ) نہیں کماؤں گا۔ تب میں نے شاہ جیؒ کے وکیل کو علیحدگی میں سارا ماجرا بیان کیا ساتھ ہی اپنا ارادہ بھی بتایا۔ لدھا رام نے ہائی کورٹ میں شہادت دی اس کی ملازمت گئی، تین سال کی سخت سزا ہوئی لیکن شاہ جی کی معجزانہ رہائی کا باعث بن گیا۔

اس مقدمہ میں شاہ جی 9 ماہ کے قریب جیل میں رہے جب رہا ہو کر آئے تو تقریروں میں اکثر فرمایا کرتے کہ ایک طرف میں بے نوا تھا میرے غریب ساتھی جیلوں میں مقید تھے میری اولاد کمسن اور والد ضعیف العمر تھا۔ دوسری طرف فرنگی کی صولت وحشمت تھی۔ خزانے اُس کے، پولیس اس کی، عدالتیں اس کی، جیل خانے اس کے، سب اختیار واقتدار اُسی کا تھا۔ پھر ترنم سے پڑھتے

روح بخت ملاقی ان کا
چرخ ہفت طبقاتی ان کا
محفل ان کی ساقی ان کا
آنکھیں میری باقی ان کا

حضرت یوسف علیہ السلام کے زندانی ہونے کا واقعہ دہراتے، زلیخا کی الزام تراشیوں کا تذکرہ کرتے قرآن مجید کی آیت شریفہ "وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا" پڑھ کر لدھا رام کو انگریزوں کا گھریلو گواہ قرار دیتے اس مقدمہ سے رہائی کو وہ اللہ کا عظیم احسان کہتے آخر میں فرماتے اے اللہ اس نعمت کے شکرانے میں تیری خدمت میں کیا پیش کروں کیونکہ جو نعمت سوچتا ہوں وہ سب تیرے خزانوں میں موجود ہے۔

ایک دن تقریر کرتے کرتے جھولی پھیلا دی اور فرمایا میرے پاس ایک ایسی چیز ہے جو تیرے پاس نہیں ہے وہی تیرے شکر نعمت کے لئے پیش کرتا ہوں اور وہ میرے گناہ ہیں میرے پاس ان کے سوا کچھ نہیں پھر یہ بیان کچھ اس عجز وانکسار اور رقت انگیز منظر میں پیش کیا

کہ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

ملک کی آزادی کے بعد ان کی پوری توجہ مسئلہ تحفظ ختم نبوت کی طرف ہوگئی۔ وہ اس مسئلے کو توحید، رسالت، قیامت اور تمام عقائد و عبادات اسلام کی اصل قرار دیتے تھے ان کا استدلال یہ تھا کہ ان تمام مسائل کی تعریف اور تعین نبوت کرتی ہے اگر نبوت بدل سکتی ہے تو یہ سب کچھ بدل سکتا ہے، یہاں تک کہ حلال و حرام بھی بدل سکتا ہے۔

وہ موجودہ اسلام کی بنیاد حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو تعین کرتے تھے اور حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ ان کا جو عشق تھا اس کے خلاف وہ کسی چیز کو برداشت کرنے کا تصور تک بھی نہ کر سکتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی صداقت کے گواہ

صحابہ کرامؓ کے اکرام و احترام کو بھی جزوِ ایمان جانتے تھے اور اصحاب رسول پر تنقید و تنقیص کو بربادی ایمان یقین کرتے۔ لکھنؤ میں بعض خلفائے راشدین کے نام سے رضی اللہ عنہ کہنا جرم تھا شاہ جی نے برسرِ اجلاس اس قانون کی دھجیاں اڑا دیں۔ وہ صحابہ کرام ازواج مطہرات اور آل بیت اطہار کے فضائل و محاسن پر گھنٹوں بولتے رہتے تھے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ؕ

اور اسی طرح "وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ" سے وہ اصحابؓ و ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت۔ کے درجہ کو عام ایمان کے درجے سے افضل قرار دیتے تھے۔

وہ حدیث پاک "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" کو صحابہؓ کے فضائل میں بیان کر کے سعدی شیرازیؒ کے مشہور شعر پڑھا کرتے تھے

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویزِ تو مستم

بگفت من گِلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشین درمن اثر کرد
وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

حضور ﷺ کی صداقت کے دو بہترین گواہ

شاہ جیؒ مختلف اصحابِ رسول کے فضائل کے سلسلہ میں ﷺ کی نبوت کی صداقت کا دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہترین گواہ قرار دیا کرتے۔ پہلے جناب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ شاہ جی! اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ فرمایا ان کو اس مقدمے میں سرکاری گواہ کی حیثیت تھی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے ہی سے دوست تھے لیکن یہ دونوں بہادر دشمن اور سخت دشمن تھے لیکن نبوت کی صداقت کو یقین کر کے شرف ایمان حاصل کر گئے۔

حدیث رسول ﷺ نبوت کی مثل

وہ حدیث رسول کو نبوت کی مثل فرمایا کرتے تھے اور کہتے کہ اب کچھ لوگ اس مثل ہی کو غتر بود کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ شاہ جی کی ایک بڑی خوبی ان کی زندہ دلی اور لطافت و ظرافت تھی۔ وہ مصنوعی خاموشی اور یبوست کے خلاف تھے اللہ نے باغ و بہار طبیعت بخشی ہوئی تھی۔ جب کبھی ان پر مصائب کا ہجوم ہوتا، ساتھیوں پر ظلم و تشدد کی یلغار ہو رہی ہوتی۔ تو رنج و ملال نہیں کرتے تھے بلکہ خوب ہنستے اور ہنساتے تھے۔ اس طرح وہ اپنا اور اپنے دیوانے سرفروش مجاہدوں کا غم غلط کرتے رہتے۔ ان کی شعر و سخن کی محفلوں اور بذلہ سنجی ظرافت کی مجلسوں میں بیٹھ کر ہر رنج اور ہر مصیبت بھول جایا کرتے تھے۔ ان کے بیان کردہ لطائف و ظرائف کو اگر کوئی اکٹھا کر لے تو ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ جب پہلے پہل ان پر فالج کا حملہ ہوا تو ہم ملتان پہنچے اتفاق سے مولانا احمد علی صاحب بھی لاہور سے مزاج پرسی کے لئے تشریف لے آئے۔ اب شاہ جی نے فالج کے حملے کا واقعہ سنایا کہ صبح اچھا بھلا اُٹھا وضو کرنے لگا تو ہاتھ نے

سول نافرمانی شروع کر دی۔ منہ میں پانی ڈالا تو اس نے بھی بغاوت اختیار کی۔ میں سمجھ گیا کہ فالج کا حملہ ہوا ہے اور اب میں مرنے لگا ہوں۔ جلدی جلدی وضو کیا صبح کی نماز ادا کی اور زور زور سے پڑھا" اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدَہٗ "اور یہ پڑھ کر چار پائی پر لیٹ گیا کہ اگر اب موت آ گئی تو انشاء اللہ خاتمہ ایمان پر ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر لیٹا رہا اور موت کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن موت نہ آئی اب اٹھا اندر گیا بھوک لگ رہی تھی، کھانا مانگا تو رات کی ٹھنڈی کھچڑی کھالی۔ شاہ جیؒ نے یہاں بات کو پھر دہرایا کہ فالج کا حملہ موت کا انتظار اس پر رات کی ٹھنڈی کھچڑی کھالی البتہ ایک غلطی ہو گئی جس کے لئے اللہ سے معافی مانگتا ہوں، آپ لوگ بھی معاف کر دینا وہ یہ کہ کھچڑی کے بعد گھڑیا کا ٹھنڈا باسی پانی پینا بھول گیا۔ بس یہ کسر رہ گئی۔

شاہ جیؒ یہ باتیں بڑے مزے لے لے کر بیان کر رہے تھے اور میں سوچتا تھا کہ فالج کا حملہ ہے منہ پر لقوہ کا اثر ہے زبان میں لکنت آ چکی ہے لیکن اس ہولناک اور خوفناک مرض میں بھی شاہ جی کی وہی زندہ دلی اور چٹکلے ہیں اللہ نے کیسی باغ و بہار طبیعت عطا کی ہے کہ کسی مرحلے میں بھی یاس و ملال یا کسی پریشانی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ جب کسی ساتھی کو رنجیدہ خاطر یا ملول دیکھتے بس ایسی بات کہہ دیتے کہ وہ رنج و ملول سب چلا جاتا۔

ایک دفعہ مولانا محمد علی جالندھریؒ سندھ کے تبلیغی دورے سے واپس آئے سفر کی تھکان، طبیعت ناساز، گلا خراب افسردہ حال شاہ جیؒ کی خدمت میں آ پہنچے۔ شاہ جیؒ خود بیمار تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی۔ شاہ جیؒ مولانا کا بے حد احترام کرتے تھے پوچھا:

☆ ...... "محمد علی کیا حال ہے؟"

☆ ...... مولانا نے جواب دیا:

☆ ...... "شاہ جیؒ سفر بہت تھا بیمار ہو گیا تقریریں کرنا پڑیں طبیعت سخت خراب ہو گئی اور گلہ بھی خراب ہو گیا"

☆ ...... شاہ جیؒ لیٹے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور فرمایا:

☆ ...... "محمد علی خدا کا خوف کر تیرا گلا خراب ہو گیا یہ پہلے کون سا لحنِ داؤدی تھا جواب

خراب ہوا ہے"۔

☆...... حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ شاہ جیؒ خود بھی ہنس دیئے مولانا کی ساری خرابی طبیعت جاتی رہی چہرہ کھل گیا۔

شاہ جیؒ نے تپتا ہوا انگارہ ہاتھ پر رکھ دیا

❁...... عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے ناظم اعلیٰ رانا محمد انور لکھتے ہیں:[1]

لاہور کے قریب رائے ونڈ میں ہر سال تبلیغی اجتماع ہوتا ہے۔ پوری دنیا سے لوگ جان و مال اور وقت کی قربانی دے کر اس میں شرکت کرتے ہیں۔ میرے اندازے میں تقریباً پچیس تیس لاکھ کا مجمع تھا۔ چوتھے روز دُعا سے فارغ ہو کر میں لاہور روانہ ہو گیا کیونکہ لاہور میں میرے کافی عزیز ہیں، سوچا کہ جب اتنی دور سے آیا ہوں تو ان سے بھی ملتا چلوں۔ ایک دن میں لاہور میں اپنے عزیز کے ہاں بیٹھا ہوا تھا ان کے ایک دوست بھی ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر تشریف لائے ہوئے تھے۔ میرے عزیز نے اپنے دوست سے میرا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ شاہ جیؒ! یہ میرے عزیز ہیں اور کراچی میں رہتے ہیں۔ یہاں رائے ونڈ میں سالانہ تبلیغی اجتماع ہوتا ہے۔ اسی میں شرکت کے لئے آئے ہیں تو شاہ صاحب جن کا نام سید افتخار احمد شاہ ہے، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ خالصتاً اسی کام کے لئے آئے تھے، تو وہ بہت خوش ہوئے۔ میں نے ان سے کہا کہ شاہ جی میں تو کراچی سے آیا ہوں جو کہ پاکستان کا ہی ایک شہر ہے۔ اجتماع میں تو لوگ دنیا کے آخری کونے سے اپنے جان و مال اور وقت کی قربانی دے کر ہر سال شریک ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کراچی میں کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ دفتر ختم نبوت میں ایک خادم کی حیثیت سے کام کرتا ہوں اس پر شاہ صاحب چونک اٹھے۔ تو شاہ صاحب نے کہا کہ اس مسئلے میں جتنی قربانی شاہ صاحب (سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) نے دی ہے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ میں چونکا اور افتخار شاہ صاحب سے پوچھا آپ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بارے میں کچھ جانتے ہیں تو انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے شاہ صاحبؒ سے کہا ان کا کوئی واقعہ اگر آپ کے ذہن میں ہو تو بتائیں انہوں نے کہا

---

[1] ہفت روزہ ختم نبوت کراچی، جلد 5، شمارہ 38، از قلم: رانا محمد انور

ایک مرتبہ شاہ جیؒ ریاست پٹیالہ میں تقریر کرنے آئے۔ اس وقت میری عمر تقریباً 18 برس تھی۔ میں شاہ جی کی تقریر بڑے شوق سے سنتا تھا۔ مجھے اگر معلوم ہو جاتا کہ شاہ جی کی تقریر فلاں جگہ ہے تو میں وہاں ضرور جاتا، چاہے مجھے پیدل ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ میں نے شاہ جی کے جلسے میں شرکت کے لئے بیس بیس میل پیدل سفر کیا ہے۔ ریاست پٹیالہ میں تقریر شروع ہوئی۔ جلسہ میں ہندوؤں اور سکھوں کی کثرت تھی۔ مجمع میں ایک سردار "بل بیر سنگھ" ایس پی سپرنٹنڈنٹ جو کہ باوردی تھے۔ وہ بھی شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ چلیں، ہم بھی دیکھتے ہیں کہ شاہ جی کون ہیں ایسے ہی لوگ شاہ جی شاہ جی کہتے ہیں۔ آج بھرے مجمع میں ایسا سوال کروں گا کہ لوگ شاہ جی کہنا بھول جائیں سو اس نے ویسا ہی کیا اور اسٹیج پر چڑھ کر شاہ صاحب سے سوال کیا شاہ جی میں نے سنا ہے کہ آپ سید ہیں تو شاہ صاحب نے فرمایا نہیں۔ بھائی میں تو سیدوں کی جوتیاں سیدھی کرنے والا ہوں۔ اتنے میں ایس پی سپرنٹنڈنٹ سردار بل بیر سنگھ نے کہا کہ شاہ جی میں نے سنا ہے کہ جو سید ہوا سے آگ نہیں جلاتی تو مجمع میں شور برپا ہو گیا۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ بھی شاہ صاحب کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے سردار بل بیر سنگھ سے کہا کہ مجمع میں کرامت دکھانے کی اجازت نہیں ہے تو شاہ جیؒ نے مولانا احسان احمد صاحب سے کہا کہ مولانا صاحب آپ خاموش رہیں اگر یہ سوال کوئی مسلمان کرتا تو اور بات تھی۔ یہ ایک غیر مسلم نے سوال کیا ہے اور کیا بھی مجھ سے ہے۔ اس کا جواب بھی میں ہی دوں گا۔

چنانچہ شاہ صاحب نے سردار بل بیر سنگھ سپرنٹنڈنٹ کے آگے اپنے دونوں ہاتھ کر دیئے اس نے اپنے ایک محافظ سے کہا کہ آگ لے کر آؤ۔ وہ آگ لے کر آیا اس نے آگ سے دہکتے ہوئے انگارے شاہ صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ شاہ صاحب انگارے دونوں ہاتھوں میں لئے کھڑے رہے۔ سارا مجمع حیران رہ گیا اور اس وقت تک ہاتھ نہیں جھاڑے جب تک سردار بل بیر سنگھ نہیں کیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد سردار بل بیر سنگھ نے کہا کہ اب انگارے پھینک دیں اور مجھے اپنے ہاتھ دکھائیں شاہ صاحب نے دونوں ہاتھ سردار بل بیر سنگھ کے سامنے کر دیئے وہ فوراً ہاتھوں کو چوم کر شاہ صاحب کے گلے لگ گیا اور کہا کہ شاہ جی میرے سینے میں بھی آگ لگی ہوئی ہے۔ خدا کے لئے اسے بھی ٹھنڈا کر دیں اور مجھے کلمہ پڑھا دیں۔ شاہ صاحب نے اسی وقت

اس کو کلمہ پڑھایا اور وہ سردار بل بیر سنگھ پرنٹنڈنٹ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ [1]

پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کی خدمت میں

ایک روز شاہ جیؒ نے اپنی ابتدائی بیعت کا واقعہ سنایا کہ میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوا کئی روز وہاں رہا مگر حضرت نے میری طرف توجہ نہ فرمائی ادھر ان کی بے رُخی سمندِ شوق پر تازیانہ ثابت ہوئی حتیٰ کہ جب ایک دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں باہر تشریف لے جا رہے تھے تو میں بھی گھوڑے کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ انہوں نے گھوڑا دوڑایا تو میں نے بھی پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔ جب ان کی نظر پڑی تو پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا حضور آپ کی توجہ کا طلب گار ہوں فرمایا:

جاؤ ایک دو روز انتظار کرو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ دو روز کے بعد مجھے بلایا۔ بیعت فرمائی اور چند کلمات پڑھنے کے لئے بتلائے میں نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو قصیدہ غوثیہ بھی پڑھا کروں۔ فرمایا میں نے تمہیں وہ چیز بتلائی ہے جس کو پڑھ کر غوث الاعظم غوث بنے اور تم قصیدہ غوثیہ پڑھنے کی اجازت مانگتے ہو؟ شاہ جی ایک مرد قلندر تھے اور آپ جانتے ہیں۔ ع

قلندر جز دو حرفِ لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا [2]

---

[1] ہفت روزہ ختم نبوت کراچی، جلد 5، شمارہ 38، از قلم: رانا محمد انور

[2] چٹان سالنامہ لاہور 1962ء ص 39

خطابت کے جواہر پارے

راجپال کی گستاخی

(اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید موجود تھے۔ یہ جلسہ مہاشہ راجپال کی کتاب (خاکم بدہن) رنگیلا رسولؐ کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ جس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت امیر شریعتؒ نے فرمایا:

آج مفتی کفایت اللہ، اور مولانا احمد سعید کے دروازے پر اُم المومنین عائشہؓ صدیقہ اور اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ آئیں، اور فرمایا۔ ہم تمہاری مائیں ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں، کہ کافروں نے ہمیں گالیاں دی ہیں...... (پھر اس زبردست کروٹ کے ساتھ لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا، کہ جلسہ ہل گیا)۔ ارے دیکھو تو...... اُم المومنین عائشہؓ صدیقہ دروازے پہ تو نہیں کھڑی ہیں (جلسہ میں کہرام مچ گیا، لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے) دیکھو، دیکھو سبز گنبد میں رسول اللہ تڑپ رہے ہیں۔ خدیجہؓ و عائشہؓ پریشان ہیں۔ اُمہات المومنین تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں...... عائشہ پکارتی ہیں۔ وہی عائشہؓ، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیار سے حمیرا کہا کرتے ہیں۔ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ اُمی وابی) کو رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی...... اُن کے ناموس پر قربان ہو جاؤ۔ سچے بیٹے...... ماں پر کٹ مرا کرتے ہیں۔

واہ اور آہ میں شاہ جیؒ ہوئے تباہ

صدر محترم اور تماشائی بھائیو! لاہور آئے ہوئے مجھے 20 بیس سال ہو گئے ہیں۔

میں بوڑھا ہو گیا ہوں، بال سفید ہو چکے ہیں۔ آج تک مجھے یہ پتہ نہیں چلا، کہ آپ ہیں کیا؟ غوث ہیں، قطب ہیں، ابدال ہیں، ولی ہیں، کیا ہیں سمجھ میں نہیں آتا، کہ آپ کو کس نام سے خطاب کروں...... کیا میری بیوی کے حق مہر میں جیل جانا لکھا ہوا ہے، اگر تم نہیں چاہتے، کہ ہم تمہارے سامنے آئیں، تو پھر تم ہمارے سامنے کیوں آتے ہو؟ کُٹی کر لی ہے تو پکی کر لو، یہ کیا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تقریر کی تم نے کہا، واہ شاہ جیؒ واہ، عطاء اللہ ہو گیا قید، تم نے کہا آہ شاہ جیؒ آہ تمہاری آہ اور واہ میں شاہ جیؒ ہو گئے تباہ۔

میں پہاڑوں سے مخاطب ہوتا تو سنگینی کے دل چھوٹ جاتے

چوالیس 44 برس لوگوں کو قرآن سنایا، پہاڑوں کو سناتا، تو عجب نہ تھا، کہ ان کی سنگینی کے دل چھوٹ جاتے، غاروں سے ہم کلام ہوتا، تو جھوم اٹھتے چٹانوں کو جھنجھوڑتا، تو چلنے لگتیں۔ سمندروں سے مخاطب ہوتا، تو ہمیشہ کے لئے طوفان بلند ہو جاتے۔ درختوں کو پکارتا، تو وہ دوڑنے لگتے، کنکریوں سے کہتا، تو وہ لبیک کہہ اٹھتیں۔ صرصر سے گویا ہوتا، تو وہ صبا ہو جاتی۔ دھرتی کو سناتا، تو اُس کے سینہ میں بڑے بڑے شگاف پڑ جاتے، جنگل لہرانے لگتے صحرا سرسبز ہو جاتے۔ میں نے اُن لوگوں کو خطاب کیا، جن کی زمینیں بنجر ہو چکی ہیں، جن کے ہاں دل و دماغ کا قحط ہے جن کے ضمیر عاجز آ چکے ہیں، جو برف کی طرح ٹھنڈے ہیں جن کی پستیاں انتہائی خطرناک ہیں، جن میں ٹھہرنا المناک، اور جن سے گذر جانا طربناک ہے جن کے سب سے بڑے معبود کا نام طاقت ہے۔

وہ تمہارے بت کدے میں اللہ اکبر کی صدا

اللہ کی کتاب کی بلاغت کے صدقے جایئے، خود بولتی ہے کہ میں محمد ﷺ پر اتاری گئی ہوں۔ بابو لوگو! اس کی قسمیں نہ کھایا کرو، اس کو پڑھا کرو سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیلؒ کی طرح نہ سہی۔ اقبال کی طرح پڑھا کرو...... دیکھا۔ اُس نے قرآن کو ڈوب کر پڑھا، تو مغرب کی دانش پر ہلہ بول دیا۔ پھر اُس نے قرآن کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔ وہ تمہارے بت کدے میں اللہ اکبر کی صدا ہیں۔

وفاداری کے طالب پہلے اپنی وفاداری کا ثبوت دیں

میں نے جو کچھ کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے کیا۔ مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں، میرا دماغ غلطی کر سکتا ہے، لیکن میرے دل نے کبھی غلطی نہیں کی ۔ مجھ سے وفاداری کا ثبوت مانگنے والے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اپنی وفاداری کا ثبوت دیں...... میں ان لوگوں میں نہیں، جو انسانی ضمیر کی سوداگری کرتے ہیں۔ میں اس شخص کو دھوپ چھاؤں کی اولاد سمجھتا ہوں، جو قوم کو بیچتا پھرتا، ملک سے غداری کرتا، اور جس ہنڈیا میں کھاتا ہے، اسی میں چھید ڈالتا ہے۔ میں نے صرف ایک اللہ پاک کے سامنے جھکنا سیکھا ہے؟ میں اُن لوگوں کا وارث نہیں جنہوں نے درباروں کی دہلیز چاٹی ہیں۔ میں اُن کا وارث ہوں، جو شہادت کے راستہ میں سروں کو ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔

ختم نبوت کا سپاہی

ختم نبوت کی حفاظت میرا اجزو ایمان ہے۔ جو شخص بھی اس ردا کو چوری کرے گا، جی نہیں چوری کا حوصلہ کرے گا۔ میں اس کے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔ میاںؐ (حضور کو شاہ جی میاں ﷺ کہا کرتے تھے) کے سوا کسی کا نہیں ۔ نہ اپنا نہ پرایا، میں انہی کا ہوں، وہی میرے ہیں...... جس ﷺ کے حسن و جمال کو خود ربِ کعبہ نے قسمیں کھا کھا کے آراستہ کیا ہو ان ﷺ کے حسن و جمال پر نہ مرمٹوں۔ تو لعنت ہے مجھ پر، اور لعنت ہے اُن پر، جو ان ﷺ کا نام تو لیتے ہیں، لیکن سارقوں کی خیرہ چشمی کا تماشا دیکھتے ہیں۔

پاکستان کے ذرے ذرے کی حفاظت

میں ان لوگوں میں سے نہیں، جو یہ صدا دیتے پھریں، کہ میں توشۂ وفاداری لئے پھرتا ہوں، میری اُنگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو، اور جس مقتل میں چاہو، مجھے ذبح کر دو ایسا کبھی نہیں ہوگا اور ہرگز نہیں ہوگا میں خوش ہوں میری خوشی بے کراں ہے۔ کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ میں دنیا کے کسی حصہ میں سامراج کو دیکھ نہیں سکتا۔ میں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔ تم میری رائے کو خود فروشی کا نام نہ دو، میری رائے (قیام پاکستان کے

وقت) ہار گئی، اور اس کہانی کو یہیں ختم کر دو...... اب پاکستان نے جب بھی پکارا، واللہ باللہ میں اس کے ذرے ذرے کی حفاظت کروں گا۔ مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے، جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے...... میں قول کا نہیں، عمل کا آدمی ہوں، اس طرف کسی نے آنکھ اٹھائی تو وہ پھوڑ دی جائے گی، کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ کاٹ دیا جائے گا...... میں اس وطن اور اس کی عزت کے مقابلہ میں نہ اپنی جان عزیز رکھتا ہوں، نہ اولاد...... میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا، اور اب بھی تمہارا ہے۔

عمر اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

ایک بار حضرت شاہ صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ علیؓ اور عمرؓ میں کیا فرق ہے آپ نے فوراً ارشاد فرمایا بڑا فرق ہے۔ علیؓ مرید ہیں اور عمرؓ مرید نہیں۔ علیؓ کیا صدیقؓ کیا تمام صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) مرید تھے مگر عمرؓ مرید نہ تھے۔ جج نے بھرے مجمع میں دریافت کیا تو پھر کیا تھے۔ سناٹا چھا گیا۔ سب حیران تھے کہ شاہ صاحب کیا جواب دیں گے مرید نہیں تھے تو پیر تھے کیا تھے؟ حضرت شاہ صاحب نے فوراً جواب دیا سارے مرید تھے مگر عمرؓ مراد تھے۔ باقی خود حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور عمرؓ کو اللہ تعالیٰ سے مانگا گیا اور خود چل کر آئے اور عمرؓ کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی گئی۔ یہ مرید نہیں مراد ہیں۔

پھر فرمایا۔ میں بیٹا علیؓ کا ہوں۔ نفس (جی) میرا بھی چاہتا ہے کہ انہی کو سب کچھ کہوں لیکن عمر ﷺ چھوڑتے نہیں وہ خود منواتے ہیں۔ عمر کو نکال دیجئے پھر اسلام کی تاریخ میں کیا رہ جاتا ہے۔" (سبحان اللہ کیا احساسِ حقیقت ہے۔)"[1]

عائشہ اور خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) میں فرق

ایک بار (غالباً) محترم مظفر علی صاحب شمسی نے دریافت کیا کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ میں کیا فرق ہے۔ فرمایا خدیجہؓ کا نکاح محمد بن عبداللہ سے ہوا اور عائشہؓ کی شادی محمد ﷺ رسول اللہ سے ہوئی۔ وہ محمد ابن عبداللہ ﷺ کی زوجہ بنیں، یہ نبوت کی زوجہ بنیں۔

(یوں تو حضرت شاہ صاحبؒ کے تصور میں بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا

---

1 "ترجمان اسلام" لاہور یکم ستمبر 1961ء

شیر خدا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی درجہ کی تنقیص نہیں آسکتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب تو ایک ادنیٰ صحابی پر بھی فدا تھے۔ مگر یہ سوال کرنے والے دونوں موقعوں پر چونکہ شیعہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے تھے جو حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارہ میں غلط روایات کے حامل ہیں اس لئے ان کے دل میں خاص انداز سے ہر دو کی عظمت بٹھانے اور راہِ حق واضح کرنے کے لئے یہ طریقہ جواب اختیار فرمایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح قبل از نبوت سے ہوا اس سے کوئی شخص ان کی شان میں کمی تصور نہ کرے عورتوں میں وہی سب سے پہلی صدیقہ ہیں۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے بارہ میں کچھ لب کشائی کی...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کی تعریف بیان فرمائی۔) [1]

حضرت فاطمۃ الزہراء اور ان کی بہنیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

ایک بار دریافت کیا گیا کہ خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراء اور ان کی بہنوں (رقیہ۔ اُم کلثوم اور زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن) میں کیا فرق ہے۔ فرمایا بڑا فرق ہے وہ نبوت سے پہلے کی صاحبزادیاں ہیں اور خاتون جنت نبوت سے بعد کی۔ (سبحان اللہ تعالیٰ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کس عمدہ پیرایہ میں ظاہر فرمائی۔ ایسا نہیں کیا کہ چونکہ دو صاحبزادیاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے آئیں۔ اس لئے ان دونوں صاحبزادیوں ہی سے انکار کر دو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہی نہیں) اور حضور ﷺ کی کوئی بیٹی سوائے خاتون جنت کے نہ تھی (معاذ اللہ) ان دونوں صاحبزادیوں کے نکاح کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذی النورین کہا جاتا ہے۔ اور اس سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اور مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بلند اور پسندیدہ نہ ہوتا تو آپ ایک کی وفات کے بعد کا ہے کو دوسری صاحبزادی کا نکاح ان سے فرماتے بہر حال باقی صاحبزادیوں کا انکار کرنا دن کے وقت سورج سے انکار کرنا ہے۔ [2]

---

1. ترجمان اسلام لاہور یکم تمبر 16
2. ترجمان اسلام لاہور یکم تمبر 1961ء ص 16

نوری اور خاکی

ایک بار کسی دوست نے پوچھا۔ حضرت شاہ صاحب! صاحبزادہ فیض الحسن صاحب نے آپ کو کیوں چھوڑ دیا۔ فوراً بولے بھائی وہ نوری ہیں ہم خاکی۔ ان نوریوں سے امید وفا کیسی؟ سب سے بڑے نوری (حضرت جبرئیل علیہ السلام) میرے نانا کو راستے میں نہیں چھوڑ دیا تھا؟ (شب معراج میں) کہا آگے چلو کہا نہیں چلتا ذرا آگے چلوں تو پر جل جائیں گے نوری رہ گیا اور خاکی آگے جابڑھا۔ ہائے نہ ہوا بخاری اگر میں ہوتا تو میاں کا حکم مان کر آگے چل ہی پڑتا۔ پر جل جاتے تو کیا ہوتا میاں کی اطاعت میں اور آقا کی دہلیز پر تو جلتے اس سے کون سا بہتر موقع ہوتا۔

شاہ صاحب! ظرافت میں کتنا بڑا مسئلہ حل کر دیا پیدائش آدم علیہ السلام کی طرف بھی اشارہ کر دیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اس خاکی پتلے کو سجدہ کرایا جس میں روح پھونک دی تھی اس وقت بھی فرشتے اس خاک کے فضل و کمال سے واقف نہ تھے اور معراج میں بھی اس علم و مقام سے نا آشنا تھے۔ خاکی پتلے میں آ کر ہی تو روح آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ بنی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو عزت و حرمت ہے۔ وہ تو اضع و انکسار، عبدیت و عبودیت کی وجہ سے ہے اور وہ خاک میں زیادہ ہے۔[1]

مرزا قادیانی مخبوط الحواس

ستم دیکھیے، یہ لوگ کس قدر بے بصیرت ہیں، کتنے عاقبت نا اندیش ہیں کہ لباس نبوت کس کے بدن پر مزین کرنے کی سعی میں مصروف ہیں جسے گڑ اور کلوخ میں تمیز نہیں جسے جوتا پہننے کا سلیقہ نہیں۔ دایاں بائیں میں اور بایاں دائیں میں۔ گڑ سے استنجا کیا جا رہا ہے، اور مٹی کھائی جا رہی ہے۔

دیکھا، میاں ﷺ کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا خدائے غیور نے عقل ہی سلب کر لی اور مخبوط الحواس بنا دیا۔ یہ عقل کے مسلوب ہونے کی علامت ہی ہے کہ مرزا قادیانی ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھتا ہے جیسے ایک غلام آقا کو خطاب کرتا ہے، کہتا ہے:

---

1. ترجمان اسلام لاہور یکم ستمبر ص 16

"میں اور میرا خاندان سلطنت انگلینڈ کے دیرینہ غلام ہیں۔ نیز اے ملکہ معظمہ "**ادام اللہ بقائہا و خلد اللہ ملکہا**" تو زمین کا نور اور میں آسمان کا نور۔ پس تجھ زمین کے نور نے مجھ آسمان کے نور کو اپنی طرف کھینچ لیا اور میرے پاس جو کچھ ہے تیرے ہی وجود کی برکت سے ہے۔"

تیرے لونگ دا پیا لشکارا تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں میں تقریر کر رہے تھے، موضوع تھا معراج النبیؐ ٹھیٹھ پنجابی میں بیان کرتے چلے گئے، فرمایا...... حضور ﷺ عرش کو چلے تو کائنات تھم گئی۔ اب تھم گئی تو پنجابی میں سمجھانا شروع کیا، کہ رک گئی، پھر فرمایا ٹھہر گئی...... لوگوں سے پوچھا، کچھ سمجھے؟ زیادہ تر سرنفی میں ہلے...... کروٹ لیتے ہوئے فرمایا۔ میرے ہالیو (ہل جوتنے والو) اللہ کا محبوب عاشق کے گھر کو چلا، تو حسن و جمال کے اس پیکر متحرک کو دیکھ کر کائنات تھم گئی، ٹھہر گئی، رک گئی...... (تسی حالی وی نئیں سمجھے تے میں تہانوں سمجھاناں ایں)

تیرے لونگ دا پیا لشکارا
تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

اس خوش آواز سے پڑھا کہ مجمع لوٹ پوٹ ہو گیا، رب نے کہیا کہ میرا سوہنا آں یار آئے تے زمین و آسمان دی ایس گردش نوں ڈک لوؤ جیہڑے جتھے سن اوتھے ای ڈک لئے،...... جہاں زمین و آسمان تھے، وہاں رک گئے، فرش سے عرش تک کا سفر طے ہو گیا۔

میری گھگھری نوں گھنگھرو ولوا دے جے تو میری ٹور ویکھنی

فرمایا، جو کچھ چاہتے ہو، مجھے سمجھا دو، گالی سے انسان قائل نہیں ہوتا، نہ الزام سے فنا ہے، اور نہ جھوٹ ہی کو دلیل کہا جاتا ہے...... مجھے قائل کر لو، میں کسی کا لیڈر نہیں، میں امیر نہیں، مبلغ ہوں۔ یار لوگوں نے شریعت کو نہ ماننے کے لئے مجھے امیر شریعت بنا رکھا ہے لیکن میں امیر نہیں، فقیر ہوں، میں صرف سپاہی ہوں۔ اللہ کا سپاہی، رسول کا سپاہی، اسلام کا سپاہی، آزادی کا سپاہی، تمہارا سپاہی، اور جب تم مجھے سمجھا دو گے، پھر مجھے تنہا چھوڑ دو۔ تب میں جانوں، اور

میدانِ جنگ جانے، سپاہی میرے، خون میرا، رضا کار میرے، قید ہونا پڑے یا تختہ دار پر لٹکنا ہو تم مجھے ہراول دستہ میں پاؤ گے۔ گالی نہ دو، سمجھا دو......

(خوش آوازی کے ساتھ)......

میری گھگھری نوں گھنگھرو لوا دے

جے تو میری ٹور ویکھنی

بس لوگوں کا حال یہ تھا، جیسے کسی نے لوٹ لیا ہو۔

ایسے ہی ایک مرتبہ اپنے مرشد حضرت رائے پوریؒ کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ پنجاب کے ایک خطیب جس نے حضور ﷺ کی حیات و وفات کے مسئلہ کو موضوع بحث بنایا ہوا تھا۔ شاہ جیؒ ان دنوں بیمار تھے۔

اس خطیب کا تذکرہ ہوا تو آپ نے اپنے شیخ سے مذکورہ بالا جملہ کے ساتھ کہا کہ حضرت آپ میری پیٹھ پر ہاتھ پھیر دیں اور پھر دیکھیں کہ میں انہیں مسئلہ حیات کیسے سمجھاتا ہوں میری گھگری نوں گھنگھرو لوا دے اجے تو میری ٹور ویکھنی۔

(روایت حافظ محمد ثاقب گوجرانوالہ)

فرماتے غالب ہر کوئی پڑھتا ہے، میں بھی پڑھتا ہوں لیکن میں ذرا عام روش سے ہٹ کر پڑھتا ہوں۔ یار لوگوں نے اس کی بہت سی شرحیں لکھی ہیں۔ ہر کسے را رنگ و بوئے دیگر است۔ سوچتا ہوں تو میرے سامنے ان کے مطالب کا رُخ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ میرا ذہن خود بخود اس کے اشعار کی گتھیاں کھولتا چلا جاتا ہے۔

اور میں دعوئ سے کہہ سکتا ہوں کہ غالبؔ کا نصف دیوان سیاسی ہے، اُس نے الفاظ کی ریشمی نقابوں میں نہ صرف اپنے عہد دار و رسن اور اپنے زمانہ ادبار و انحطاط کی تصویریں بنائی ہیں، بلکہ اشارات و کنایات میں حالات و واقعات کے دفاتر سمو گیا ہے۔ ایک دفعہ جانے کیا موضوع تھا۔ کہنے لگے بحمد اللہ نفس نے کبھی کوئی جنسی خیانت نہیں کی، کسی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا، کسی کی عصمت کو تاکا نہیں، کسی کی عصمت کو گھورا نہیں۔ دوسروں کی طرف نگاہ غیر شعوری طور پر اُٹھی بھی تو اپنی عزت یاد آ گئی۔

ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

عمر کے آخری برسوں میں عموماً غالبؔ ہی کے اشعار پڑھتے، اور سر دُھنتے تھے۔ گو ان کے حافظہ پر بیسوں اساتذہ سخن کے کلام کی راہیں کشادہ تھیں، لیکن غالبؔ کے ذکر پر فرماتے، ظالم نے دل چیر دیا ہے شیخ حسام الدین ملتان گئے تو بان کی چٹائی پر بیٹھے پان بنا رہے تھے، کہنے لگے، رات غالبؔ نے کئی گھنٹے بے چین رکھا۔ ہائے کس دن کے لئے کہہ گیا تھا۔

بے کسی ہائے غنا کہ عبرت ہے نہ ذوق
بے دلی ہائے تماشہ کہ دنیا ہے نہ دیں

سبحان اللہ!

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیاں کتھے جا اڑیاں

فرمایا حضرت (پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ) کا یہ شعر پڑھا، تو دنوں تک تڑپتا پھڑکتا رہا۔ پھر عمر بھر لوگوں کو اس سے تڑپایا اور پھڑکایا۔ کئی نعتیہ دیوانوں پر تنہا یہ شعر بھاری ہے۔ گستاخ اکھیں، یہاں اس طرح لگی ہیں، کہ کائنات کی حیا کا بوجھ ان پر پڑا ہوا ہے...... اس شعر پر سوچتے جائیے، اور پڑھتے رہیے، معانی کا ایک بازار آراستہ ہوتا چلا جائے گا، پھر یہ رونق کبھی اور کسی وقت بھی کم نہ ہوگی۔ میں نے لوگوں کو اس پر ماہیٔ بے آب کی طرح لوٹتے دیکھا ہے، بلکہ سیرت کے جلسوں میں لوگوں کی ہیئت کذائی ہی بدل ڈالی ہے۔

(غبار خاطر امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کے خطوط کا مجموعہ ہے)

غبار خاطر چھپ کر سامنے آئی، تو شاہ جی کے حافظے کی بے شمار گرہیں کھل گئیں۔ مولانا نے کسی خط میں لکھا ہے، کہ عمر کے ابتدائی دنوں میں جو کتابیں پڑھی تھیں، ان کے ضروری مقامات صفحہ وسطر حافظے میں محفوظ ہیں۔ شاہ جی بھی حافظے کے اسی مقام سے گذرنے لگے، ان دنوں برصغیر میں فسادات کا زمانہ تھا۔ گھر یا دفتر میں مجلسیں لگاتے، اور اپنے بچپن اور لڑکپن اور ابتدائی ایام جوانی کے، حافظہ پر نقش اشعار سناتے...... سعدی، حافظ، نظیری، غالب، غنیمت

کیجا ہی غنی کاشمیری، عنصری، شہیدی، ابو طالب حکیم آملی، رومی، گرامی غرض ایک خزینہ گرانمایہ تھا، کہ اس کا ڈھکنا اُٹھا دیا ہو، اور اشرفیوں کا ڈھیر لگ رہا ہو۔ غالبؔ کی فارسی شاعری کے ایسے ایسے نوادرات کھٹ سے چلے آتے تھے کہ جی جھوم جھوم جاتا تھا۔

کسے کشتہ نہ شد از قبیلہ ما نیست

اپنی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے ایک دفعہ پڑھا

اے ہم نفساں ، آتشم از من بگیرید
ہر کس کہ شود ہمراہ ما دشمن خویش است

پھر اس کو پلٹایا ؎

گریزد از صف ما آنکہ مرد غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

اور تب مسلمانوں کے اجتماعی مزاج کا ذکر کرتے ہوئے گونج اور گرج کے ساتھ پڑھا۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
بوئے گل ، نالہ دل ، دودِ چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا

لیکن اب شاہ جیؒ کہاں ؎

مژدہ با و اہل ریا راکہ زمیداں رفتم [1]

بیماری میں بھی ”الحمدللہ“ کہتے

بیماریوں کے ہجوم اور مصائب کی یلغار میں اس کوہِ استقامت کے معتقدات میں ادنیٰ لغزش بھی رونما نہ ہوئی ہر مزاج پرسی کرنے والے کو خندہ پیشانی سے ”الحمدللہ“ کہہ کر جواب دیتے ہاں بھائی الحمدللہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔ اس سے بدتر حالت بھی تو ہو سکتی ہے اور میں تو

1۔ سالنامہ 1962ء ص 91

اُدھر سے شر کا قائل ہی نہیں ہوں۔ کوئی اللہ تعالیٰ ہمارے دشمن یا شریک ہیں جو ہمیں شر اور ایذا پہنچائیں۔ اُدھر تو خیر ہی خیر ہے۔ صرف ہمارا استعمال بعض چیزوں کو شر بنا دیتا ہے وہاں تو خیر ہی خیر ہے۔ وہ جو کچھ ہمارے لئے کرتے ہیں بہتر ہوتا ہے گرچہ وہ ہمارے فہم سے بالاتر کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد ایک مجذوب کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ اُن کی خدمت میں ایک رئیس حاضر ہوا۔ اُس نے عرض کیا "حضرت کچھ پریشانیاں ہیں۔ دُعا کرو۔" حضرتِ مجذوب نے فرمایا۔ یہی پریشانیاں کہ کہ خدا آپ کی بات نہیں مانتا یعنی جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا تو آپ اس کی بات مان لیجئے وہ اس کے زیادہ لائق ہے۔ پریشانیاں دُور ہو جائیں گی۔ مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بھائی اس کے سوا چارہ نہیں۔ الحمدللہ کہنے ہی میں خیر ہے۔ حضرت قلندر پانی پتی نے اس مسئلہ پر اعتراض کیا تو حضرت نظام الدین اولیاء نے کیا خوب جواب دیا۔

گہے راست کند او صورت مردی وزنی
گہے بشکند جامۂ جاں را زتنی
کس نیست کہ پرسد استادِ قضا را
از بہر چہ سازی و چرا می شکنی

فرمایا! "میری دوستی اور دشمنی ایک دفعہ ہوتی ہے اگر ایک مرتبہ دوست سے گزند پہنچ جائے یا کوئی دوست بن کر مکاریوں اور فریب کاریوں کا ہدف بنائے تو عمر بھر اس پر کبھی اعتماد نہیں کیا۔ چناں رویم کہ دیگر بگردِ ما نرسی۔"

یہ بلیغہ شرابیہ کے شعر کا دوسرا مصرع ہے۔ مکمل شعر یہ ہے

شدیم خاک رہت گربہ در ما نرسی
چناں رویم کہ دیگر بگردِ ما نرسی

کسی ایک اور محفل میں جب اپنے اس نظریہ کا اظہار فرمایا تو ارشاد ہوا

دل نیست کبوتر کہ پرد باز نشیند
از گوشہ بامے کہ پریدیم پریدیم

یہ شعر کا دوسرا مصرعہ ہے ما بخیر شما بہ سلامت۔ بس اسے کنارہ کشی سمجھئے یا دشمنی۔ میری طرف سے صرف اتنا ہوتا ہے۔ الحمدللہ کہ میں نے آج تک نہ کسی کے متعلق برا سوچا ہے اور نہ برا کیا ہے انگریز اور مرزائی کے سوا۔ جہاں تک بس چلا ان کے متعلق برا سوچا بھی اور کیا بھی! ''عمر بھر کبھی اعتماد نہیں کیا'' اس فقرہ کو بڑے زوردار لہجے میں فرمارہے تھے۔ راقم نے چھیڑنے کی غرض سے کہا کہ ''کمال ضد ہے۔'' تو فرمایا۔ ''ارے جاہل ضد نہیں یہ ایمان ہے۔ حدیث میں کیا پڑھا ہے؟

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَّرَّتَيْنِ o

''مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ ڈنک نہیں کھاتا۔''[1]

میرا ہمیشہ خدا کی ڈھیری پر ہاتھ رکھا ہے

فرمایا لوگ تعجب کرتے ہیں کہ میں کہاں سے کھاتا ہوں؟ ہائے اصغر کس وقت یاد آگئے

میں رندِ بادہ کش بھی، بے نیازِ جام و ساغر بھی
رگِ ہر تاک سے آتی ہے کھینچ کر میری قسمت بھی

میرا تو ہمیشہ خدا کی ڈھیری پر ہاتھ رہا ہے۔ میرا رزق میرے پیچھے دوڑتا ہے کبھی قبول کرتا ہوں اور کبھی رد کرتا ہوں میں تو اپنے اللہ کا کوڑھی ہوں مجھے وہ رزق دیتا ہی نہیں بلکہ میری ٹھوڑی سے پکڑتا ہے اور میرے منہ میں ڈالتا ہے

بے مگس ہرگز نہ باشد عنکبوت
رزق را روزی رساں پر می دہد

دنیا میں محبت کے قابل چیزیں

دنیا میں چار قیمتی چیزیں محبت کے قابل ہیں، مال، جان، آبرو، ایمان، لیکن جب جان پر کوئی مصیبت آئے تو مال قربان کرنا چاہئے اور آبرو پر کوئی آفت آئے تو مال اور جان دونوں کو۔ اور اگر ایمان پر کوئی ابتلا آئے تو مال۔ جان آبرو سب کو قربان کرنا چاہئے۔ اور اگر ان

1. چٹان سالنامہ ص 87

سب کے قربان کرنے سے ایمان محفوظ رہتا ہے تو یہ سودا سستا ہے۔ [1]

کمینہ کبھی بہادر نہیں ہوتا

فرمایا۔ "شریف کبھی بزدل نہیں ہوتا۔ کمینہ کبھی بہادر نہیں ہوتا۔ کمینہ پر جب کوئی ابتلا آتی ہے تو دشمن کے سامنے ایڑیاں رگڑتا ہے۔ اور شریف۔ جب دشمن اس کے قابو میں آتا ہے تو اسے معاف کر دیتا ہے اور نہ ماضی کے کسی واقعہ پر اسے مطعون ہی کرتا ہے۔ میاں ﷺ (وہ اپنی زبان میں حضور ﷺ کو میاں کے نام سے پکارتے) کی شرافت اور بہادری دیکھئے جب حضرت عمرؓ نے ایمان لانے کے بعد عرض کیا "حضرت ﷺ کعبہ میں کیوں نماز نہیں پڑھتے"؟ تو فرمایا کہ" تیری قوم نہیں پڑھنے دیتی۔" حالانکہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے رکاوٹ تو حضرت عمرؓ تھے مگر یہ نہیں فرمایا کہ آپ نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کیا شرافت ہے۔"

اس کے بعد چند کمینہ سیاسی لیڈروں کا ذکر آیا اور چند کمینہ صفت صحافیوں کا جو لوگوں کے ماضی کے بخئے ادھیڑتے ہیں اور بزعم خویش اسے حب الوطنی خیال کرتے ہیں۔ [2]

بے ثباتی و ناپائیداری حیات

اس عالم کی بے ثباتی اور ناپائیداری حیات کے متعلق حضرت کے ملفوظات نہایت دلچسپ اور علمی ہوتے تھے اس موضوع پر غالب ان کا بڑا معاون ثابت ہوتا۔ راقم نے مختلف مجلسوں میں اس موضوع پر حسب ذیل اشعار سنے

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

مصرع ثانی کو کچھ اس رنگ سے پڑھتے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اسیر دامِ خیال ہو جاتا

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

1. چٹان سالنامہ لاہور ص 87 ☆ 2. ایضاً ص 87

دوسرے مصرع میں جس نفی و اثبات کا ذکر ہے اس کے پڑھنے میں ایک عجیب سماں پیدا کرتے۔

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

یہ حیاتِ دنیوی ان کے نزدیک مرگ کا درجہ رکھتی تھی انہوں نے اپنے کلام میں بھی اس طرح ذکر کیا ہے۔ مردیم دور انتظار مرگیم فرماتے۔ یہ کوئی حیات ہے۔ "**لاحول ولا قوۃ**" ہمیں تو اس حیات کے مسئلہ میں ابو طالب کلیم کی تعبیر پسند ہے۔

بدنامیٔ حیات دو روزے نبود بیش
آں ہم کلیم با تو چہ گویم چساں گذشت
یک روزہ صرف بستنِ دل شد بایں و آں
روز دگر بکندنِ دل زایں و آں گذشت

کلیم نے حیات نہیں کہا بلکہ تہمتِ حیات سے تعبیر کیا ہے۔ اپنی نشست گاہ میں تشریف فرما تھے ان دنوں روس کے مصنوعی سیارے فضا میں پرواز کر رہے اور اشتراکی مبلغ لوگوں کو یہ باور کراتے پھر رہے تھے کہ از روئے مذہب اسلام آسمان پر کوئی نہیں جا سکتا۔ حضرت مرحوم کے سامنے کسی نے اس کا ذکر کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا۔ ہم تو انسان کے اعلیٰ علیین پہنچنے پر ایمان لائے بیٹھے ہیں یہ چاند اور ستارے تو راستے میں ہیں لیکن مجھے اس کامیابی (فضائی تسخیر) پر کوئی مسرت ہے نہ تعجب۔ ہم تو تب مانیں گے جب یہ موت کا کوئی علاج کر دکھلائیں اور کسی آدمی کے متعلق یہ فیصلہ کر دیں کہ اب وہ نہیں مرے گا تو پھر میں انہی کو سجدہ کر لوں گا۔

مدت سے لئے پھرتا ہوں اِک سجدۂ بے تاب
ان سے کوئی پوچھے وہ خدا ہیں کہ نہیں ہیں

کبھی کبھی اپنے احوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے:

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی

گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد [1]

جو چیز یار سے جدا کرے اسے آگ لگا دو

شاہ صاحب کی قرآنِ کریم سے شیفتگی اور والہانہ محبت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ استثنائی صورتوں میں قرآن مجید کے علاوہ کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ میرے لئے جو کچھ ہے قرآن مجید میں موجود ہے اگر آج دنیا قرآن چھوڑ کر دوسری کتابوں پر نگاہ کر سکتی ہے تو میں دوسری کتابوں سے روگردانی کر کے صرف کتاب الٰہی پر اپنی توجہ کیوں نہ مرتکز کروں۔ میں تو قرآن کا مبلغ ہوں میری باتوں میں اگر کوئی تاثیر ہے تو وہ صرف قرآن کی۔ خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے ایک جولاہے مرید کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ وہ ہر سال حضرت خواجہ کی خدمت میں ایک لنگی ہدیہ لایا کرتا تھا ایک سال ناغہ کرنے کے بعد دوسرے سال دو لنگیاں ہدیہ لایا۔

حضرت نے گذشتہ سال غیر حاضری کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ گذشتہ سال لنگی مکمل نہیں ہو سکی تھی اس لئے حاضر نہ ہو سکا۔ تو فوراً حضرت نے لنگیوں کو آگ لگوا دی اور فرمایا۔ ''جھڑی شئے یار کنوں نکھیڑے اونکوں بھاہ لا۔'' یعنی جو چیز یار سے جدا کرے اسے آگ لگا دو۔ میں بھی یہی کہتا ہوں جو چیز مجھے قرآن سے جدا کرے اسے آگ لگا دو۔

چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

کیا سید کی کوئی نسل نہیں

بھائی لوگو! آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو، اور بٹیروں کی بھی...... لیکن ایک ہم سید

1۔ چٹان سالنامہ ص 87

ہی ایسے ہیں، کہ جن کی نسل نہیں، حضور ﷺ کو تم بشر نہیں مانتے ہو، تو پھر ہم کس کی اولاد ہوئے؟

فرمایا! (بحوالہ مولانا قاری محمد طیبؒ علماء، اسلام کی پولیس ہیں، ان کا فرض ہے کہ قانون کا احترام کرائیں۔ اہل حال بزرگوں کو جو کچھ کہنا ہے، اپنے تک محدود رکھیں۔)

اگر وہ کھلم کھلا قانون اسلام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے، تو ہم انہیں پکڑ لیں گے، خواہ عدالت میں چھوٹ ہی جائیں۔

☆...... موری دروازے کے باہر کندن شاہ کا تکیہ ہے، جسے عام لوگ گھدو شاہ کہتے ہیں، اس سے پیوست کبھی ایک باغ تھا، جہاں کانگریس کے جلسے ہوتے تھے، سائمن کمیشن کے زمانے میں شاہ جی نے یہاں ایک تقریر کی ...... سرکاری لوگوں نے اس تکئے کے چرسیوں، بھنگیوں اور سلفہ بازوں کو رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لئے اُکسایا، وہ سلفہ کا کش کھینچ کر یا علی مدد کے نعرے لگانے لگے۔ شاہ جی نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

اوچڑ سیو! یہ غلاظت پی کر میرے باپ علیؓ کا نعرہ کیوں لگاتے ہو؟ کیا تمہارے باپ باپ دادا نہیں ہیں۔ (یہ بات کس شگفتگی سے کہی ہے۔)

لمحہ فکریہ

مسلمانو! لیلائے آزادی سے ہمکنار ہونے کی تمنا ہے تو سب سے پہلے فرنگی کی خانہ ساز نبوت کے قصر قادیاں کو مسمار کرو اور فرنگی کے اس خود ساختہ پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو۔ میرے نزدیک مرزائیت اور عیسائیت ہندوستان میں ایک وجود نامسعود کے دو نام ہیں۔ انہوں نے صرف ہمارے ملک و سلطنت کو تاراج نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے دین و ایمان کی متاع عزیز، آبروئے خدا محمد ﷺ کی ختم نبوت پر قزاقانہ حملہ کیا ہے:

یتیم مکہ محمدؐ کہ آبرو خدا است
کسے کہ خاک رہش نیست برسر او خاک است

جو نام نہاد مسلمان نبوت کے ان ڈاکوؤں سے حسن سلوک کے قائل ہیں یا ان سے رواداری پر مائل ہیں اور انگریز کو اولی الامر بھی جانتے اور مانتے ہیں۔ وہ حرماں نصیب روز محشر

شفیع امت حضور ﷺ کے سامنے کیا منہ لے کر آئیں گے۔

جو "میاں" ﷺ کا نہیں وہ منہ لگانے کے قابل بھی نہیں

جو نام نہاد مسلمان نبوت کے ڈاکوؤں سے حسن سلوک کے قائل ہیں یا ان سے رواداری پر مائل ہیں وہ حرماں نصیب روز محشر شفیع امت حضور خاتم النبیین ﷺ کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے۔ جو "میاں" ﷺ کا نہیں وہ اس قابل نہیں کہ اسے منہ بھی لگایا جائے۔ نبی کریم ﷺ کے منصب عالیہ پر ڈاکہ ڈالنے والا مسیلمہ کذاب کی طرح آج بھی واجب القتل ہے۔ ارتداد ایک ایسا جرم ہے جس کی معافی اسلام میں کہیں نہیں۔ مرزا اور اس کے ماننے والے دجال، کذاب، مرتد، واجب القتل اور جہنمی ہیں۔ [1]

ٹائم بم

تحریک تحفظ ختم نبوت (53ء) میں ہزاروں جوانان گل گوں قبا، سرجوشان راہ بقا اور سرمستان عہد وفا کی قربانی و شہادت صلح حدیبیہ کی مثل ہے۔ میں تو زندہ نہیں رہوں گا مگر تم دیکھو گے کہ شہیدوں کا خون بے گناہی رنگ لا کر رہے گا۔ میں نے اس تحریک میں مسلمانوں کے دلوں میں ایک ٹائم بن رکھ دیا ہے۔ جو وقت آنے پر ضرور پھٹے گا اور اس کی تباہی سے مرزائیت کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔

مطمئن

ایک مرتبہ شاہ جی نے جیل میں پھانسی خانے کو دیکھا۔ آپ نے تختہ دار پر قدم رکھا اور پھر اپنے آپ کو تولا کہ اگر اس راہ میں پھانسی آجائے تو میں اس پر تیار ہوں یا نہیں تو فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو مطمئن اور تیار پایا۔ ("شاہ جی کے علمی اور تقریری جواہر پارے") (اعجاز احمد خان سنگھانوی)

بخاریؒ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق

مولانا عبید اللہ انورؒ صاحب ہی نے یہ بھی تحریر فرمایا۔ حضرت نے ایک دفعہ جمعہ کے

---

1. ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" امیر شریعت نمبر حصہ اول، ص 311

خطبہ میں فرمایا کہ حکومت کہتی ہے کہ عطاء اللہ شاہ فساد پھیلاتا ہے۔ان اللہ کے بندوں کو معلوم نہیں کہ اگر عطاء اللہ شاہ فساد پر آمادہ ہو جائے تو مرزائیت کا قلعہ قائم نہیں رہ سکتا۔ میں کہتا ہوں اگر شاہ بخاریؒ شام کو حکم دے دیں تو صبح ہونے سے پہلے ''ربوہ'' کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ پھر فرمایا حکومت کی گولیوں اور بندوقوں میں وہ طاقت نہیں جو علماء کی زبان میں ہے۔ ہمارے ایک عطاء اللہ شاہ بخاری بحمد للہ سب پر بھاری ہیں اور جب تک وہ زندہ ہیں، اسلام کو کوئی خطرہ نہیں۔ایک مرتبہ تو حضرت نے شاہ جی کے متعلق یہاں تک ارشاد فرمایا۔محشر کا دن ہوگا۔رحمت دو عالم ﷺ جلوہ افروز ہوں گے۔صحابہ کرام بھی ساتھ ہوں گے۔ بخاریؒ آئے گا۔حضور نبی کریم ﷺ معانقہ فرمائیں گے اور کہیں گے۔ بخاری تیری ساری زندگی عقیدۂ نبوت کی حفاظت میں گزری اور کتاب وسنت کی اشاعت میں صرف ہوئی۔آج میدان حشر میں تیرا شفیع میں ہوں۔تیرے لئے کوئی باز پرس نہیں، جا اور اپنے ساتھیوں سمیت جنت میں داخل ہو جا۔تیری جماعت کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھلے ہیں۔جس طرف سے چاہو کھلے بندوں جنت میں داخل ہو سکتے ہو۔[1]

مرزا قادیانی جہنمی ہے، شیخوپورہ میں مناظرہ

گوجرانوالہ میں ہی تشریف آوری کے دوران انہوں نے تقسیم ہند سے قبل شیخوپورہ میں ہونے والے ایک مناظرہ کی روداد بھی سنائی۔یہ ایک علمی مناظرہ تھا جس کے لئے موضوع ''حیات مسیح'' مقرر کیا گیا تھا۔مناظرہ صبح دس بجے سے ایک بجے تک ہوا۔ایک بجے کھانے اور نماز ظہر کا وقفہ کیا گیا۔مناظرہ جب دوبارہ شروع ہوا تو ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا اور اس نے ہاتھ باندھ کر گزارش کی مولانا! میں صبح سے آکر بیٹھا ہوا ہوں۔ مجھے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی میں سمجھ سکا ہوں کہ بات کیا ہے؟ میں نے قریب ہی کے گاؤں جانا ہے۔میرے جانور بھوکے ہیں۔میں نے انہیں جا کر چارہ وغیرہ دینا ہے۔اجازت ہو تو میں ایک سوال کر کے چلا جاؤں۔ اس کے بعد اس نے مرزائیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں نے صرف ایک ہی سوال کرنا ہے۔اجازت ہو تو عرض کروں؟ انہوں نے اجازت دے دی، تو اس نے کہا:

''میں نے سنا ہے کہ مرزا صاحب کا محمدی بیگم نامی عورت سے قیامت کے دن نکاح

---

1. ''دو بزرگ''، ص 18۔19، مصنفہ سید امین گیلانی

ہو گا۔ کیا یہ درست ہے؟"

مرزائی۔ "ہاں"

دیہاتی۔ "ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ قیامت کے روز اللہ پاک میرا نکاح پڑھائیں گے اور فرشتے میری بارات میں ہوں گے۔ کیا یہ درست ہے؟"

مرزائی۔ "ہاں"

دیہاتی۔ "مرزا صاحب کے مطابق محمدی بیگم اور اس کے والدین کافر ہیں اور کافر ہونے کے ناطے جہنم میں جائیں گے؟ اور محمدی بیگم کے والدین نے مطالبہ کر دیا کہ نکاح کے بعد مرزا صاحب کو گھر داماد رکھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرزا صاحب تمام زندگی جہنم میں گزاریں گے۔"

اس کے ساتھ ہی شور و غل پڑ گیا اور نعرے لگنے لگے "ختم نبوت زندہ باد، مرزا جہنمی مردہ باد۔" اس طرح وہ مناظرہ ہم نے جیت لیا۔[1]

اگر دُعاؤں سے کام چل سکتا تو......!

تحریک ختم نبوت کے زمانے میں شاہ جیؒ سے کسی نے کہا۔ شاہ جی ایسے کام نہ کیجیے جن سے آپ کو تکلیف برداشت کرنا پڑے۔ اب آپ ضعیف ہیں۔ ضعیف العمری کا تقاضا ہے کہ اب آپ آرام کریں۔ شاہ جیؒ نے بڑے جلال سے کہا۔ ناموس رسالت ﷺ خطرے میں ہے۔ اغیار، شمع رسالت بجھانے کے درپے ہیں اور تم مجھے آرام کرنے کا مشورہ دے رہے ہو؟ بھائی تم مجھے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میں خودکشی کر لوں؟ بخاری زندہ ہو اور خاموش رہے؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ ان صاحب کی یہ حالت تھی کہ...... کاٹو تو لہو نہیں بدن میں![2]

شاہ جیؒ کی نکتہ آفرینی

آپ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میرا موضوع ہے عصمت انبیا۔

1۔ "تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک" ص 294۔295، از [illegible]

2۔ ماہنامہ "نقیب ختم نبوت"، امیر شریعت نمبر حصہ دوم، ص 506

اور میں سورۂ فاتحہ کی آخری آیات کی روشنی میں اسے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جہاں فرمایا گیا ہے کہ اے اللہ ہمیں چلا سیدھی راہ پر۔ ان مقتدر ہستیوں کی راہ پر جن پر ہمیشہ تیرا انعام و اکرام ہوتا رہا۔ جن پر کبھی تیرا غضب نازل نہیں ہوا اور جو کبھی بھی راہ راست سے نہیں بھٹکتے۔ یہ صاف اور واضح طور پر انبیاء کرام کے متعلق ہے جن کے لئے معصومیت لازمی شرط ہے۔ نبی کے لئے معصوم ہونا لازمی ہے۔ اور نبی کے علاوہ اور کوئی شخص معصوم نہیں ہو سکتا۔ لیکن پنجاب میں بھی ایک نبوت پیدا ہوئی۔ میں تو حیران ہوں کہ آج نبوتیں اس طرح جنم لے رہی ہیں جیسے موسم برسات میں کیڑے اور پھر قادیانی خدا کی بدتمیزی ملاحظہ ہو کہ قلم کو سیاہی لگا کر سیاہی کے دھبے اپنے ''پیارے'' نبی کی شلوار پر گرادے۔ بتایئے! کوئی برے سے برا منشی بھی ایسا مکروہ عمل نہیں کرتا۔ لیکن کیا کیا جائے نبوت ہی ایسی ہے۔

مسلمانو! آج میں کھل کر ایک بات کہتا ہوں۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اللہ کی ربوبیت اسی وقت تک قائم ہے جب تک محمد ﷺ کی نبوت قائم ہے۔ کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت کی ابدیت ہی اللہ کی ربوبیت کی مظہر ہے۔ ہم میں سے کس نے خدا کو دیکھا ہے؟ ہم کیسے یقین کرتے ہیں کہ ایسی بھی کوئی ہستی ہے جسے خدا کہتے ہیں۔ ہاں! ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے جنہوں نے ہمیں بتایا کہ خدا بھی ہے۔ ہمیں تو اعتماد ہے اس بلند شخصیت پر۔ بھائی اعتماد کی ہی تو ساری بات ہے۔ اگر اعتماد نہ ہو تو سارا کھیل ہی چوپٹ ہے۔[1]

میں ذمہ دار ہوں

ادھر تحریک کی اندوہناک پسپائی سے لوگوں میں مایوسی کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ کوئی لوگ ان شہداء کے متعلق جو اس تحریک ناموس ختم نبوت پر قربان ہو چکے تھے، یہ سوال کرتے کہ ان کے خون کا ذمہ دار کون ہے؟ شاہ جیؒ نے لاہور کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے جواب دیا کہ:

''جو لوگ تحریک ختم نبوت میں جہاں تہاں شہید ہوئے، ان کے خون کا جوابدہ میں ہوں۔ وہ عشق رسالت میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں جذبہ شہادت

1. ہفت روزہ ''لولاک'' فیصل آباد، جلد 19 شمارہ نمبر 12

میں نے پھونکا تھا۔ جو لوگ ان کے خون سے دامن بچانا چاہتے اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں، ان سے کہتا ہوں کہ میں حشر کے دن بھی ان کے خون کا ذمہ دار ہوں گا۔ وہ عشق نبوت میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ چڑھ گئے لیکن ختم نبوت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی سات سو حافظ قرآن اسی مسئلہ کی خاطر شہید کرا دیئے تھے۔

شاہ جیؒ! تحریک کی پسپائی سے غایت درجہ ملول تھے۔ ان کا دل بجھ چکا تھا۔ فرماتے غلام احمد کی نبوت کے لئے تحفظ ہے، لیکن محمد ﷺ کی ختم نبوت کے لئے تحفظ نہیں۔ عموماً اشکبار ہو جاتے۔ اسی زمانہ میں ایک دن تقریر کرنے کے لئے اٹھے تو عمر بھر کی روایت کے برعکس نہ خطبہ مسنونہ پڑھا نا زیر لب ورد کیا فرمایا:

مسٹر پریزیڈنٹ ، لیڈیز اینڈ جنٹلمین ! لوگوں نے قہقہہ لگایا اور ششدر رہ گئے۔

"**شاہ جی! یہ کیا؟**" فرمایا ایک سیکولر سٹیٹ کے شہریوں سے مخاطب ہوں۔ [1]

بخاری پاکستان سے آرہا ہے

ترکی میں ایک عالم دین نے خواب دیکھا کہ:

''آقائے نامدار ﷺ مع صحابہ کرامؓ گھوڑوں پر سوار سفر پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ آقا ﷺ کہاں کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا بیٹا عطاء اللہ بخاری پاکستان سے آرہا ہے۔ اسے لینے جا رہے ہیں۔ ترکی کے یہ عالم دین سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو نہ جانتے تھے۔ پاکستان میں وہ صرف مولانا محمد اکرم سلطان فونڈری لاہور کو جانتے تھے۔ ان کو خط لکھا کہ فلاں رات خواب میں اس طرح دیکھا۔ آپ فرمائیں تو یہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کون ہیں اور اس رات کیا واقعہ پیش آیا۔ خط پڑھا تو معلوم ہوا کہ خواب کی وہی رات تھی جس رات سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا وصال ہوا۔ [2]

---

1. تحریک ختم نبوت ص 144 مصنفہ آغا شورش کشمیریؒ
2. تذکرہ مجاہدین ختم نبوت 356

خود کاشتہ پودے کی آبیاری

میں کوئی دستوری نہیں، سپاہی ہوں۔ تمام عمر انگریزوں سے لڑتا رہا اور لڑتا رہوں گا۔ اگر اس مہم میں سور بھی میری مدد کریں گے تو میں ان کا منہ چوم لوں گا۔ میں تو ان چیونٹیوں کو شکر کھلانے کے لئے تیار ہوں جو "صاحب بہادر" کو کاٹ کھائیں۔ خدا کی قسم میرا ایک ہی دشمن ہے۔ انگریز۔ اس ظالم نے نہ صرف مسلمان ملکوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی، ہمیں غلام رکھا اور مقبوضات پیدا کئے بلکہ خیرہ چشمی کی حد ہوگئی کہ قرآن حکیم میں تحریف کے لئے مسلمانوں میں جعلی نبی پیدا کیا۔ پھر اس خود کاشتہ پودے کی آبیاری کی اور اب اس کو چہیتے بچے کی طرح پال رہا ہے۔

محاسن نبوت

حضرت آدم علیہ السلام سے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ تک کوئی ایسا نبی نہیں آیا ہے جس نے اپنی تعلیمات میں جلا پیدا کرنے کے لئے اپنے دور کے کسی انسان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہو۔ لیکن نبی اور رسول براہ راست اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرتے ہیں۔ نبی کی اللہ تعالیٰ خود راہنمائی کرتے ہیں۔ انبیاء کرام بہادر بھی ہوتے ہیں اور معصوم بھی۔ آپ انبیاء علیہم السلام کے احوال پر نگاہ ڈالئے جو نبی بھی دنیا میں تشریف لاتا ہے، اس کے ایک ہاتھ میں الہام الٰہی کی کڑکتی ہوئی بجلیاں ہوتی ہیں۔ اور دوسرے ہاتھ میں تلوار۔ وہ کاشانۂ باطل پر برق بن کر گرتا ہے۔ اس کے جلو میں سمندروں کا شور اور طوفانوں کا زور ہوتا ہے۔ اس کی رفتار فرماں رواؤں کا دل دھڑکا دیتی ہے۔ اس کی ایک للکار سے کائنات کا دل دہل جاتا ہے۔

شاہ جیؒ سے جیل میں ملاقات

◉ ...... ابن امیر شریعت سید ابوذر بخاریؒ فرماتے ہیں:

1953ء کی تحریک ختم نبوت میں جب اباجی قید تھے تو کئی مہینوں کی کوشش کے بعد ملاقات کی اجازت ملی۔ تینوں چھوٹے بھائی عطاء المحسن، عطاء المومن، عطاء المہیمن اور میں ابوالکفیل کے ساتھ سکھر اباجی سے ملنے گئے۔ ان کو تو جیل کے اندر جانے کی اجازت نہ دی گئی کہ "داماد اہل خانہ میں شامل نہیں" وہ باہر کھڑے رہے۔ ہم چاروں بہن بھائی جیل کے پھاٹک

پر کھڑے تھے کہ سامنے ہشاش بشاش اباجی آتے دکھائی دیئے۔ ابوالطفیل تو باہر کھڑے صرف مصافحہ ہی کر سکے۔ سنتری نے تالا کھولا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ ڈیوڑھی میں ہی سیڑھیاں تھیں۔ اباجی ہمارے ساتھ ہی اوپر آ گئے۔ کمرے میں ایک لمبا میز اور کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک پر جیلر بیٹھ گیا، ایک پر اباجی اور باقی پر ہم۔ گھر کا حال احوال پوچھا، بھائیوں سے تعلیم کا پوچھا۔ نصیحتیں کیں۔ اباجی نے جیلر سے پوچھا کہ داماد کو ملاقات کی اجازت کیوں نہیں۔ وہ کہنے لگا ''داماد'' کیا ہوتا ہے؟ عطاء المحسن سلمہٗ نے کہا ''سن ان لاء'' تو پھر اس نے قانونی مجبوری بیان کی۔ پون گھنٹہ کے قریب ہم بیٹھے۔ حبس، تپش، خراب آب و ہوا، ناقص غذا اور اسی قسم کی دیگر ابتلاؤں کے سبب صحت بہت دگرگوں تھی۔ بالخصوص چہرہ اور سینہ پھوڑوں پھنسیوں سے بھرا ہوا تھا۔ مگر اباجی نے اپنی کسی تکلیف کا ذکر تک نہیں فرمایا۔ پھر وہ ہمارے ساتھ ہی سیڑھیاں اترے اور اتنی بات کہی کہ رات رکنا مت۔ شاید آج ہی چاند ہو جائے۔ شعبان کی اس دن انتیس تھی اور پھر ہم تو سلاخوں سے لگے انہیں جیل کے اندر جاتا دیکھتے رہے۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اور رہ عشق محمد ﷺ کے مسافر پیچھے مڑ کر دیکھا بھی کب کرتے ہیں۔ [1]

انسان یا چٹان

راقم الحروف کو یہ واقعہ شاہ جیؒ نے خود سنایا تھا۔ فرمایا ایک دفعہ جالندھر قادیانیت کے خلاف تقریر کر رہا تھا۔ اچانک کسی مخالف نے شہد کی مکھیوں کے چھتے کو چھیڑ دیا۔ فرمایا شہد کی مکھیوں کا ایک مکمل نظام ہے۔ وہ اس نظام اور اپنے سردار کے تحت کام کرتی ہیں۔ فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ مکھیوں کا سردار آگے آگے میری طرف تیزی سے آ رہا ہے اور پیچھے پیچھے مکھیوں کا لشکر۔ وہ آتے ہی میرے ابروؤں کے درمیان بیٹھ گیا اور ساتھ ہی تمام لشکر نے میرے چہرے پر ڈیرہ جما لیا۔ اسی اثناء میں، میں نے دیکھا کہ بعض لوگ اٹھ کر بھاگنے لگے۔ میں فوراً للکارا کہ خبردار! کوئی اٹھنے نہ پائے۔ فرمایا مجھے معلوم تھا کہ یہ بھاگتے کے پیچھے بھاگتی ہیں۔ اس لئے روک دیا کہ میں تو تختہ مشق بن چکا ہوں لوگ بھی ساتھ مارے نہ جائیں۔ فرمانے لگے کہ میرا چہرہ گرم ہوتا گیا۔ مجھے ان ڈنگ مارنے کا کچھ احساس نہیں تھا۔ صرف ایک مکھی نے کہیں میری آنکھ کے کونے

1۔ ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' امیر شریعت نمبر، حصہ اول، ص 282

میں ڈنگ مارا تو مجھے سوئی لگنے کی سی چبھن محسوس ہوئی مگر میں اپنی جگہ پر جم کر کھڑا رہا۔ بالآخر لوگوں نے سعی کر کے مجھے وہاں سے بچ بچا کر ساتھ لیا۔ کئی دن میرے چہرے کا ورم نہ گیا۔ کئی سیروں تو برف کوٹ کوٹ کر میرے چہرے پر رکھی جاتی تھی۔ فرمایا مجھے ایک خطرہ تھا کہیں میری بینائی کو نقصان نہ پہنچا ہو۔ جب ذرا میری آنکھیں کھلیں تو مجھے روشنی نظر آئی، میں نے شکر کیا۔[1]

دربارِ رسالت ﷺ کا حکم

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دفعہ حضور سرور کائنات ﷺ کی زیارت ہوئی اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ طیبہ سے میری زیارت کے بعد پاکستان چلے جانا (کیونکہ حضرت کا ارادہ تھا کہ بقایا عمر دیار حبیب میں ہی گزاروں) وہاں میری ختم نبوت پر کتے لپکے ہوئے ہیں۔ تم بھی اس کی حفاظت کرو اور عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو میرا سلام پہنچا کر کہہ دینا کہ وہ اسی کام پر ڈٹا رہے۔

چنانچہ حضرت درخواستیؒ مدینہ طیبہ سے پاکستان واپس تشریف لائے تو بجائے خانپور کے ملتان شریف لے آئے اور شاہ جیؒ کو رحمت دو عالم ﷺ کے سلام پیش فرمائے۔ تو شاہ جیؒ زارو قطار رونے لگ گئے۔ کافی دیر رونے کے بعد فرمایا درخواستی صاحب گواہ رہنا۔ جب تک زندہ رہوں گا قادیانیت کا مقابلہ کرتا رہوں گا۔ کا جب یہ پیغام ملا تو کچھ عرصہ کے بعد دہلی دروازہ لاہور شاہ جیؒ کی ختم نبوت کے موضوع پر تقریر ہوئی۔ تقریر کے دوران میں ایک بار والہانہ جھوم کر فرمایا میں تو پہلے ہی اللہ کے فضل سے باز آنے والا نہیں تھا مگر اب تو ''سوہنے'' یعنی محبوب کا پیغام آ گیا ہے۔ ہاں ہاں میرا سب کچھ ختم نبوت کی حفاظت پر قربان ہو جائے گا تو پرواہ نہیں۔

---

1 ''بخاری کی باتیں ص'' 46' 47 مصنف سید امین گیلانی

اقلیم خطابت کا فرمانروا

حضرت شاہ صاحبؒ عوامی خطابت کی اقلیم کے فرمانروا ہیں ۔ آپ کی زبان کا لوچ، اسلوب کی دل کشی ۔ خیالات کی پختگی، روانی کا بہاؤ ۔ ظرافت کا شستہ پن، حاضر جوابی کی شوخی، تمثیلات کا قرآنی رنگ ۔ بیان کی سحر کاری ...... نہ صرف اردو خطابت کے لئے بے مثال ہے ۔ بلکہ عصرِ حاضر میں عدیم النظیر بنیادی وصف یہ ہے ۔ کہ وہ مجمع کے ذہنوں کو اکائی میں بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں ۔ اور بقول برو ایک خطیب کا منتہائے کمال یہ ہے کہ وہ جس حد تک سامعین کو اپنا ہمنوا بنا سکتا ہے ۔ اسی درجہ کا وہ خطیب تسلیم ہوتا ہے شاہ جی کے بیان کی ایک اور خوبی یہ بھی ہے ۔ کہ وہ آنسوؤں کے تاگے میں قہقہوں کے پھول پرو دیتے ہیں ۔ اور قہقہوں کے رشتہ میں آنسوؤں کے موتی اور بقول اقبالؒ ان کی خطابت کا خلاصہ یہ ہے کہ

گہے گریۂ او چوں ابرے بہارے
گہے خندۂ او چوں تیغِ اصیلے

◉ ...... شیخ حسام الدین لکھتے ہیں:

ایک سنجیدہ خطیب

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اُنہی دنوں، حالات کے اُفق پر حضرت سید عطاء اللہ شاہ

بخاریؒ کی شخصیت اُبھری......اور نکھرتی چلی گئی۔ ان دنوں میں نے شاہ جیؒ کو محلہ وار مجالس میں سنا تو ان کے دین و دانش کی کشش نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا۔ اُس دور کے مناظروں میں اشتعال انگیز گفتگو اور حزب مخالف پر سب و شتم کو مناظرے کا ایک حصہ شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن شاہ جی جس متانت، سنجیدگی۔ استدلال اور منطق کو پیرایۂ اظہار میں لاتے تھے۔ وہ انہیں کا حصہ تھا۔ اور دین و مذہب کے معاملے میں اُن کے علم کی وسعتوں کا آج بھی خیال آتا ہے۔ تو حیرت ہوتی ہے۔ کہ کیا کیا خوبیاں اور کیسے کیسے کمالات تھے۔ جن سے فطرت نے بخاریؒ کی شخصیت کو آراستہ کیا تھا۔

مرزا محمود کو بھگا کر اسٹیج پر قبضہ کر لیا

ذہنی طور پر تو میں شاہ صاحب کے خیالات کی گرفت میں آ چکا تھا......لیکن عملی طور پر ابھی تک اُن کے قرب کی سعادت مجھے نصیب نہ ہوئی تھی کہ غالباً 1920ء میں قادیانیت کی لہر ایک نئی کروٹ کے ساتھ حالات پر اثر انداز ہونے لگی۔ امرتسر کے ''بندے ماترم ہال'' میں ایک جلسے کا اہتمام ہوا جس میں مرزا بشیر الدین محمود کو شریک ہونا تھا۔

چنانچہ پولیس کا انتظام بھی بے حد وسیع تھا۔ لوگ بڑی تعداد میں جمع تھے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ لیکن مرزا بشیر الدین محمود کے لئے چائے کا انتظام تھا۔ وہ سٹیج کی اوٹ میں چائے نوشی کا لطف اٹھانے لگے۔ اُن کی اس حرکت سے لوگوں میں بڑی سرگوشیاں ہونے لگیں۔ بلکہ ان میں ایک نفرت سی اُبھرنے لگی۔ خیر اجلاس کا آغاز ہوا۔ مرزا صاحب میر محفل بنے بیٹھے تھے۔ ایک مبلغ روشن دین نے تلاوت قرآن شروع کی۔

اچانک پچھلی صفوں میں ایک ہنگامہ سا برپا ہوا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ صفیں چیرتے ہوئے دیوانہ وار اسٹیج کی جانب لپک رہے تھے۔ اُن کے چہرے پر جلال کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ از خود اُن کے لئے راستہ بناتے گئے۔ جب وہ سٹیج سے کچھ ہی فاصلے پر تھے۔ تو اُن کی آواز کا شعلہ فضا میں لپکا اور یہ الفاظ گونجنے لگے:

''ٹھہرو'' تم قرآن پاک کی غلط تلاوت کر رہے ہو۔ خدا کے خوف سے ڈرو۔''

مرزا بشیر الدین محمود کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اتنے میں پولیس اسٹیج کے

قریب آ گئی اور مرزا صاحب کو گھیرے میں لے لیا۔ لوگوں میں ایک افراتفری سی پھیل گئی۔ نعرۂ تکبیر گونجنے لگے اور آن کی آن میں تمام جلسہ تتر بتر ہو گیا۔

شاہ صاحب کی یہ جرأت اُن کے جذبہ ایمان کی ایک ایسی روشن اور واضح دلیل ہے۔ کہ اس کے بعد اس پہلو پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے واقعات کو معرضِ تحریر میں لانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ 1

سانحہ جلیانوالہ باغ

امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا سانحہ پیش آیا۔ تو انگریزوں نے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اس دور میں مارشل لاء کے نفاذ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں میں آزادی کی لگن کچھ اور بڑھ گئی۔ اور اندر ہی اندر ایک حرارت انگریزوں کے خلاف ایک نفرت کی شکل اختیار کرتی گئی۔ آخر ستر دن کے بعد مارشل لاء ختم ہوا...... تو راہنماؤں نے انگریز کے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور اس شدت سے مصروف عمل ہوئے کہ جلیانوالہ باغ میں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے اور پھر مارشل لاء کی قدغن لگانے والے لیفٹیننٹ جنرل گورنر ''سر مائیکل اڈوائر'' کو رخصت ہونا پڑا۔ برطانوی استبداد کے یہ تماشے شاہ جی کے دل میں انگریز کے خلاف نفرت کا ایک ایسا بیج بوتے رہے کہ وہ زندگی کے آخری ایام میں بھی یہ کہا کرتے کہ۔ انگریز کی فطرت کا خمیر، سانپ کے زہر سے اٹھایا گیا ہے۔ اور اپنی غذا کے لئے اُسے انسانی خون کی جو چاٹ پڑی ہے۔ مشکل سے چھوٹے گی۔

مذکورہ مارشل لاء کے بعد ہندو مسلم اتحاد نے نئے خطوط وضع کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر 1919ء میں منعقد ہوا۔ جس میں علی برادران، ڈاکٹر کچلو، مسز سروجنی نائیڈو، مفتی کفایت اللہ، علامہ اقبالؒ، مولانا حسرت موہانی، پنڈت نہرو ڈاکٹر انصاری اور دیگر بہت سے راہنمایان وطن جمع ہوئے اس اجلاس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی اسٹیج کے ایک کنارے ہمہ تن گوش بیٹھے تھے۔ اُن دنوں گو شاہ جی کا دائرۂ عمل دینی تبلیغ کی حدود سے باہر نہیں تھا۔ لیکن ملک کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر ان پر سیاسی رنگ چڑھ رہا تھا۔ اور

1۔ روزنامہ آزاد لاہور امیر شریعت نمبر ص 5

وقت کو جو عظیم خدمت شاہ جیؒ سے مقصود تھی ۔ حالات اُنہیں اس کے لئے از خود تیار کر رہے تھے ۔ بلکہ دین اور سیاست کی ہم آہنگی کا تصور اُن کے دل میں جواں ہو رہا تھا۔

چنانچہ خلافت کانفرنس کے عہد میں مولانا داؤد غزنوی کی وساطت سے شاہ جی نے سیاسیات کے میدان میں قدم رکھا...... میں بھی ان دنوں عملی طور پر سیاست سے وابستگی اختیار کر چکا تھا۔ بلکہ اس جگہ اس امر کا اعتراف کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں کہ مجھے سیاست کے میدان میں لانے کے لئے ہر چند کہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کا بڑا ہاتھ تھا۔ لیکن سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خطابت کی کشش بھی دراصل اسی کی بنیاد تھی ۔ مجھے برسوں تک شاہ جیؒ کی رفاقت کا فخر حاصل رہا ہے۔ میں ہمیشہ ان کی شخصیت کا بڑے غور سے مطالعہ کرتا رہا۔ اور ہر مرتبہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اُن جیسا بیدار مغز، صاحب ایمان عالم دین، خطیب خوش گفتار اور اسلام کا شیدائی پھر پیدا نہیں ہو سکتا۔ ان کی عالی ظرفی کا اندازہ کیجئے کہ میرا کئی مرتبہ سیاسی مسائل پر اُن سے اختلاف بھی ہوا...... بات کے مختلف پہلوؤں پر گرما گرم بحثیں بھی ہوئیں۔ مگر...... اس قسم کے حالات ساون کے بادلوں کی طرح گزر گئے۔ شاہ جی کے مزاج اور میرے ساتھ برتاؤ میں کبھی فرق نہ آیا۔ وہ اپنے طرز عمل سے ایک مجھی کو کیا بلکہ ہر دوست دشمن کو اپنا گرویدہ بنا لینے کا کچھ ایسا ڈھنگ جانتے تھے کہ...... اس دور کے لوگوں میں وہ بالکل ناپید ہے بلکہ آئندہ بھی اس قسم کی صفات کی جھلک کسی انسان میں مشکل سے دیکھنے میں آئیں گی۔

مجلس میں جماعتی انتخابات کے موقعہ پر وہ کہا کرتے تھے کہ:

"بھائی! انتخاب ووٹوں کی اساس پر نہ کیا کرو۔ بلکہ مسائل اور ضروریات کی روشنی میں ذمہ داریاں سنبھال لیا کرو۔

چنانچہ مجلسِ احرار کے زمانے میں انہوں نے احرار زعما کے اندر ایک ایسی روح پھونک دی تھی ۔ کہ وہ کام اور خدمت قوم کی لگن میں جماعتی انتخابات کی سطح سے بلند و بالا رہنے کے عادی ہو گئے تھے ۔ چنانچہ اسی نظریئے کے تحت 1931ء میں مجھے مجلس احرار کا صدر بنایا گیا۔ حالانکہ میں (جونیئر موسٹ) تھا۔ لیکن وقت کی ضرورت کے پیش نظر ہم میں اختلافات کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی میں مسلسل آٹھ برس تک صدر رہا۔ پھر جب پاکستان بنا تو۔ ماسٹر تاج

الدین انصاریؒ نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔

مجلس احرار کی صدارت کے زمانے میں شاہ جی نے ہمیشہ سیاسی، مذہبی، دینی اور ملی مسائل کو حل کرنے میں در پردہ میری ایسی رہنمائی کی ...... کہ ان کرم فرمائیوں کے سلسلے میں شاہ جی کی روح کو میں جس قدر خراجِ تحسین ادا کروں کم ہے۔ میں نے شاہ جیؒ کے ساتھ اپنی سیاسی زندگی میں کئی مرتبہ قید و بند کے مراحل بھی طے کئے۔ لاہور، راولپنڈی اور ملتان کی جیلوں میں بہت سے لیل و نہار ہم نے ایک ساتھ بسر کئے۔ جیل کی دنیا میں بھی میں نے شاہ جیؒ کے مزاج کی اُن خوبیوں کو پژمردہ نہیں دیکھا۔ جو ان کی شخصیت کا ایک حصہ تھیں۔

تکالیف پر مسکراہٹیں نچھاور کرنا تو گویا ان کا ایک مشغلہ بن گیا تھا۔ اور بے خوف اتنے کہ فرائض کی بجا آوری کے لئے، نتائج کی پروا کئے بغیر ہر مقام پر اور ماحول میں دشمنوں سے ٹکرانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے۔ اور خاص طور پر عشق رسول ﷺ کے معاملے میں تو ان کے جذبات کی مثال اس دنیا میں ملنا ہی ناممکن ہے۔

اپنوں، پرائیوں میں میں نے شاہ جی کا جو احترام دیکھا اُس کے پیشِ نظر کہہ سکتا ہوں کہ اگر سیاست کی وادیوں میں قدم نہ بھی رکھتے تو پیری مریدی کے میدان میں دو بڑی شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اور دنیاوی آسائشیں اور راحتیں ان کا اوڑھنا بچھونا بن سکتی تھیں۔ لیکن انہوں نے فقر اور درویشی کا ایسا شعار اختیار کیا جس پر دنیاوی تکلیفوں کے باوجود وہ زندگی بھر فخر کرتے رہے۔

تقسیم کے فسادات نے افسردہ خاطر کر دیا

● ...... آغا شورش کشمیریؒ لکھتے ہیں:

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

1947ء کا ذکر ہے غالباً مارچ کا مہینہ تھا۔ عام فسادات پنجاب میں بھی پھوٹ چکے تھے شاہ جیؒ اس سے تو خوش تھے۔ کہ انگریزوں کے چل چلاؤ کا زمانہ ہے لیکن اس کا انہیں بہت ہی دکھ تھا کہ خون خرابہ بے قابو ہو چکا ہے وہ امرتسر سے لاہور چلے آئے اور دفتر احرار لاہور میں

مقیم ہو گئے۔ دن بھر محفلیں جمتیں گئی رات تک دربار لگا رہتا۔ عام عقیدت مند جمع ہوتے اور ان کے انوار سخن سے جھولیاں بھرتے لیکن ان دنوں ان کے چہرے پر ہنسی کے آثار بہت تھوڑے تھے۔

اس سے پہلے وزارتی مشن کے زمانے میں ہم کوئی دو ماہ دہلی میں اکٹھے رہے تھے اور وہ زمانہ اپنی بوقلمونیوں کے باعث تاریخ کا ایک یادگار حصہ تھا۔ میں نے شاہ جی سے عرض کیا کہ میری بعض یادداشتیں ادھوری ہیں اگر آپ اپنے خاندانی حالات پر روشنی ڈالیں تو یہ یادداشتیں مکمل ہو سکتی ہیں لیکن وہ طرح دے گئے ان کے نزدیک اس کی ضرورت ہی نہ تھی وہ تحریر کو ایک فتنہ سمجھتے اور اپنے اس عقیدے کو ہمیشہ دہراتے کہ جب سے حافظہ کی جگہ تحریر نے لے لی ہے نہ صرف انسان کو عقلی اعتبار سے ضعف پہنچا ہے بلکہ ہر طرف عجیب الخلقت تنازعوں کی آب و ہوا پھیل گئی ہے وہ عام لوگوں کی طرح اس دور کو ترقی کا دور نہیں کہتے بلکہ ان کے نزدیک یہ خسران کا دور ہے اور تحریر اس خسران کی پیچ دار بنیادوں میں سے ایک......!

"بھائی میرے حالات لکھ کر کیا کرو گے؟ مولانا ابوالکلام آزاد نے تذکرہ میں ابو طالب کلیم کی زبانی اپنی ہی نہیں، ہماری بھی سرگزشت لکھ دی ہے۔"

دور دور تک آگ لگی ہوئی دیکھ رہا ہوں

جس زمانے میں خضر وزارت کے خلاف بلاناغہ احتجاجی جلوس نکل رہے تھے ان جلوسوں میں زبان خلق کی ساری خصوصیتیں جمع ہو گئی تھیں شاہ جی مغرب کے وقت دفتر کے چھجے میں آ کھڑے ہوتے ان مظاہروں کا نظارہ کرتے اور جب بے قابو نوجوانوں کی آوازیں شفق میں گھلنے لگتیں تو سرد آہ بھرتے اور کہتے: وہ شورش! مجھے صاف نظر آ رہا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ دور دور تک آگ لگی ہوئی ہے، مکان جل رہے، دکانیں لوٹی جا رہی اور قزاق عصمتیں اڑائے سرپٹ دوڑ رہے ہیں۔ ماں بیٹے کو چھوڑ چکی، باپ بیٹی کو ہار چکا ہے۔ چاروں طرف قیامت کا صور پھک گیا ہے۔ پھر ایکا ایکی ملنگوں کے انداز میں نعرہ گونجانے لگتے۔

"کر دے چٹیل میدان مولا، کر دے چٹیل میدان" لعنت بر پدر فرنگ اور فرنگ پر خاص زور دیتے۔ تبری کی یہ آواز کبھی کبھار شاہ محمد غوث کی مسجد سے اٹھتی ہوئی آذان سے جا ٹکراتی نیاز مند شاہ جی کے اس قلندرانہ نعرے پر مسکراتے اور آپ جھنجھلا کر فرماتے:

میاں آج ہنستے ہو کل روؤ گے، تم نہیں دیکھ سکتے ، میں دیکھ رہا ہوں جو کچھ بیت رہا اور جو کچھ بیتنے والا ہے۔ ایک وبا پھوٹ چکی ، ایک وبا آرہی ہے تب ان کی زبان پر قرآن مجید کی آیتیں جاری ہو جاتیں ، ان کی قرأت میں گداز پیدا ہو جاتا۔ ان کے لحن میں آنسو آجاتے اور ہم تھے کہ ان کا منہ تکا کرتے ۔ ہمارا وجدان شہادت دیتا کہ فقیر غلط نہیں کہہ رہا ہے لیکن عقل سپر انداز ہونے سے انکار کرتی۔

''ہاں بھائی انگریزوں کا مفاد اسی میں ہے کہ بستیاں کوئلہ ہو جائیں ، لوگ قتل ہوں۔ آخر جانے سے پہلے فرنگی بابا آزادی کی قیمت لے کر ہی جائے گا۔ تم نے آزادی مانگی تھی یہ لو آزادی؟ یہ اس کی پہلی قسط ہے''۔

سیاست کا معنی مکر

''ہاں میں جانتا ہوں ، سیاست کے معنی ہیں مکر ، کلام اللہ میں بھی یہی معنی بیان ہوئے ہیں۔ میں نے لفظ سیاست سے زیادہ کوئی لفظ نہیں دیکھا۔ یہ خدع وفریب کے ایک ایسے اجتماعی کاروبار کا نام ہے جس سے بابو لوگ اغراض کی دکان چمکاتے ہیں''

اور میں جی ہی جی میں سوچ کر چپ ہو رہتا ع

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو عام حالات میں یہ باتیں بے وزن تھیں۔ جس شخص کی نصف زندگی خود سیاست میں گذری ہو پھر جس نے قبرستانوں میں آذانیں دی ہوں ۔ اس کا سیاست کے بارے میں یہ ذہن ایک لطیفہ تھا۔ موڈ کے آدمی تھے کبھی یہ سوچنے کی مہلت ہی نہ دیتے تھے کہ انہوں نے عصری تحریکوں کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں؟ ان کے نزدیک ہر چیز کا ایک ہی ترازو تھا اور وہ تھا قرآن مجید ، اسوہ رسول ، سیرۃ صحابہؓ اور علمائے امت کا فہم وتدبر۔ ان ائمہ اربعہ کے سوا جن کی فقہ چلتی ہے وہ کسی جدید فقہ کے قائل نہ تھے ان کا واحد معیار اسلاف تھے۔ اس دور کی بیشتر تحریکیں ان کے نزدیک ذہنی بدکاری تھیں۔ اور آہ ہم میں سے یہ باکمال جاتا رہا۔[1]

---

1 ہفت روزہ چٹان لاہور

بخاریؒ! ایک رضا کار

◉ میانوالی کے محمد گل شیر خان واقعہ سناتے ہیں:

صبحدم وہ بھی نہ چھوڑی، تو نے اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک!

کسی مفکر نے خوب کہا ہے کہ اعتراف عظمت کے لئے باعظمت انسان کا ہونا ضروری ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسی ہستی پر مجھ ایسے نالائق طالب علم کا قلم اٹھانا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے لیکن ایسی برگزیدہ ہستی کا ذکر بھی میری رائے میں سعادت سے کسی صورت کم نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی ہستی میں ایک انجمن تھے فقیری میں امیری کرتے تھے۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ تمام عمر رضا کار ہی رہے۔

ذیل کے واقعہ سے تو اور واضح ہو جاتا ہے۔ کہ آپ قوم کے محبوب رہنما کے ساتھ ساتھ رضا کارانہ جذبے سے سرشار رہتے تھے۔

فروری ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے آغاز سے تین چار روز پہلے آپ مسلمانانِ میانوالی کی دعوت پر میانوالی تشریف لے آئے۔ جس گاڑی پر آپ نے آنا تھا۔ وہ عشاء کی نماز کے وقت آتی تھی۔ سٹیشن پر مقامی احباب آپ کے منتظر تھے میں بھی ایک تماشائی کی صورت میں سٹیشن پر جا نکلا۔ گاڑی وقت پر آئی۔ دیکھا۔ تو ایک تھرڈ کلاس کے ڈبہ سے یہ عظیم رضا کار اکیلا اپنے کمرے سے باہر سامان نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ نہ کوئی خادم ساتھ ہے اور نہ کوئی اور ساتھی۔ بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ اسے کسی اور ساتھی کی ضرورت ہی نہیں۔ حالانکہ عام طور پر عام لیڈروں کے ساتھ بھی ایک دو خادم ضرور ہوتے ہیں۔ یہ صورت دیکھ کر معاً میرے دل میں یہ خیال آیا۔ کہ یہ وہ عظیم رضا کار ہے۔ جو گلستانِ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے اوقات کی قیود سے آزاد ہے۔ عمر کا تقاضا اس پر بے اثر ہے۔ سوائے اللہ کے اس کی اپنی ذات کسی کی

محتاج نہیں۔ مقامی ساتھی آگے بڑھے۔ اور جائے رہائش پر انہیں لے آئے۔

دوسرے دن ٹھیک ڈیڑھ بجے ظہر کی نماز کے بعد جلسے کا آغاز ہوا۔ مولانا درخواستی صاحب بھی موجود تھے۔ آپ نے مخصوص خطیبانہ انداز سے خطبہ فرمایا۔ اور اپنے مضمون پر سیر حاصل تقریر کی دورانِ تقریر یہ شعر پڑھا۔

میر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے

پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

اس وقت کسی کے ذہن میں یہ بات بھی نہیں آسکتی تھی کہ واقعی بخاریؒ کی میانوالی میں یہ آخری تقریر ہے۔ لیکن بعد میں یہ حقیقت بن کر ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس کے بعد میانوالی میں بخاریؒ کی تقریر سننا ہمیں نصیب نہ ہوئی۔

آپ کی یہ تقریر تاریخی تھی۔ آپ نے دوران تقریر میں مولانا درخواستی صاحب کے ترک وطن اور استخارے کا واقعہ نہایت دردناک انداز سے فرمایا۔ جن سے مجمع میں ایسا رقت آمیز سماں پیدا ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ مجمع تڑپ کر رہ گیا۔[1]

آپ کا شمع رسالت سے عشق اور چمنِ ختم نبوت کی حفاظت کے عزم کے اظہار نے سامعین پر ایسی کیفیت طاری کی۔ کہ ہر شخص ختم نبوت کی مے سے سرشار نظر آنے لگا۔ تقریر کے بعد جب آپ واپس قیام گاہ پر تشریف لائے۔ تو ڈاکیہ ایک تار لے آیا۔ تار کا مضمون یہ تھا۔

عطاء اللہ شاہ بخاریؒ آپ اولین فرصت میں کراچی پہنچیں۔ **صدر مرکزیہ**

تار ابھی پڑھنے والے کے ہاتھ میں تھا۔ کہ آپ نے سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ دیگر ساتھیوں کے علاوہ ضلع جماعت کا صدر بھی آپ کے پاس کھڑے تھے۔ آپ سامان بھی باندھ

1۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی ہجرت کی نیت سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ خواب میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ فرمایا ''عبداللہ کیا کرنے آئے ہو۔'' عرض کی آقا بقیہ زندگی آپ کے جوار اور ہمسائیگی میں گذارنے کے لئے آیا ہوں فرمایا تمہارے ملک میں کتے میری ختم نبوت کو بھونک رہے ہیں اور تم یہاں آگئے ہو فی الفور واپس جا کر قادیانیت کا مقابلہ کرو۔ نیز فرمایا میرے نواسے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو سلام کہنا اور کہنا کہ ڈٹ کر قادیانیت کا مقابلہ کرتا رہے۔ (مندرجہ بالا جملہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔)

رہے تھے اور ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے۔ کہ پروگرام کے مطابق مجھے ڈیرہ غازیخان جانا تھا۔ لیکن صدر مرکز یہ کا حکم کراچی کے لئے ہے۔ کیا کروں رضا کار ہوں۔ تعمیل حکم ضروری ہے رضا کار کا کام تعمیل ارشاد ہوتا ہے۔ پروگرام کی تبدیلی کی اطلاع ڈیرہ غازی خاں بھجوادی گئی۔

آپ کے اس عظیم کردار سے دیکھنے والے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آپ سامان کے ساتھ اسٹیشن کی طرف جارہے تھے تو میرا دل گواہی دے رہا تھا۔ کہ واقعی یہ مرد درویش جہاں ملک کا اتنا بڑا خطیب ہے۔ وہ ایک عظیم رضا کار بھی ہے۔ دوسرے تیسرے روز اخبارات میں یہ خبر آئی۔ کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کراچی میں اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ صبح چار بجے جلسہ سے فارغ ہونے کے بعد گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

جہاں آپ کے کردار کے دیگر کئی پہلو نمایاں ہیں وہاں یہ بھی پہلو روشن اور تاباں ہے کہ آپ ایک عظیم رضار تھے۔ آپ کی شخصیت کا اثر اس علاقہ کے دین دار اور دردمند عوام پر ایسا ہے۔ کہ جب کبھی آپ کا نام ان کے سامنے آجاتا ہے۔ تو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں ؎

محبت رہے گی عقیدت رہے گی
زمانے کو تیری ضرورت رہے گی 1

1 ”لولاک“ لائل پور ۲۸ / اگست ۱۹۶۴ء

باب دوم
پاکستان اور شاہ جیؒ
قیام پاکستان سے پہلے نظریات
قیام پاکستان کے بعد شاہ جیؒ کا موقف
پاکستان امیر شریعتؒ کی نگاہ میں
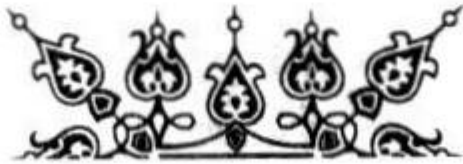
قیام پاکستان سے پہلے کے نظریات

تحریک پاکستان کے دوران آپ کا کیا موقف رہا۔ اور پاکستان کے قیام کے بعد آپ نے کیا موقف اختیار کیا۔

چنانچہ پروفیسر زاہد منیر عامر لکھتے ہیں:

چونکہ اس باب کا تعلق امیر شریعتؒ کے پاکستان کے متعلق اس کے قیام سے پہلے کے نظریات و خیالات ہیں اس لئے ابتداء ہی میں ان کا کانگرس سے تعلق خود کانگرس کے جنرل سیکرٹری کے الفاظ میں پیش کر دیا جائے اچاریہ کرپلانی [1] کے الفاظ جو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور شیخ حسام الدین سے کہے گئے۔

"لیگ سے ہماری لڑائی محض سیاسی حقوق اور ان کے تعین و تقسیم کی لڑائی ہے جس کا بہر حال کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا لیکن مجلس احرار اور جمعیت علماء ہند کی ہمنوائی ہمارے لئے سخت خطرناک ہوگی۔ یہ لوگ زندگی کے ہر پہلو میں ہم سے مختلف ہیں ان کے لباس ان کے عمل، ان کی زبان ان کی نظر غرض ہر چیز میں پاکستان موجود ہے۔ ان سے مصالحت کے بجائے ہم مسلم لیگ سے مفاہمت کر لیں تو کہیں بہتر ہوگا۔" [2]

اس ایک بیان سے جو کہ ایک نظریاتی دشمن کا ہے احرار کے کردار کا بخوبی اندازہ لگایا

---

1 اچاریہ کرپلانی مشہور ہندو لیڈر کانگرس کے جنرل سیکرٹری تھے مارچ 82ء میں ان کا انتقال ہوا۔

2 بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل از شورش کاشمیری ص 313

جا سکتا ہے۔ امیر شریعتؒ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے مسلم لیگ کے نظریہ تقسیم سے ضرور اختلاف کیا مگر انہوں نے آزادیٔ ہند سے تو کبھی اختلاف نہیں کیا۔ انگریز سے آزادی کے حصول کو تو وہ ہمیشہ اپنی حیات مستعار کا مقصد اوّلین بنائے رہے۔ ایک دیانت دار مورّخ کا فرض ہے کہ وہ تصویر کے دونوں رُخ پیش کرے تا کہ قاری کے سامنے حقیقت واضح ہو جائے۔ امیر شریعتؒ کا ملک کی تقسیم کے بارے میں مسلم لیگ کے مقابل جو نظریہ تھا اسے میں من وعن بلا تبصرہ پیش کر رہا ہوں۔

> ''متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ مسلم اکثریت اور اقلیت والے صوبوں میں انہیں آبادی کے تناسب کے مطابق جداگانہ بنیاد پر نمائندگی کا حق ملنا چاہئے اور اسی طرح مرکز میں زیادہ سے زیادہ نمائندگی دی جانی مناسب ہے۔''[1]

اگر اس مضمون کو ذرا طول دیا جائے تو صورت حال یہ بنے گی۔ مسلم لیگ کے نزدیک ہندوستان کی نو کروڑ مسلمان اقلیت کے مسئلے کا حل پاکستان تھا۔ احرار کا اس سے سیاسی اختلاف تھا ان کے نزدیک یہ حل ہی نہ تھا وہ کہتے تھے کہ اس طرح 35 فیصد مسلمان جو ہندوستان میں رہ جائیں گے۔ ایک طاقت ور ہندو ذہن کا شکار ہوں گے اور جو مسلمان پاکستان میں ہوں گے یا پاکستان میں آئیں گے انہیں بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے مابین ہندوستان ہوگا کب تک دونوں حصے ایک حکومت کے تحت رہ سکیں گے ضرور جدا ہوں گے قائداعظم کے بعد پاکستان میں لیگ کی صفوں سے کسی فعال لیڈر شپ کا ملنا اور اٹھنا محال ہے۔ ملک جذبات سے کہیں زیادہ حقائق پر چلتے ہیں جو مسئلہ آج لیگ اور کانگرس کا ہے وہ کل پاکستان اور ہندوستان کا ہو جائے گا۔ عجب نہیں کہ دونوں ملک بین الاقوامی طاقتوں کا مہرہ بن جائیں اور ان کی باہمی چپقلش سے دونوں مملکتوں کے سر پر ہر لحظہ جنگ کا خوف مسلط ہو۔''[2]

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مجلس احرار کا نقطہ نظر جو تقسیم کے

1۔ جب اپنا لہو صحن گلستان میں رواں تھا۔ از نور الحق قریشی ص 621۔

2۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ از شورش کاشمیری ص 268

بارے میں تھا اس کے متعلق یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تاریخ نے اس نظریہ کو مغلوب کر دیا اور اپنے نظریہ کے بارے میں حضرت امیر شریعتؒ نے نہایت وسیع القلبی اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قیام پاکستان کے بعد لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"تم میری رائے کو خود فراموشی کا نام نہ دو میری رائے ہار گئی اور اب اس کہانی کو یہیں ختم کر دو۔"

اور جہاں تک حضرت امیر شریعتؒ کے اس تجزیئے کا تعلق ہے جو انہوں نے لیگ کے طریق کار کے متعلق فرمایا تو تاریخ نے اسے حرف بحرف سچ کر دکھایا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"جو 35 فیصد مسلمان بھارت میں رہ جائیں گے وہ ایک طاقت ور ہندو ذہن کا شکار ہوں گے۔"

تو کیا گذشتہ چھپن برس کی تاریخ گواہ نہیں کہ ہندوستان میں آئے دن مسلمانوں پر ہندو مسلم فساد کی صورت میں عتاب نازل نہیں ہو رہا گویا کہ حضرت امیر شریعتؒ نے آج سے ساٹھ سال قبل جو فرمایا وہ درست تھا۔ اور اب تاریخ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے جو مسلمان پاکستان میں آئیں گے انہیں بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی تو کیا اگست 1947ء کو ہونے والے فسادات نے دُنیا کو دکھا نہیں دیا کہ ہم نے آزادی کی کتنی بڑی قیمت ادا کی۔

"قائد اعظم کے بعد مسلم لیگ کی صفوں سے کسی فعال لیڈر شپ کا اٹھنا اور ملنا محال ہے۔"

تو یہ بات بھی 11 ستمبر 1948ء کو قائد اعظم کی وفات کے بعد کے واقعات سے ثابت ہو گئی کہ ان کے بعد پاکستان کرسیوں کی جنگ میں اُلجھ کر رہ گیا اور یہ کہ:

"جو مسئلہ آج لیگ اور کانگریس کا ہے کل وہ ہندوستان اور پاکستان کا ہوگا۔ عجب نہیں کہ دونوں ملک بین الاقوامی طاقتوں کا مہرہ بن جائیں اور ان کی باہمی چپقلش سے دونوں مملکتوں کے سر پر ہر لحظہ جنگ کا خوف مسلط ہو۔"

پاکستان کے قیام کے فوراً بعد 1948ء میں ریاستوں کے مسئلہ پر لڑائیاں، کشمیر کی جنگیں، 1965ء کی جنگ، 1971ء کی جنگ اور آج کی ہمہ وقتی صورت حال اس پیش گوئی کی مظہر ہے۔ کہ کل جو مسئلہ کانگرس اور لیگ کا تھا آج وہی پاکستان اور ہندوستان کا ہے۔

علاوہ ازیں احرار اپنا نقطہ نظر آزادی کے متعلق اپنے قیام کے تھوڑا ہی عرصہ بعد واضح کر چکے تھے۔ 11/جولائی 1929ء لاہور کے حبیبیہ ہال لاہور میں احرار کانفرنس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی زیر صدارت منعقد ہوئی جس میں احرار نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا مذکورہ بالا کانفرنس میں آزادی کے متعلق احرار کی پالیسی بیان کرتے ہوئے مولانا مظہر علی اظہر نے فرمایا:

''ہندوستان کے لئے سیاسی واقتصادی آزادی حاصل کرنا ہمارا منتہائے مقصود ہونا چاہئے۔''[1]

مولانا مظہر علی اظہر نے آزادی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ احرار کس قسم کی آزادی چاہتے ہیں:

''ہم اب بھی آزادئ وطن کے لئے تہہ دل سے کوشش کریں گے لیکن ہماری کوششیں غریبوں، مظلوموں، مفلسوں اور ستم رسیدوں کی آزادئ، خوشحالی اور فارغ البالی کے لئے ہوں گی۔ ہم برطانوی حکومت اور سرمایہ داری کی جگہ ہندوستانی ملوکیت اور سرمایہ داری کو دے کر مطمئن نہیں ہو سکتے۔''[2]

مولانا مظہر علی اظہر کی اس تقریر سے حضرت امیر شریعتؒ اور احرار کا نقطۂ نظر خوب اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ امیر شریعتؒ اور مجلس احرار اسلام نے مسلم لیگ اور قائد اعظم سے سیاسی اختلاف کو کبھی بھی عداوت اور رنجش کا بہانہ نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ مسلم لیگ اور قائد اعظمؒ سے مفاہمت کی کوشش کی جیسا کہ 1936ء میں مجلس احرار کے مسلم لیگ سے مذاکرات سے ظاہر ہے۔

''مسلمانو! احرار اور جناح کے اتحاد سے پہلے اپنی اصلاح کی کوشش کرلو ورنہ شہید گنج کا کام ادھورا رہ جائے گا۔''[3]

اسی طرح ایک اور مقام پر بھی احرار نے کمال اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا یعنی 6/جون 1936ء کو قائد اعظم کشمیر سے واپسی پر لاہور ٹھہرے تو یونینسٹ پارٹی نے ان کی آمد پر سیاہ جھنڈیوں سے ان کا استقبال کرنا چاہا لیکن اس ارادے کی بروقت اطلاع علامہ اقبالؒ اور ان

---

1. احرار کانفرنس خطبات وقراردادیں ص 2

2. احرار کانفرنس خطبات وقراردادیں ص 7

3. روزنامہ انقلاب لاہور 5/مئی 1936ء

کے توسط سے مجلس احرار کو بھی ہوگئی اس پر احرار رضا کار چاق و چوبند ہو گئے۔ احرار کی تیاریاں دیکھ کر یونینیسٹ پارٹی نے اپنا یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اسی طرح تاریخ میں ایک موڑ ایسا بھی آیا جب احرار نے مسلمانوں کی نمائندگی مسلم لیگ کے سپرد کر دی۔ 23/ مارچ 1947ء کو حضرت امیر شریعتؒ کی صدارت میں احرار کی مجلس عاملہ کا اجلاس لاہور میں ہوا۔ جس میں حضرت امیر شریعتؒ رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی:

"مجلس احرار اسلام ہندو اکثریت کے مہیا کردہ شواہد و نظائر کی روشنی میں مسلمانوں کے باہمی سیاسی اختلاف کو پس پشت ڈالتے ہوئے مستقبل میں ملت اسلامیہ کی بقاء کے لئے متحد ہو جانے کی خواہش مند ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں کو جو مشترکہ خطرہ درپیش ہے اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے مشترکہ محاذ کا اعلان کرتی ہے"[1]

حضرت امیر شریعتؒ کا یہ فیصلہ جو احرار کی مجلس عاملہ نے کیا در حقیقت تاریخ کا ایک نہایت ہی مستحسن اور بڑا اقدام تھا۔ اس فیصلے سے چار سال پیشتر ہی مجلس احرار اپریل 1943ء میں حکومت الٰہیہ کی قرارداد کے بعد خود کو سیاست سے علیحدہ کر رہی تھی مگر اس فیصلے سے تو احرار نے مسلم لیگ اور دوسری مسلم جماعتوں سے اتحاد کی پیشکش کر کے گویا کہ تاریخ کو اپنے لئے مسخر کر لیا۔ احرار کے اس فیصلہ پر ہندو پریس اور ہندوؤں نے سب و شتم کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔

حضرت امیر شریعتؒ نے قائد اعظم سے اختلافات کو کبھی ذاتی حیثیت نہیں دی۔

ایک مرتبہ آپؒ سے کسی نے سوال کیا۔

شاہ جیؒ آپ کا جناح سے کیا اختلاف ہے؟

فرمایا! کوئی نہیں۔

وہ (سوال کرنے والا) تو پھر آپ ایک کیوں نہیں ہو جاتے؟

شاہ جی! بھائی میں تو ان کی کفش برداری کے لئے تیار ہوں لیکن میرے ذہن میں بعض کانٹے ہیں وہ یاد فرمائیں سر کے بل جاؤں گا۔ سمجھا دیا تو وہ آرام سے بیٹھیں ان کی لڑائی

1۔ سوانح قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ۔ از نور الحق قریشی ص 274

خود لڑوں گا۔ مگر وہ ہم سے بات ہی نہیں کرتے صرف بیعت چاہتے ہیں۔ مجمع دیہاتی تھا شاہ جیؒ نے قائداعظمؒ سے خطاب کرتے ہوئے کہا ع

میری گھگھری نوں گھنگھرو لوا دے
جے تو میری ٹور ویکھنی اے

حضرت امیر شریعتؒ کی طرف سے ہر وقت مفاہمت کا دروازہ کھلا رہا۔ مگر جب دوسری طرف سے سرد مہری ہو تو کوئی کیا کرے؟ **1944**ء میں ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"میں جناح کا بے حد احترام کرتا ہوں میری ان سے سیاسی لڑائی ہے ذاتی نہیں۔ آج میں آپ لوگوں کو گواہ بنا کر یہ بات کہتا ہوں کہ اپنی بات سمجھنے کے لئے اگر مجھے مسٹر جناح کے قدموں پر یہ سفید داڑھی بھی رکھنی پڑی تو خدا کی قسم میں اس سے گریز نہیں کروں گا لیکن ایک بات سمجھے بغیر ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر تیار نہیں ہو سکتا چاہے میری قوم میرے خلاف ہو جائے۔"[1]

1946ء کے انتخابات سے پیشتر اس قسم کے خیالات کا اظہار حضرت امیر شریعتؒ نے بارہا کیا اور ملک بھر میں کیا مگر قائداعظم نے اس کا کوئی جواب نہ دیا بالآخر **1946**ء کے انتخابات بھی گزر گئے مگر ع

واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

اوپر کے بیان سے شاہ صاحبؒ کے اخلاص کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے ہر طرح سے کوشش کی کہ کسی طرح انہیں پاکستان کا یہ فلسفہ سمجھا دیا جائے کہ کس طرح مشرقی اور مغربی پاکستان کو متحد رکھا جائے گا مگر لیگ کے رہنماؤں نے اسے درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اس تمام روئیداد کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت امیر شریعتؒ نے اگر پاکستان کے طریق قیام کی مخالفت کی تو اس میں نہ تو ان کا کوئی ذاتی مفاد تھا اور نہ ہی ان کی کانگرس سے کوئی ساز باز تھی۔ ان کا مقصد قوم کی فلاح تھا جسے وہ اپنے نظریہ کے مطابق بروئے کار لانا چاہتے تھے اگرچہ وقت نے ان کے نظریہ کو کامیاب نہ ہونے دیا مگر جب پاکستان بن گیا تو انہوں نے دل و جان سے اس سے محبت کی

1 حیات امیر شریعت ص 283

کیونکہ یہ اس کی گزشتہ تمام عمر کا ماحصل تھا کہ فرنگی استعمار اس سرزمین سے نکل گیا انہوں نے اس وقت بھی قوم کے وسیع تر مفاد کے لئے کام کیا اور جب پاکستان بن گیا تو اس پر فدا اور سو جان سے نثار ہوئے۔ اور اسی طرح قوم کے درد میں شام و سحر تڑپنے والا یہ عظیم راہنما ایک طرف اپنے سیاسی نظریات کی لڑائی میں مسلم لیگ کے مسٹر جناح سے برسر پیکار رہے مگر جب مسلمانوں کی عزت کا سوال آتا ہے اور ماسٹر تارا سنگھ کا مقابلہ ہوتا ہے تو یہی عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مسٹر جناح کا سب سے بڑا کفش بردار بن جاتا ہے۔ ماسٹر تارا سنگھ نے جب تلوار لہرا کر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دینے کی دھمکی دی تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"ماسٹر جی ہوش کے ناخن لو کیا کہتے ہو؟ جس قوم کے فرزند خون کے سمندروں میں تیرتے رہتے ہیں تم انہیں ننھی منی ندیوں سے ڈراتے ہو؟ پھر فرمایا مسٹر جناح کے مقابلے میں تارا سنگھ کی تلوار اٹھے گی تو اس کے مقابلے میں سب سے پہلے بخاری آئے گا۔"

ان چھوٹے چھوٹے اقتباسات سے ہی ان کے للٰہی اخلاص کا پتہ چلتا ہے کہ اگر وہ تقسیم ہند کے مجوزہ طریقہ کار کے خلاف تھے تو اس میں بھی ان کے نزدیک قوم کی بھلائی ہی تھی، نیز انہوں نے جن حضرات کی مخالفت کی ان کی مخالفت کو صرف سیاسی میدان تک ہی محدود رکھا جب ان کی خوبیاں آپ کے سامنے آتی ہیں تو وہ ان سے آنکھیں بند نہیں کر لیتے بلکہ نہایت وسیع الظرفی سے ان کا برملا اعتراف کرتے ہیں اسی طرح ایک مرتبہ مسٹر جناح کے متعلق فرمایا:

"ارے مرد تو تھا جس بات پر ڈٹ گیا کوہ کی طرح ڈٹ گیا۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں لاشوں کے انبار لگ گئے مگر کوئی چیز مسٹر جناح کے عزم کو نہ ہلا سکی۔"

"ضد یوں پیدا ہوئی کہ لیگ کے دولت مند اکابر ان کی غریبی پر طعن توڑتے اور انہیں ہندوؤں کا زر خرید کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ سچا دل گالیوں کی اجتماعی یلغار سے بگڑے گا پھر یہ بگاڑ اس صورت میں اور بھی مضبوط ہوتا ہے جب گالی دینے والا خود گالی ہو اور الزام لگانے والا فی نفسہ الزام ہو۔"

قیام پاکستان کے بعد شاہ جیؒ کا موقف

یہ ٹھیک ہے کہ ہم نے پاکستان کی مخالفت کی مگر جو کچھ کیا اور جو کچھ سمجھا وہی کچھ کہا' ہمارا ضمیر اس وقت بھی مطمئن تھا اور آج بھی شرمندہ نہیں ہے۔ [1]

اور جب پاکستان بن چکا تھا تو جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارا ضمیر آج بھی شرمندہ نہیں ہے یعنی آج کھلے موقف پر ہم دلی طور سے مطمئن ہیں اور بعد کا موقف درحقیقت درج ذیل تھا:

پاکستان کی آزادی' سالمیت اور استحکام جزو ایمان

''ہم نے دس لاکھ مسلمانوں کا خون دے کر اور ایک کروڑ مسلمانوں کو بے گھر کر کے ایک آزاد وطن حاصل کیا ہے اس کی آزادی ہمیں ہر چیز مقدم ہے ہم پاکستان کو ایک مستحکم اور ناقابل تسخیر ملک دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ داخلی اور خارجی دشمنوں سے محفوظ ہو۔ میرا یہ نظریہ ہے کہ اس ملک کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے' مسلم لیگ نے آج سے چالیس سال قبل ایک نعرہ لگایا تھا وہ نعرہ تھا مسلمانوں کی سربلندی کا۔ آہستہ آہستہ ایک دور آیا کہ مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ وہ برصغیر میں مسلمانوں کے لئے ایک آزاد وطن چاہتی ہے اس میں شک نہیں کہ مجلس احرار نے اس نظریہ سے دیانتدارانہ اختلاف کیا۔ ہم نے جب یہ سمجھا اور محسوس کیا کہ قوم نے ایک فیصلہ دے دیا ہے اور وہ فیصلہ ہے قیام پاکستان کا تو ہم نے اس مطالبہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ وطن جس کی خاک کا ہر ذرہ مجھے عزیز ہے ہر چیز سے عزیز تر ہے اس کی آزادی، سالمیت اور استحکام جزو ایمان ہے۔ پاکستان کی

---

1. حیاتِ امیر شریعت ص 338

آزادی کی حفاظت کے لئے کروڑوں عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قربان کئے جا سکتے ہیں۔"

لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے وطن کی آزادی پر کوئی آنچ آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب جب کہ پاکستان بن چکا ہے اس کی حفاظت ہر مسلمان کا جزو ایمان ہونا چاہئے۔ میں پاکستان کو داخلی دشمنوں سے محفوظ کرنے کا ہر قیمت پر تہیہ کر چکا ہوں۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی گروہ یا ٹولہ اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگا کر پاکستان کی حدود کے اندر آباد رہ سکے۔ خارجی دشمن کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے لیکن داخلی دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کی موجودگی میں یہ سمجھ لینا کہ ہم محفوظ ہیں۔ انتہائی بے وقوفی ہے حماقت ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کو مستحکم بنایا جائے کیونکہ مسلم لیگ کا استحکام مسلمانوں کے استحکام کا ضامن ہے۔ اس صوبہ میں مسلم لیگ کی جس پارٹی کی بھی حکومت ہوگی ہم اس کی حمایت کریں گے ہم اس صوبے کے امن و امان، خوشی اور فلاح و بہبود، استحکام اور سربلندی کے لئے حکومت سے پورا اور غیر مشروط تعاون کرتے رہیں گے۔"[1]

اب ذرا شاہ صاحبؒ کا دل پذیر موقف در بارہ پاکستان بعد از قیام پاکستان پڑھئے، اور سر دھنئے۔ ان کے اخلاص کا مظہر یہی الفاظ ہیں کہ پاکستان کے دفاع کے لئے کروڑوں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قربان کئے جا سکتے ہیں۔ تو کیا ایسا شخص اسی ملک کا غدار ہو سکتا ہے جو کہ اس کے ملک کے بارے میں کہتا ہو:

> "آج ہم کسی سے دب کر کچھ نہیں کرتے بلکہ پوری آزادی سے کہتے ہیں کہ دفاع وطن کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر کوئی غدار ہو تو اُسے کیفر کردار تک پہنچاؤ میں آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ میرے پاس نہ دولت ہے نہ ثروت۔ میں آپ کی خدمت میں پورے خلوص سے التجا کرتا ہوں۔ آپ کے پاؤں سفید داڑھی رکھ کر اپیل کرتا ہوں کہ آپ اُسے منظور کریں اور یہ کہ کوئی ایک نوجوان بھی ایسا نہ رہے جو نیشنل گارڈ کی وردی نہ پہنے ہوئے ہو۔"[2]

1. ارلاہور 21 رجولائی 1952ء مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی لاہور میں تقریر ص 1

2. حیات امیر شریعت ص 338

ہم میں سے ایک طبقہ فکر کا اب تک یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ ایک وقت میں اس نے انگریز کا سہ لیسی میں کوئی کسر نہ اٹھار کھی مگر آج وہی گروہ تحریک پاکستان کا سب سے بڑا علمبر دار بنا پھرتا ہے۔ اگر حضرت امیر شریعتؒ چاہتے تو وہ بھی یہ کچھ کر سکتے تھے مگر ان کا یہ شیوہ نہ تھا۔

آپ نے ہمیشہ اس چیز کا برملا اعتراف کیا کہ انہوں نے پاکستان کی ہیئت ترکیبی کی قبل از قیام مخالفت کی تھی مگر اب وہ اس پر قربان و نثار ہیں۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''میں کہتا ہوں مسلم لیگ نے پاکستان بنایا اور ملک تقسیم کرایا ہے۔''[1]

یہ جرأت اور دلیری ہر سیاستدان میں نہیں ہو سکتی۔ آپؒ کی حُب الوطنی کا اظہار اس خط سے بھی ہوتا ہے جو قیام پاکستان کے بعد عبداللہ ملک کے نام لکھا گیا۔ آپ نے فرمایا:

''اب چمن اور اس کی شاخیں تم نوجوانوں کی باغبانی کے سپرد ہیں۔ جب تک جیو وضع داری سے جیو کہ یہی ایمان کی نشانی اور حاصل زندگانی ہے۔''[2]

شاہ صاحبؒ اپنے موقف کی وضاحت کچھ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص ایک خاندان میں شادی کرنا چاہتا ہے مگر اس کا باپ اور بھائی اور دوسرے رشتہ دار اس رشتہ پر راضی نہیں ہوتے لیکن وہ باوجود مخالفت کے شادی کر لیتا ہے اب اگرچہ ماں، باپ، رشتہ دار، بہن، بھائی، اپنے، پرائے اس رشتہ پر راضی نہ تھے۔ لیکن شادی ہونے کے بعد مبارکبادیں دیتے اور دعوتیں کرتے ہیں۔ اب کوئی ایسا باپ نہیں ہو سکتا جو اپنی بہو کی عصمت پر آنچ آنے دے اور وہ کبھی اپنے بیٹے کے گھر کو اُجاڑنے کی نہیں سوچے گا بلکہ وہ ہمیشہ اس گھر کی آبادی ہی کے منصوبے بنائے گا۔ اب جب کہ پاکستان بن گیا ہے۔ لہٰذا یہ ہماری عزت ہے اور اس کی حفاظت ہمارا جزو ایمان اور فرض ہے، اگرچہ احرار اور لیگ میں قیام پاکستان سے قبل شدید اختلافات اور تلخیاں پائی جاتی تھیں مگر شاہ صاحبؒ نے قیام پاکستان کے بعد اس مملکت کے وسیع تر مفاد میں ان تلخیوں کو

1۔ ایضاً ص 338

2۔ ہفت روزہ چٹان لاہور، شاہ جی نمبر 15 جنوری 1962ء

یکسر فراموش کر دیا تھا اور شب و روز ملک کے استحکام کی راہیں سوچنا شروع کر دی تھیں۔ آپ نے ایک مرتبہ لاہور میں فرمایا تھا:

''میرے شب و روز اسی تمنا میں گذرتے ہیں کہ میری قوم ایک ناقابل تسخیر قلعہ بن جائے۔''[1]

قوم کے غم میں یہ عظیم رہنما شام و سحر تڑپتا رہا' یہ سوچتا رہا کہ کسی طرح یہ قوم دنیا کی عظیم ترین قوم بن جائے اس میں اتحاد و یکجہتی ہو۔

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رُومی کبھی پیچ و تاب رازی

قوم کے اتحاد و استحکام کی خاطر ہی انہوں نے اپنا پرانا موقف تبدیل کیا تھا کیونکہ اب اس پر قائم رہنے سے عوام کا دو گروپوں میں تقسیم ہو جانا یقینی ہے۔ آپ نے اپنے آزاد وطن کی آزاد حکومت سے اس طرح تعلقات بنائے۔

''اب فرنگی کی حکومت نہیں رہی کہ اس ڈھنگ پر سوچا جائے۔ اب مسلمانوں کی حکومت ہے اب شریعت کی روشنی میں سوچنا چاہئے کہ جب ایک مسلمان اور مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی وجہ سے بھی غلبہ حاصل کر کے ملک کی باگ دوڑ سنبھال لے اس کے ساتھ کیسے معاملہ کیا جائے؟''

ایک غدار سو سوروں سے بدتر

اب ان ناقابل تردید شواہد و نظائر کی موجودگی میں کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امیر شریعتؒ پاکستان کے دشمن تھے یا وہ اکھنڈ بھارت کے قائل تھے یا وہ (معاذ اللہ) غدار تھے۔ منیر رپورٹ میں حضرت پر غداری کی فردِ جرم عائد کی گئی ہے اور اب ذرا غداری کے متعلق حضرت امیر شریعتؒ کا فرمان بھی ملاحظہ فرمائیں:

''ایک غدار سو سوروں سے بدتر ہے اگر حکومت مجھے پاکستان کا غدار سمجھے تو اسے

1۔ روزنامہ آزاد لاہور' 7 ستمبر 1951ء صفحہ اول شہ سرخی

چاہئے کہ مجھے گولی مار دے۔"[1]

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی پاکستان کے بارے میں قبل از قیام و بعد از قیام رائے کیا تھی اس پر مفصل بحث ہو چکی ہے اب آخر میں ان کا ایک قول تحریر کرنا چاہتا ہوں فرمایا:

"یہ قطعہ زمین ہم نے بے پناہ قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے اور تیرہ سو (1300) سال میں آج تک آزادی کے لئے کسی نے اتنی قیمت پر قربانی نہیں دی اب بچانے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔"[2]

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا تھا:

"اللہ تعالٰی پاکستان کو اندرونی و بیرونی سازشوں سے محفوظ رکھے۔"[3]

پاکستان کی حیثیت مسجد کی سی ہے

شاہ صاحبؒ کی وسیع النظر انی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے تو بر سر عام پبلک جلسہ میں کہہ دیا تھا کہ میری رائے کو قوم نے مسترد کر دیا۔ اور یہ یہی بات ان کی عظمت، دلیری اور جرأت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

حضرت امیر شریعتؒ اور احرار نے یہ فیصلہ کر کے دراصل بہت جرأت رندانہ سے کام لیا تھا کہ اس طرح اپنے تمام سیاسی کیریئر کو یکدم کسی دوسری جماعت کے پلو میں ڈال دینا بہت دلیری اور جرأت کا کام اور پھر احرار نے اپنی ساری عمر کی کمائی یعنی اپنے سرفروش رضا کار بھی "نیشنل گارڈز" میں شامل کر دیئے۔ اور یہ کام نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ حضرت امیر شریعتؒ نے اس قرارداد کی توثیق جن الفاظ میں فرمائی وہ اب تاریخ کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔

وہ یادگار الفاظ یہ ہیں:

"مسلم لیگ سے ہمارا اختلاف صرف یہ تھا کہ ملک کا نقشہ کس طرح بنے، یہ نہیں کہ ملک نہ بنے بلکہ یہ کہ اس کا نقشہ کیونکر ہو یہ کوئی بنیادی اختلاف نہیں تھا نہ

1۔ منیر رپورٹ اردو ترجمہ ص 335

2۔ روزنامہ مشرق لاہور امیر شریعت نمبر ۲۱ اگست 1974ء صفحہ اول

3۔ ماہنامہ تبصرہ لاہور، جون جولائی 1961ء بخاری نمبر

حلال وحرام کا، نہ گناہ وثواب کا اور نہ مذہب کا وہ تو ایک نظریئے کا اختلاف تھا۔"

ہم چاہتے تھے کہ پورے چھ صوبے ملیں اور مسلم لیگ بھی چاہتی تھی۔ ہمارا اختلاف صرف مرکز کی علیحدگی پر تھا۔ مسلم لیگ بھی فرقہ وارانہ جماعت تھی اور مجلس احرار بھی، مسلم لیگ میں بھی کوئی غیر مسلم شامل نہیں ہو سکتا تھا اور مجلس احرار میں بھی، پس اختلاف تھا تو صرف اتنا کہ ہم کہتے تھے کہ آزادی مل جائے ہم ذرا سنبھل لیں اور اس کے دس سال بعد مرکز سے بھی علیحدہ ہو جائیں گے مگر لیگ کہتی تھی کہ نہیں ہمارا مرکز کے ساتھ کوئی الحاق نہیں رہ سکتا وگرنہ تقسیم ملک کے ہم بھی قائل تھے۔ کرپس فارمولا اب بھی موجود ہے اس میں تقسیم ملک ہی کا قصہ درج ہے ہم پورے چھ صوبوں پر مُصر تھے لیکن کانگرس نے تقسیم در تقسیم کو قبول کیا اور گئو ماتا کا قیمہ کر کے اس کے کوفتے بنا دیئے۔

(پس اب ہمارا مسلم لیگ سے کوئی اختلاف نہیں نہ پہلے ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مذہبی اختلاف تھا نہ خدا کا، رسول کا۔ نہ ہم ولی ہیں نہ لیگ والے قطب ہیں۔ اگر لیگ والے گنہگار ہیں تو ہم کون سے ولی اللہ ہیں۔ ہمارا اور ان کا اختلاف صرف مرکز سے علیحدگی پر تھا اور داغ کے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے۔)

مدت سے میری ان کی قیامت کی ہے تکرار

بات اتنی ہے وہ کل کہتے ہیں میں آج

ہمارا اور لیگ کا اختلاف کوئی کفر و ایمان کا اختلاف نہ تھا یہ تو بالکل سطحی اختلاف تھا۔ بھائی حسام الدین نے آپ کے سامنے جو قرارداد پیش کی ہے یہ مجلس احرار کی آئندہ پالیسی کی آئینہ دار ہے ہم نے تیس سال کی کمائی مسلم لیگ اور حکومت حوالے کر دی ہے۔[1]

مسلم لیگ سے دیانت دارانہ اختلاف

اپنے سینہ میں قوم کے درد سے تڑپتا ہوا دل رکھنے والا یہ عظیم رہنما کس طرح اپنی گذشتہ عمر کی محنت شاقہ کو مسلم لیگ کی جھولی میں ڈال دیتا ہے ایک اسی بات سے اس شخص کے

---

1 حیات امیر شریعتؒ از جانباز مرزا ص 324

اخلاص کا مظاہرہ ہو جاتا ہے اور مخالفین کے ہر نوع الزامات کا جواب دینے کے لئے حضرت امیر شریعتؒ کا مندرجہ ذیل بیان کافی وشافی ہے:

"تقسیم سے پہلے ایک مسئلہ پر میں نے لیگ سے دیانتدارانہ اختلاف کیا۔ صرف ایک سیاسی مسئلہ کا اختلاف تھا' رائے کی ٹکر تھی برادری کے دو بھائیوں کے درمیان ایک سوال پر بحث تھی میں نے تو شاہ جہاں کی مسجد میں لاکھوں مسلمانوں کے سامنے قائد اعظم کے جوتوں پر سفید داڑھی رکھی اور کہا کہ میری یہ ٹوپی لے جا کر ان کے قدموں میں رکھ دو شاید ان تک میری رسائی ہو سکے۔" مگر آہ!

خلوت میں اسے بھا رہے ہیں کیوں کر ملیے
جلوت میں اسے عار ہے کیوں کر ملیے

میرے دل میں چند خدشات تھے جن کے لئے وقت کی سیاسی فضا کوئی اطمینان بہم نہ پہنچا سکی اور قائد اعظم کی بارگاہ تک رسائی نہ ہو سکی! بہر حال قوم نے فیصلہ کر دیا اور جس دیانتداری سے ہم نے اختلاف کیا تھا اسی دیانتداری سے ہم نے برادری کے فیصلے کو تسلیم کر لیا۔

انہوں نے تو جو کچھ دیکھا جو قوم کے لئے مفید سمجھا اسے ظاہر کر دیا پھر انہوں نے کہا یہ درست ہے کہ ہم نے طریق قیام پاکستان سے اختلاف کیا۔ مگر اب یہ بن چکا ہے۔ اس پر نثار میں، قربان ہیں، فدا ہیں، پاکستان ہماری عصمت ہے پاکستان ہماری عظمت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی مثال مسجد کی سی ہے۔ ارے کوئی مسلمان مسجد کی بھی بے حرمتی کر سکتا ہے؟

ان تمام شواہد و نظائر کی موجودگی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ نے ہر لحظہ، ہر لمحہ، ہر گھڑی، ہر ساعت دفاع پاکستان ہی کی راہ سوچی انہوں نے صرف اسی نہج پر سوچا کہ کس طرح یہ قوم دنیا کی عظیم قوم بن جائے جب دفاع پاکستان کا سوال آیا انہوں نے بھارت کو ایسی سنائیں کہ وہ دم بخود رہ گئے۔ پس شاہ صاحبؒ پاکستان پہ نثار تھے وہ اس کے فدا کار تھے نہ کہ وہ غدار تھے۔

پاکستان امیر شریعتؒ کی نگاہ میں

14 / اگست 1947ء کو فرنگی استعمار سرزمین ہند سے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو گیا اور اس طرح وہ تحریک جو 1857ء میں شروع ہوئی بالآخر اپنے انجام کو پہنچی۔

سید الاحرار، خطیب الامت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اس تحریک میں کیا خدمات سرانجام دیں محتاج تعارف نہیں۔ حضرت امیر شریعتؒ اور ان کی جماعت احرار نے طریق قیام پاکستان سے اختلاف کیا مگر جب پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو اسے ان حضرات نے جنھوں نے کہ آزادی کے حصول کے لئے اپنا خون بہایا تھا اپنا مسکن بنا لیا۔ امیر شریعتؒ مارچ 1947ء ہی میں لاہور آ چکے تھے اور اس دوران یعنی 14 / اگست 1947ء کو پاکستان اور ہندوستان یعنی دو علیحدہ ریاستیں قائم ہوئیں حضرت نے امرتسر میں اپنی آنکھوں سے فسادات کا حال دیکھا پھر وہ لاہور آئے اور اواخر اگست 1947ء میں لاہور سے خان گڑھ نوابزادہ نصر اللہ خاںؒ کے ہاں تشریف لے گئے جو کہ اس وقت مجلس احرار اسلام ہند کے ناظم اعلیٰ تھے آپ نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ اس دوران آپ خاموش رہے اور آپ نے مجلس کے مرکزی صدر ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کو پالیسی ساز خط لکھا جس سے آپ کا موقف مکمل طور پر واضح ہو جاتا ہے اور اس میں جو تبدیلی ہوئی وہ بھی واضح ہو جاتی ہے۔ (جو اس کتاب کا حصہ ہے)

حضرت شاہ جیؒ نے اس خط کے ذریعے مکمل طور پر اپنا موقف واضح فرما دیا اور قیام پاکستان کے بعد آپ جنوری 1949ء تک خاموش رہے سوائے اس خط کے یا اپریل 1948ء

میں احرار رضا کاروں کے اجلاس ملتان میں ایک تقریر کے آپ نے تمام سرگرمیاں معطل کر دیں۔

مجلس احرار کا سیاسیات سے علیحدگی کا اعلان

بالآخر احرار رہنماؤں کے پیہم اصرار پر جنوری 1949ء میں لاہور میں دہلی دروازہ کے میدان میں منعقد ہونے والی ''دفاع پاکستان احرار کانفرنس'' میں آپ نے خطاب فرمایا اس کانفرنس میں شاہ صاحب کے خطاب سے پیشتر شیخ حسام الدینؒ نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی:

''بنابریں دفاع پاکستان احرار کانفرنس کا یہ تاریخی اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ایسے نازک ترین وقت میں اسلامیان پاکستان بہت حد تک اس زہر کا تریاق پیدا کر سکتے ہیں بشرطیکہ ملت کی رہنمائی اور داخلی ترقی کے لئے ان کی داخلی سیاست کو ہر قسم کی گروہ بندیوں سے آزاد کر کے ایک ہی مشترک پلیٹ فارم کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا جائے اس سے جہاں ایک طرف ملت اسلامیہ کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کی سازشوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے وہاں پاکستانیوں میں صحیح اور سنجیدہ غور پیدا کرنے کی راہیں بھی کھل جائیں گی اور کم سے کم مدت تک قوم میں ضبط و نظم اور خود اعتمادی کی خصوصیات پیدا ہو سکیں گی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مجلس احرار کے مقاصد میں اسلام کی سربلندی کے ساتھ ساتھ وطن کی آزادی بھی شامل تھی جو قیام پاکستان کے بعد سیاسی طور پر اب پوری ہو چکی ہے۔''

لہٰذا! دفاع پاکستان احرار کانفرنس کا یہ اجلاس غیر مبہم الفاظ میں یہ اعلان کر دینا اپنا ملی فرض سمجھتا ہے کہ آئندہ سے مجلس احرار اسلام اپنی سعی و عمل کو مسلمانوں کے دینی عقائد و رسوم کو درست رکھنے اور خصوصاً مسئلہ ختم نبوت کی مرکزی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے تبلیغی سرگرمیوں تک محدود رکھے گی۔ جو اراکین و ہمدردانِ احرار زمانہ حال کے موافق سیاسی خدمات انجام دینا چاہیں وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنے روایتی اخلاص اور عملی انہماک سے ملک و ملت کی خدمت میں مصروف ہو جائیں۔ اب یہ ملک میرا ہے میں اس کا وفادار شہری ہوں۔ جنہوں نے جانا تھا وہ جا چکے ہیں میں یہاں ہوں اور یہیں رہوں گا۔ یہاں تو میری جنگ کا اختتام ہے اور وہاں جاؤں تو ابھی میری جنگ کا آغاز ہوگا۔''[1]

1۔ روزنامہ آزاد لاہور 14 نومبر 1949ء

اسی طرح 1948ء میں...... پاکستان کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا:

"کشمیر پاکستان......! دفاع پاکستان کے لیے فوج میں بھرتی ہو جاؤ ہم اپنی خدمت غیر مشروط طور پر حکومت پاکستان کے سپرد کرتے ہیں۔"[1]

قصہ کوتاہ آپ نے کس قدر دل نشین انداز میں اپنے گزشتہ اور بعد کے موقف کی وضاحت فرمائی:

"ہم انگریز کے مقابلہ میں حسینؓ کے متبع تھے اور مسلمان کے مقابلہ میں حسنؓ کے پیروکار تھے۔"[2]

الغرض آپ نے اور آپ کی جماعت نے پورے خلوص کے ساتھ ملک و قوم کی خدمت و تحفظ کا بیڑا اٹھالیا اور اس سلسلہ میں ملک کے قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر میں دفاع کانفرنسوں کا جال بچھادیا جن کے ذریعے سے قوم کو ملک و ملت کے تحفظ کے لئے تیار کرنا اور دشمنوں کے آئندہ عزائم سے خبر دار کرنے کا کام لیا گیا۔ احرار نے پورے خلوص سے اپنا کل سرمایہ مسلم لیگ کے سپرد کر دیا۔

حضرت امیر شریعتؒ کے اس فیصلہ پر قومی پریس نے جس والہانہ انداز سے خوش آمدید کہا صرف اس بات سے ان کے اخلاص کا پتہ چل جاتا ہے۔ جب "نوائے وقت" جیسا اخبار انہیں خوش آمدید کہہ دیتا ہے اور "انقلاب" جیسا اخبار ایثار پیشہ، جفاکش، غیور، قومی خادم مان لیتا ہے۔ اس کاروائی کے بعد مجلس احرار کے رہنما اور روزنامہ "آزاد" کے ایڈیٹر ماسٹر تاج الدین انصاریؒ احرار کارکنوں کے دائرہ عمل کو ایک اعلان کے ذریعے مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کر دیتے ہیں:

"لاہور ریزولیشن کی روشنی میں، مجلس احرار کے کارکنوں کا دائرہ عمل محدود ہو گیا ہے۔ اب انہیں بحیثیت احرار صرف تبلیغ کے میدان میں کام کرنے کی گنجائش ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے اگر احرار کارکنوں کو سیاست میں حصہ لینا ہے تو انہیں مسلم لیگ کے رکن بنا چاہئے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب، قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادیؒ، صاحبزادہ سید

1۔ روزنامہ آزاد لاہور 28 اکتوبر 1948ء

2۔ روزنامہ آزاد لاہور 14 نومبر 1949ء لاہور میں امیر شریعتؒ کی تقریر

فیض الحسن صاحب، حکیم عبدالسلام سرحدی اور دیگر زعمائے احرار مسلم لیگ با قاعدہ رکن بن چکے ہیں۔ لاہور ریزولیشن کے ذریعہ مجلس احرار نے مسلم لیگ اور احرار کی متوقع کش مکش کا خاتمہ کردیا ہے اور سیاست کا میدان مسلم لیگ کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ احرار کا کوئی کارکن ایسی جماعت کا رکن نہیں بن سکتا جو مسلم لیگ سے متصادم ہو۔"[1]

دریں اثناء حضرت امیر شریعتؒ ایک تقریر کے ذریعے اپنی پوزیشن اس طرح واضح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا:

"پاکستان، ہم نے ہزاروں بہن بیٹیوں کی عصمتیں، لاکھوں کڑیل نوجوانوں کا مچلتا ہوا خون پیش کر کے حاصل کیا ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال کی انسانی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو کوئی سودا بھی اتنا مہنگا نہیں چکایا گیا لیکن اب اس کی حفاظت اسی طرح کرنی ہوگی جس طرح بیش بہا قیمتی قربانیاں دے کر حاصل کیا ہے آپ کے مقابلے میں اگرچہ بوڑھا ہو چکا ہوں لیکن باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے میری رگوں میں اب بھی جوان خون دوڑ رہا ہے۔"[2]

اس تقریر سے ایک ماہ پیشتر آپ نے فرمایا تھا:

"جنگ ہو یا نہ ہو آپ کو بہر حال دفاع پاکستان کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ایک نعمت دی ہے اب اس کی بے قدری نہ کریں۔"[3]

منیر انکوائری رپورٹ ایک شرمناک دستاویز

اس تمام روئیداد سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ احرار نے سیاست و حکومت کا میدان مسلم لیگ کے لئے صاف کر دیا اور خود وطن عزیز پاکستان کی تعمیر میں شب و روز کوشاں ہو گئے۔ ان تمام فیصلوں کے بعد حضرت امیر شریعتؒ اور ان کے رفقاء گرامی کی نیک نیتی بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان حضرات نے کس قدر خلوص اور دیانتداری

1۔ روزنامہ آزاد لاہور ۲۳ نومبر 1949ء

2۔ روزنامہ آزاد لاہور یکم اکتوبر 1951ء صفحہ اول

3۔ روزنامہ آزاد لاہور، 7 ستمبر 1951ء صفحہ اول

سے پاکستان کو قبول کیا۔ مگر وائے قسمت کہ ہمارا مفاد پرست طبقہ آج بھی حضرت امیر شریعتؒ پر ہندو دوستی اور پاکستان دشمنی کا الزام لگاتے ہوئے نہیں چوکتا۔ یہ ہماری قوم کی بدنصیبی ہے کہ اس میں "منیر رپورٹ" نے جنم لیا جو کہ خود اسلام کے خلاف مسلمان ججوں کے قلم سے ایک ایسی شرمناک دستاویز ہے جسے آج بھی یہودی لابی بین الاقوامی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہی ہے۔ اس منیر رپورٹ کے اندر جو گند بھرا ہوا ہے ذرا اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے جو حضرت امیر شریعتؒ کے متعلق ہے:

1﴾ "بخاری نے حسب معمول اپنے متبذل اور پست مزاج سے کام لیتے ہوئے کہا......" (منیر رپورٹ اردو ترجمہ ص 30)

2﴾ "اگر احرار بحیثیت جماعت کچھ مدت تک احمدیوں کو گالیاں دینے سے محترز بھی رہیں تو بخاری ہرگز باز نہ آئے گا کیونکہ اس کا تو اس کے سوا اور کوئی وصف ہی نہیں کہ وہ احمدیوں کو گالیاں دیتا ہے اور ضدی اور ہٹیلا آدمی ہے۔" (منیر رپورٹ اردو ترجمہ ص 38)

3﴾ "لہٰذا جب تک بخاری کو عام جلسوں میں شرکت سے منع نہ کر دیا جائے یا اسے کوئی اور شخص نہ بتا دیا جائے جسے وہ برسر عام گالیاں دے کر اپنا شوق پورا کر لے۔ وہ ہرگز احمدیوں کے خلاف اپنے معمول کو ترک نہ کرے گا بلکہ اس سے بھی بدتر رویہ اختیار کرے گا۔" (منیر رپورٹ اردو ترجمہ ص 38)

یہ درست ہے کہ اندر جس قدر گند بھرا ہو گا اتنی ہی سڑاند اور تعفن باہر آئے گا۔ جسٹس منیر نے اس عظیم محسنِ امت اور "سیدُ الاحرار" کو جس طرح اپنی گھٹیا زبان کا نشانہ بنایا وہ واقعی عدلیہ کی تاریخ میں ناپید ہے۔ بخاری جسے کہ جسٹس منیر نے ضدی اور ہٹیلا آدمی بتایا ہے۔ ان کے متعلق مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا تھا:

"وہ ولی کامل ہیں اور اسلام کی شمشیر برہنہ ہیں جب تک وہ زندہ ہیں اسلام کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

لیگ سے اختلاف و اتفاق

شاہ جیؒ نے فرمایا۔ قیام پاکستان کے بعد شاہ جیؒ نے نہ صرف پاکستان کو قبول کیا بلکہ مسلم لیگ کو قوت حاکمہ سمجھتے ہوئے فرمایا۔ تقسیم سے پہلے لیگ کے ساتھ ہمارے بہت سے

اختلافات تھے۔ ہم نے قوم کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا، لیگ نے اپنا، قوم نے لیگ سے اتفاق کیا اور لیگ قوت حاکمہ بن گئی۔ مد مقابل پارٹی نہ رہی۔ ہم بہر حال رعایا بن گئے۔ ہم لوگ شروع سے ملکی معاملات کے ساتھ ساتھ کچھ دینی مقاصد بھی رکھتے تھے اور اب تک بفضلہٖ تعالیٰ رکھتے ہیں۔ موجودہ صورت میں ان دینی مقاصد کو حاصل کرنے کی کوئی اور صورت اگر ہو سکتی ہے تو ارشاد فرمائیں؟ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اور اب کسی صورت میں اس کو بدلنا قومی ہلاکت و تباہی ہے۔ اصلاح احوال سے انکار نہیں وہ بھی ہم کر رہے ہیں مگر مخالف بن کر نہیں۔ موجودہ وقت میں اس فتنہ مرزائیت سے مقابل میں جو کامیابی ہم کو حاصل ہو رہی ہے وہ باہمی تعاون کا ہی نتیجہ ہے۔ بصورت دیگر ...... منکر کسے بودن و ہمرنگ مستان زیستن ...... مشکل ہے۔ لیگ کی مخالفت فی نفسہ کوئی کار خیر نہ تھا نہ ہے۔ کسی مقصد عالی کے لئے مخالفت تو موافقت معنی رکھتی ہے۔ عہد فرنگی میں اختلاف با معنی تھا۔ اب اتفاق سے ہی اصلاح احوال کی توقع ہو سکتی ہے۔ ورنہ سرخ پوش، انجمن وطن اور دوسری جماعتیں کہاں تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہی ہیں۔

باب سوم

مجلس تحفظ ختم نبوت

- مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد
- شاہ جیؒ پہلے امیر
- مجلس تحفظ ختم نبوت کا نصب العین
- مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت ایک ہی کام کے دو نام
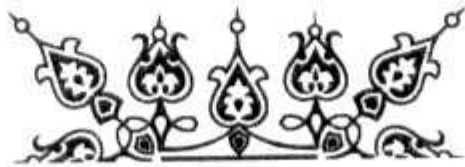
مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد

تقسیم سے قبل مجلس احرار اسلام ہند کے شعبہ کی حیثیت سے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے رفقاء قادیانیت کے منہ زور گھوڑے کو کھرلی پر باندھنے کی کاوش کرتے رہے مگر وہ انگریز کے کھونٹے پر ناچ رہا تھا ملک عزیز تقسیم ہوا تو جنوری 1949ء میں ملتان کی ختم نبوت کانفرنس میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' پاکستان کے نام سے مستقل جماعت کی داغ بیل ڈالی گئی۔ [1]

● ...... مرزا غلام نبی جانثار لکھتے ہیں:

تقسیم ملک کے بعد سیاسی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔جنوری 1949ء میں مجلس احرار کا سیاسی نظام ختم کر دیا گیا۔اور اس کی جگہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام پر تبلیغی کام کرنے کا فیصلہ ہوا۔اس ادارے کے صدر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے۔ [2]

حضرت امیر شریعتؒ نے مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے نام سے باقاعدہ جماعت قائم فرما کر رفقاء کو فتنہ قادیانیت کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بنا دینے کے لیے تمام تر توجہات مرکوز کر دیں۔مگر مرزائیت ہوا کے گھوڑے پر سوار کی طرح رکنے کا نام نہ لیتی تھی لیگی حکومت نے اسے آب و دانہ اور سر چھپانے کے لئے ''ربوہ'' جیسا آشیانہ مہیا کر دیا۔ظفر اللہ خاں کم بخت مرزا قادیانی کی متعفن لاش کو لے کر ملکوں ملکوں پھرا۔مرزا بشیر پاکستان پر قبضے

---

1 الاحرار جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر 877 ص 13

2 کاروان احرار جلد پنجم ص 13

کے خواب دیکھنے لگا حضرت امیر شریعت نے آل پارٹیز مجلس عمل بنا کر مرزا بشیر کے مقابل پوری امت کو لا کھڑا کیا تحریک ختم نبوت کے بعد از سر نو دوبارہ "مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان" با قاعدہ مستقل جماعت کی حیثیت سے 13 ستمبر 1954ء کو "نقش ثانی" قوم کے سامنے آیا۔

چنانچہ اس سلسلے میں جناب پروفیسر زاہد منیر عامر لکھتے ہیں، ان کے اخلاص کا اندازہ صرف اسی امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب انہوں نے اپنی سیاسی حیثیت ختم کرنے کا اعلان کیا تو اپنا محاذ مذہبی بنالیا۔[1]

مجلس احرار اسلام اگرچہ برطانوی استعمار کے خلاف نبرد آزما تھی اور اس کے ساتھ ہی انگریزوں کے خود کاشتہ پودے مرزائیت کا احتساب اور تعاقب بھی انہوں نے اپنے ذمہ لیا ہوا تھا چونکہ مجلس احرار ایک پولٹیکل جماعت تھی اور سیاسیات میں ہر مسلمان کا ان کے خیالات سے اتفاق ضروری نہ تھا۔ اس لئے مجلس احرار اسلام نے ایک خالص دینی تبلیغی اور غیر سیاسی شعبہ بھی قائم کیا جس کا نام شعبہ تبلیغ (تحفظ ختم نبوت) تھا اور اس کا مرکز قادیان میں قائم کیا گیا۔ مولانا عنایت اللہؒ چشتی ماسٹر تاج الدین انصاریؒ مولانا محمد حیاتؒ فاتح قادیان یکے بعد دیگرے وہاں قیام پذیر رہے اور مبلغوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر قادیان اور گردونواح میں خوب کام کیا۔ آخران مخلص لوگوں کی محنت رنگ لے آئی وہاں کے کچھ مخلص مسلمانوں نے اپنی کچھ زمینیں شعبہ تبلیغ کے نام وقف کردیں ایک مسجد میں جمعہ اور نماز پنجگانہ ہوا کرتی تھیں جس میں یہ حضرات باقاعدہ درس اور خطبہ وغیرہ دیا کرتے تھے مولانا محمد حیات اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بعض دفعہ قادیان کے بازاروں میں مجمع اکٹھا کر لیتے اور مرزائیت کی تردید کھلے بندوں کی جاتی۔ قادیان کی املاک کا اس شعبہ تبلیغ کے زیر اہتمام ایک ٹرسٹ قائم کردیا گیا جس کے ٹرسٹیوں میں قادیان کے رہنے والے پیر شاہ چراغ بھی شامل تھے مولانا محمد حیاتؒ اور بعض دوسرے اصحاب اس ٹرسٹ کے ممبر تھے قیام پاکستان تک یہ شعبہ تبلیغ کام کرتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد یہ ختم ہو گیا۔

قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام اپنی جگہ قائم تھی اور اس کے سامنے دیانتداری

---

1 تحریک ختم نبوت جلد اول ص 26

سے پھر وہی مشکل درپیش تھی کہ جو لوگ مجلس احرار اسلام سے اختلاف رکھتے ہیں ان کی ہمدردیاں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے کس طرح حاصل کی جائیں۔ ویسے بھی قیام پاکستان کے بعد احرار کے راہنما اور کارکن ذہنی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ کچھ لوگ بوجوہ اب سیاسی کام نہیں کرنا چاہتے تھے اور کچھ لوگ سیاسیات سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔

جماعت دو حصوں میں تقسیم

چنانچہ 20 اپریل 1954ء کو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے علاوہ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، شیخ حسام الدینؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا حافظ سید ابوذر (عطاء المنعم شاہ) بخاریؒ، مولانا تاج محمود، مولانا محمد شریف جالندھری، مولانا مجاہد الحسینی ایک اجلاس میں شریک ہوئے شریک اجلاس حضرات کی روایات کے مطابق آخری اجلاس رات کے وقت حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان کی چھت پر ہوا جو رات گئے تک جاری رہا۔ اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ شیخ حسام الدینؒ اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ آئندہ احرار کے سربراہ ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی، اور مولانا محمد علی جالندھریؒ مجلس تحفظ ختم نبوت کے سربراہ ہوں گے۔ اسی اجلاس میں دفاتر وغیرہ تقسیم کر لئے گئے اور باہم محبت خیر سگالی قائم رکھنے کا عہد کیا گیا۔

4 '5 ستمبر کو مجلس تحفظ ختم نبوت کا پہلا باقاعدہ اجلاس ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہوا اس اجلاس میں حضرت شاہ صاحبؒ اپنی علالت کے باعث شریک نہ ہو سکے۔ باقی بانی ممبران کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا تاج محمودؒ صاحب، مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، سائیں محمد حیات پسروریؒ، مولانا محمد لقمان علی پوریؒ، مولانا قاضی عبداللطیف اختر شجاع آبادیؒ، مولانا مجاہد الحسینی، مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ، مولانا محمد شریف جالندھری، مولانا غلام محمد، مولانا محمد صدیق، مولانا شیخ احمد صاحب بورے والا، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب، چوھدری بشیر احمد، حافظ احمد دین صاحب۔

اس اجلاس میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا دستور مرتب کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنا

دی گئی جو درج ذیل حضرات پر مشتمل تھی۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا تاج محمود صاحبؒ، مولانا مجاہد الحسینی۔

13 دسمبر 1954ء کو مجلس کا ایک اجلاس مرکزی دفتر ملتان شہر میں منعقد ہوا اور دستور کی منظوری دی گئی۔ پہلی مجلس شوریٰ اور عہدیداروں کا اعلان کیا گیا۔

1. حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امیر۔
2. مولانا محمد علی جالندھریؒ ناظم اعلیٰ۔

اراکین شوریٰ

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ	مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ
مولانا علاء الدین ڈیرہ اسماعیل خان	مولانا تاج محمود فیصل آباد
مولانا نذیر حسین پنو عاقل سندھ	مولانا محمد رمضان علویؒ راولپنڈی
مولانا محمد یوسف مجاہد الحسینی مظفر گڑھ	مولانا محمد حیات فاتح قادیان
مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ	مولانا حبیب اللہ ساہیوال
مولانا حکیم عبدالرحمٰن آزاد گوجرانوالہ	مولانا محمد شریف جالندھری
مولانا عبدالرحیم اشعرؒ وغیرہ	

ختم نبوت کی تنظیم جدید

ملکی تقسیم کے بعد مبلغین تحفظ ختم نبوت بھی باقی مہاجرین کی طرح جہاں انہیں سر چھپانے کی جگہ مل سکی قیام پذیر ہو گئے۔ اور بسر اوقات کے لئے جو کچھ ان سے بن پڑا ذریعہ معاش اختیار کر لیا۔ ادھر ملکی تقسیم کے بعد قادیانی گروہ حکومت کے اہم اور بنیادی محکموں پر قابض ہو گیا۔ اور اپنے اثر و اقتدار کے بل بوتے پر عالی شان عمارتوں، کوٹھیوں، باغات، زمین اور بڑی بڑی فیکٹریوں پر قبضہ کر لیا۔ اور چنیوٹ (ضلع جھنگ) کے قریب ایک غیر آباد سرکاری زمین کا کافی حصہ کوڑیوں کے مول نوے سالہ لیز پر حاصل کر کے اپنا ایک مستقل اڈہ قائم کر لیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے اراکین میں سے نہ تو کوئی حکومت کے کسی عہدہ پر متمکن تھا اور نہ ہی ان

میں سے کوئی وزارت کی کرسی پر فائز تھا۔ظاہر ہے کہ ان حالات میں مبلغین تحفظ ختم نبوت اپنے لئے یا جماعت کے لئے کیا کر سکتے تھے؟اور قادیانیوں کے مقابلہ میں دنیاوی اثر و اقتدار میں ان کا کیا حصہ ہوسکتا تھا۔قادیانیوں کے اثر و اقتدار نے یہاں کے عام مسلمانوں اور بالخصوص مہاجرین کو معاشی طور پر بری طرح کمزور کیا اور غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد پر قبضہ کر کے وہ ہاتھ رنگے۔کہ ''وارے نیارے ہوگئے'' اور یہ بات ہم نہیں کہہ رہے۔بلکہ قادیانیوں کے امیر مرزا البشیر الدین محمود نے اپنے ایک خطبہ میں اس امر کا خود اعتراف کیا کہ ''ہمارے آدمی اب اچھی طرح آباد ہوگئے ہیں اور میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ بعض آدمی ہندوستان میں خوانچہ فروش تھے۔مگر یہاں پاکستان میں اب وہ بڑے بڑے کارخانوں کے مالک ہیں ہمارے کئی آدمی وہاں نان جویں کو ترستے تھے۔مگر یہاں اب ان کے قبضے میں دو دو کاریں ہیں اور وہ بنگلوں میں رہتے سہتے ہیں۔قادیانی اس طرح لوٹ کھسوٹ میں مشغول تھے۔اور بے چارے مسلمانوں کو انتہائی بے کسی کے عالم میں سر چھپانے کے لئے جھونپڑی میسر نہ آرہی تھی۔

مسلمانوں کی معاش و اقتصاد پر قادیانی ڈاکہ

چنانچہ قادیانیوں نے مسلمانوں کی معاشی بدحالی اور اقتصادی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سرمائے کی امداد اور الاٹمنٹ کا لالچ دے کر مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کی جدوجہد شروع کردی۔اور مرزائی مبلغین نے سادہ لوح مسلمانوں کا ناک میں دم کردیا۔پاکستان کے مختلف علاقوں سے جماعت کے شعبہ تبلیغ کے نام بے شمار خطوط آنے لگے اور انہیں دعوت دی جانے لگی کہ جس قدر ممکن ہوسکے یہاں کے مسلمانوں کو قادیانی گروہ کی خلاف اسلام تبلیغی سرگرمیوں سے بچایا جائے۔

ادھر حال یہ تھا ہمارا نظام تبلیغی نظام معطل ہو چکا تھا۔مبلغین حضرات ملک کے مختلف حصوں میں اپنی آباد کاری کے لئے ضروری انتظامات میں مشغول تھے۔اور ادھر مسلمانوں کا مطالبہ شدت اختیار کر رہا تھا قادیانی گروہ مسلمانوں کے ایمان پر پوری قوت کے ساتھ ڈاکہ ڈال رہا ہے۔خدا کے لئے اس سے بچاؤ کی صورت پیدا کیجئے۔

چنانچہ ابتدا میں مولانا محمد حیات فاتح قادیان کو ملتان آنے کی دعوت دی گئی۔

مولانا محمد حیات، چونکہ ان دنوں ریاست خیر پور میرس میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مستاجری پر زمین لے کر بسر اوقات کر رہے تھے اور یہاں کسی کے پاس یہ نظام قائم کرنے کے لئے کوئی فنڈ موجود نہ تھا اس لئے طے کیا گیا کہ مولانا محمد حیاتؒ جس طرح بھی ہو سکے ملتان تشریف لے آئیں۔

اور خیر پور میں ان کی جگہ کاشتکاری کا کام کرنے کے لئے ایک آدمی ملازم رکھ دیا جائے اس طرح تیس روپیہ ماہوار مولانا محمد علی جالندھریؒ نے اپنے ذمہ لے کر ایک آدمی کا انتظام کر دیا اور مولانا محمد حیات تبلیغی نظام میں کام کرنے کے لئے ملتان پہنچ گئے۔

ان کی آمد پر جماعت کا با قاعدہ دفتر قائم کرنے کے لئے حضرت امیر شریعتؒ نے ایک مکان کرایہ پر لے کر دفتر کا قیام کر دیا۔ ابھی اس سلسلہ میں کوئی خاص انتظام بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ملک کے گوشے گوشے سے یہ آواز بلند ہونے لگی کہ مرزائیوں کی خلاف اسلام تبلیغ مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کر رہی ہے۔ ان دنوں مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ کے مدرسہ جامعہ محمدیہ حسین آگاہی ملتان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ خیر المدارس سے بھی دورہ حدیث سے فارغ ہو چکے تھے۔

چنانچہ وہ بھی اس جماعت میں شریک ہو گئے اور با قاعدہ طور پر تبلیغی کام شروع کر دیا۔ نومبر 1949ء میں اس تبلیغی مشن سے عوام کو روشناس کرانے کے لئے ملتان میں آل پاکستان ختم نبوت کانفرنس منعقد کی گئی۔ اور مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے نام پر قائم ہونے والی جماعت کا اعلان کیا گیا۔ اور 1953ء میں جن جماعتوں نے آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر تحریک میں حصہ لیا مجلس ان میں سرفہرست ہے۔ تحریک کے خاتمہ کے بعد جسٹس منیر کی سربراہی میں جو کمیشن مقرر ہوا۔ مجلس اس کمیشن کے سامنے فریق کی حیثیت سے پیش ہوئی بلکہ اس سے بڑھ کر جسٹس منیر نے جن اداروں کو فریق بنایا۔ ان میں چوتھے نمبر پر مجلس عمل (مقرر کردہ مجلس تحفظ ختم نبوت پنجاب) کا تذکرہ ہے۔ (انکوائری رپورٹ ص 3)

مجلس کا تبلیغی نظام

پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے صرف فریضہ تبلیغ ہی اپنی امت کے لئے چھوڑا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اس کام کے لئے تاکید فرمائی ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ○

اور دوسری جگہ امت محمدیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ○

''یعنی تم میں سے ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری ہے کہ جو لوگوں کو نیکی کی دعوت دے۔ لوگوں کو اچھے کاموں کی طرف متوجہ کرے۔ اور برے کاموں سے روکے۔''

علاوہ ازیں خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بار بار تاکید فرمائی چونکہ نبوت و رسالت کے تمام سلسلے منقطع ہو گئے ہیں اب اشاعت اسلام اور دین کی تبلیغ دین کا کام امت محمدیہ کے ذمہ عائد ہو گیا ہے۔ اس وقت تمام باطل فرقوں کے لوگ اپنے عقائد و نظریات کی اشاعت میں دن رات صرف کر رہے ہیں اور مسلمان اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت سے بالکل غافل ہیں۔ دوسروں کا حال یہ ہے کہ مثلاً پاکستان کے سابق وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خاں کو کراچی میں تقریر کرنے سے سابق وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے جب منع کیا تو ظفر اللہ خاں نے جواب دیا کہ میں اپنے عہدہ سے مستعفی تو ہو سکتا ہوں لیکن اپنی جماعت کے اجتماع میں تقریر کرنے سے ہرگز نہیں رک سکتا۔

اور ادھر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ ہمارا ذمہ داران حکومت اور صاحب اقتدار لوگ اسلام کی تبلیغ کرنے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کے اکثر مقامات ایسے بھی ہیں جہاں کے مسلمان نماز روزہ سے بھی ناواقف ہیں اور برادریوں کی رسومات قبیحہ میں الجھ کے رہ گئے ہیں اور کئی علاقے ایسے بھی ہیں جہاں کے لوگ دین کی بات تک سننا پسند نہیں کرتے۔ اور کئی ایسے بھی ہیں جو اپنے اندر یہ استطاعت نہیں رکھتے کہ کسی مبلغ کو بلا کر اس کے اخراجات کا بوجھ برداشت کر سکیں۔ اس طرح وہاں تبلیغ کے تمام راستے بالکل مسدود ہیں۔

تبلیغ اسلام کے لئے ایک ایسی جماعت کی سخت ضرورت تھی کہ جو اپنے اخراجات پر علماء کرام اور مبلغین بھیج کر اشاعت اسلام کی خدمت انجام دے۔ تاکہ وہ ملک کے ایسے تمام

علاقوں میں خود پہنچیں اور وہاں ان کی خدمت کے لئے رقم خرچ کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔

چنانچہ امیر شریعتؒ کی سرپرستی وامارت میں مجلس تحفظ ختم نبوت نے ایک تبلیغی نظام قائم کر کے اس کمی کو باحسن طریق پورا کر دیا۔ اور اپنے خرچ پر مبلغین کی ایک بڑی جماعت پاکستان کے مختلف علاقوں میں مقرر کر دی۔ مبلغین اپنے جماعتی اخراجات پر ہر جگہ جا کر تبلیغ اسلام کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تبلیغ کا نتیجہ

1954ء میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی تنظیم جدید کی گئی تھی۔ 1953ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں اگر حکومت اس کے دفاتر کو بند اور اس کے سامان کو اپنے قبضہ میں نہ لیتی تو یہ جماعت بڑی مضبوط ہو جاتی ان دنوں ملک میں جماعت کے لئے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ جماعت اپنے خرچہ پر اپنا کوئی مبلغ بنگال یا باہر کسی دوسرے ملک میں بھیج دیتی مگر تحریک کے دوران میں اس جماعت کے روپے سامان اور دیگر ضروری کاغذات حکومت نے اپنے قبضہ میں لے لئے اس طرح جماعت کی ترقی کو زبردست نقصان پہنچا۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ و دیگر علماء کی سرپرستی

ملتان کے مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ کے موقع پر پاکستان کے چیدہ چیدہ اور ممتاز علماء کرام مشائخ عظام ہمیشہ تشریف لاتے رہے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت سے قبل حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ مفتی محمد شفیع دیوبندی اور مولانا شبیر علی تھانوی بھی تشریف لائے۔ ضرورت تبلیغ کے موضوع پر ان سب حضرات سے تبادلہ خیالات کیا گیا۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ بخاریؒ بھی اس گفتگو میں شریک تھے۔ ان حضرات کے سامنے مجلس تحفظ ختم نبوت کی تبلیغی خدمات کی مختصر روئیداد پیش کی گئی۔ چنانچہ ان حضرات نے جماعتی امداد کے لئے اپنے تعاون کا یقین دلایا اور تبرکاً ایک ایک روپیہ عنایت فرما کر مجلس کی رکنیت قبول کرنے کا شرف بخشا۔

جیل سے رہائی کے بعد

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے مرکزی دفتر واقع ملتان کا تمام سامان پولیس نے

اپنے قبضہ میں لے کر دفتر پر قبضہ کرلیا۔ حالانکہ مجلس نے کئی ماہ تک کے لئے مالک مکان کو پیشگی کرایہ ادا کردیا تھا۔ دفتر میں پولیس کا ایک ذمہ دار افسر رہائش پذیر ہوگیا۔

اور اس طرح یہ دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت کو آج تک نہیں مل سکا ان حالات کے پیش نظر مجبوراً مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کو اپنا دوسرا دفتر کرایہ پر لینا پڑا۔ مجلس کے دفتر کے قیام کے بعد باقاعدہ طور پر جماعتی کام شروع کردیا گیا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا نصب العین

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے اپنا دستور شائع کر کے اپنے اغراض و مقاصد اور طریق کار کا واضح اعلان کردیا۔

☆ مگر اجمالی طور پر مجلس کا نصب العین اور طریق کار حسب ذیل ہے۔

1۔ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا دائرہ عمل صرف تبلیغ دین اور اشاعت اسلام تک محدود ہوگا۔ اس مجلس کے اراکین و مبلغین ملک کی مروجہ سیاسیات یعنی الیکشنی سرگرمیوں اور جنگ اقتدار میں من حیث الجماعت قطعاً کوئی حصہ نہیں لیں گے۔

2۔ وہ ملکی مفاد کے خلاف کسی قسم کے تشدد یا بغاوت میں قطعاً شریک نہ ہوں گے۔

3۔ مجلس کی بنیادی پالیسی (نصب العین اور اغراض و مقاصد) میں اراکین کی اکثریت بھی کسی وقت کسی قسم کی تبدیلی نہ کر سکے گی۔

4۔ مجلس کا مالی سال محرم سے شروع ہوگا اور ذی الحجہ پر ختم ہوگا۔ مجلس کے آمد صرف کا حساب و کتاب باقاعدہ آڈٹ کرانے کے بعد شائع ہوا کرے گا۔

5۔ جو لوگ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے اغراض و مقاصد اور نصب العین سے متفق ہوں۔ لیکن وہ کسی وجہ سے مجلس کی شرائط رکنیت پوری نہ کر سکتے ہوں تو وہ مجلس کے معاون کہلائیں گے۔

☆ مجلس تحفظ ختم نبوت کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

1۔ تبلیغ و اشاعت اسلام

2۔ اصلاح عقائد و اعمال۔ تربیت اخلاق

اور بالخصوص تحفظ عقیدہ ختم نبوت جس کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کئے جائیں گے۔

(1) مبلغین و داعیان اسلام کا تقرر
(2) شعبہ نشر و اشاعت کا قیام
(3) دینی مدارس کا قیام اور ان کی تنظیم
(4) تعلیم بالغان
(5) تعلیم نسواں

انتخاب

مجلس کا دستور منظور ہونے اور موجودہ اراکین نے فارم رکنیت پر کر کے با قاعدہ ممبر بننے کے بعد فیصلہ کیا کہ مجلس کا عارضی انتخاب عمل میں لایا جائے۔

چنانچہ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے صدر مرکزی منتخب کئے۔ آپ نے دستوری قواعد و ضوابط کے تحت مرکزی مجلس شوریٰ کے لئے مندرجہ ذیل حضرات اراکین شوریٰ نامزد کئے۔

(1) مولانا محمد علی جالندھریؒ
(2) مولانا عبدالرحمن میانوی
(3) مولانا لال حسین اخترؒ
(4) مولانا تاج محمودؒ لائل پور
(5) مولانا محمد یوسف مجاہد مظفر گڑھ
(6) مولانا محمد رمضانؒ میانوالی
(7) مولانا نذیر حسین پنوں عاقل (سندھ)
(8) مولانا علاؤالدین ڈیرہ اسماعیل خان
(9) حافظ محمد شریف ملتان
(10) ماسٹر اختر حسین ملتان

شاہ جیؒ تا زیست مجلس کے امیر رہے۔ آپ کی وفات کے بعد خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا لال حسین اخترؒ (چھ ماہ کے لئے) فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ۔ شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔

یکے بعد دیگرے مجلس کے مرکزی امیر رہے۔ اس وقت ان حضرات کی سیادت اور مجلس کی قیادت شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف فرما رہے ہیں۔

مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت ایک ہی کام کے دو نام

⊙...... نبیرۂ امیر شریعتؒ، سید کفیل شاہ بخاری لکھتے ہیں:

''۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت برپا ہوئی، سفاک و ظالم جنرل اعظم خان نے مارشل لاء لگا دیا۔ بدترین ریاستی تشدد کے ذریعے ہزاروں سرفروشانِ احرار اور فدایان ختم نبوت کو گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کیا گیا۔ تمام رہنما قید کر لئے گئے۔ بظاہر تحریک کو تشدد کے ذریعے کچل دیا گیا۔ مجلس احرار اسلام کو خلافِ قانون قرار دے کر ملک بھر میں احرار کے تمام دفاتر سربمہر اور ریکارڈ قبضہ میں لے کر تلف کر دیا گیا۔ زعماءِ احرار چین سے بیٹھنے والے کہاں تھے۔

۱۹۵۴ء میں قید سے رہا ہوئے تو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ حسام الدینؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد حیاتؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ اور دیگر احرار رہنما سر جوڑ کر بیٹھے۔

مجلس احرار اسلام پر پابندی کے باوجود تحفظ ختم نبوت کے مشن کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ستمبر ۱۹۵۴ء میں احرار کی شیرازہ بندی کر کے اور شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کو بحال کر کے مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام سے کام کا آغاز کیا گیا۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۲ء تک مجلس احرار خلافِ قانون رہی۔

لہٰذا مجلس تحفظ ختم نبوت کے نامِ خوش نام سے احرار سرگرم عمل رہے۔ ۲۱ راگست ۱۹۶۱ء کو حضرت امیر شریعتؒ کا انتقال ہو گیا۔ ۱۹۶۲ء میں ایوب خان سے سیاسی جماعتوں سے پابندیاں اٹھائیں تو جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاریؒ نے احرار کے احیاء کا اعلان کیا اور ضیغمِ احرار شیخ حسام الدینؒ کی قیادت میں احرار پھر سرگرم ہو گئے۔ احیاء احرار کا مشورہ دینے والوں میں حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ بھی شامل تھے۔

مجلس احرار اسلام سیاسی اور عوامی میدان میں قادیانیوں اور قادیانی نواز قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہوئی تو مجلس تحفظ ختم نبوت تبلیغی محاذوں پر قادیانیوں کا محاسبہ اور تعاقب کرنے لگی۔

مجلس احرار اسلام اور مجلس تحفظ ختم نبوت ایک ہی کام کے دو نام ہیں۔ ان میں گل و

بلبل کا رشتہ ہے۔ مجلس احرار اسلام کی مثال گل ہے تو مجلس تحفظ ختم نبوت کی بلبل اور یہ بلبل گلستان احرار کے ہر گل سے لطف اندوز ہوتی رہی ہے۔

''احرار کا قافلہ تحفظ ختم نبوت'' ص ۴، ص ۵
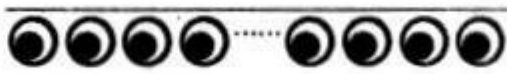
باب چہارم

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں قائدانہ کردار

- ۱۹۵۳ء قادیانی دھمکیوں کا سال
- تحریک میں قائدانہ کردار
- تحریک کا پس منظر
- کراچی کنونشن کے فیصلے
- منیر انکوائری کمیشن
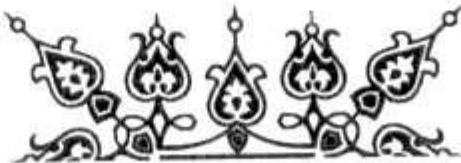
1952ء قادیانی دھمکیوں کا سال

1952ء قادیانیوں کی دھمکیوں اور اشتعال انگیزیوں کا سال تھا۔ مرزا محمود نے 1952ء کے شروع میں یہ اعلان کرادیا کہ اگر ہم ہمت کریں تو تنظیم کے ساتھ محنت سے کام کریں تو 1952ء میں انقلاب برپا کرسکتے ہیں۔ آگے چل کر کہا کہ 1952ء کو گذرنے نہ دیجئے۔ جب تک احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے۔ احمدیت مٹائی نہیں جاسکتی۔ اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کے آغوش میں آگرے۔[1]

25، 26، 27، دسمبر 1952ء چنیوٹ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں تقریباً تمام مقتدر احرار رہنما موجود تھے۔

یہ اجلاس 1952ء کے اختتام پر منعقد ہو رہا تھا۔ اس میں قادیانیوں کی سال بھر کی ریشہ دوانیوں مثلاً واہ فیکٹری سے اسلحہ چرانا، بارود کی بہت بڑی مقدار ربوہ میں لانا۔ جی ایچ کیو پنڈی میں خفیہ سازشوں کا سلسلہ، مرزائی افسروں کا تبلیغی نیٹ ورک اور مرزائیوں کی حمایت میں جارحانہ اندازِ کار۔ ریلوے کا سامان لوٹ کھسوٹ کے ساتھ ریل ہی کے ذریعے ربوہ پہنچانا وغیرہ تمام امور پر غور وخوض ہوا لیکن خاص توجہ دستور کے مسئلہ پر اور بی بی سی رپورٹ سے پیدا ہونے والی صورت حال پر دی گئی۔

اجلاس میں شیخ حسام الدین مرحوم نے بی بی سی رپورٹ سے ممبران عاملہ کو آگاہ کیا کہ ملک کے لئے دستور بنانے کے سلسلے میں بنیادی اصولوں کو طے کرنیوالی کمیٹی نے ملک کے لئے

---

1 الفضل 16 جنوری 1952ء

جداگانہ طریقہ انتخاب تجویز کیا ہے۔ جداگانہ انتخابات کی صورت میں اقلیتوں کے حقوق متعین ہوتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس میں اقلیتوں اور ان کی نمائندگی وغیرہ کا ایک شیڈول بھی شامل کیا ہے۔ اس شیڈول میں ہندوؤں، عیسائیوں، پارسیوں وغیرہ کو اقلیت تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن مرزائیوں کو اس شیڈول میں درج نہیں کیا گیا۔ جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بی بی پی نے مرزائیوں کو مسلمان تسلیم کرتے ہوئے انہیں سواد اعظم کا حصہ قرار دے دیا ہے۔ احرار نے اس سلسلہ میں اچھی طرح غور کیا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ قادیانیوں کو مسلمانوں میں شامل کرنے سے مذہب کے علاوہ ملک کی سیاست پر بھی مہلک اور گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ جب بھی انتخابات ہوں گے تو ملکی دستور کے تحت قادیانیوں کو بھی حق حاصل ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی نشستوں سے کھڑے ہوں۔ علمائے اسلام اور دیندار مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس غلط سوچ کی مخالفت کریں کیونکہ اگر اس کا تدارک نہ ہوا تو یہ چیز ہمیشہ گڑ بڑ اور امن و امان کا مسئلہ پیدا کرتی رہے گی۔ جب کہ دینی اعتبار سے قادیانی مسلمانوں کی نشست سے کھڑا ہونے کے مجاز نہیں۔[1] چنیوٹ میں منعقد ہونے والے اجلاس اور اس میں زیر بحث آنے والے مسائل کا تمام شرکاء اجلاس پر گہرا اثر ہوا۔ کانفرنس میں شاہ جیؒ کی تقریر نے معاملہ کی اہمیت کو دو چند کر دیا۔

امیر شریعت کا سال

- 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے پس منظر کے حوالہ سے مولانا تاج محمود رقمطراز ہیں:

"ساری صورت حال پر غور کرنے کے بعد اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا کہ اب وعظ و نصیحت کو چھوڑ دیا جائے۔ اس لئے کہ اتمام حجت ہو چکا ہے۔

اب مزید وقت ضائع کئے بغیر اسلامیان پاکستان کو اپنا صحیح فرض ادا کرنا چاہئے۔

یہ فیصلہ شرکائے اجلاس تک محدود رہا۔ اس کی تفصیلات سے کسی کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ البتہ مقررین کا انداز بیان بدل گیا۔ اسی چنیوٹ کانفرنس کے آخری اجلاس میں شاہ جیؒ کی معرکہ آرا تقریر ہوئی۔

دسمبر کی آخری تاریخیں تھیں۔ دو تین روز بعد نیا سال شروع ہونے والا تھا۔ شاہ

---

1. ہفت روزہ لولاک جلد نمبر 9 شمارہ نمبر 40، 10، 1 مئی 1972ء

جیؒ نے مرزا محمود کی اس دھمکی کا جس میں اس نے کہا تھا کہ 1952ء گزرنے سے پہلے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ دشمن ہمارے قدموں میں گرنے پر مجبور ہو جائے گا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مرزا محمود 1952ء تیرا تھا جو گزر گیا۔ اب 1953ء میرا سال ہے۔ سامعین میں اس تقریر سے انتہائی جوش و خروش پیدا ہو گیا اور وہ اجمالاً سمجھ گئے کہ اب جماعت کوئی اقدام کرنے والی ہے۔

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی 1953ء کا سال شاہ جیؒ کا تھا۔"

تحریک ختم نبوت 1953ء میں قائدانہ کردار

تحریک کا اجمالی جائزہ

پاکستان کا وجود عطیہ الٰہی اور اس کا قیام عالم اسلام کے لئے باعث تقویت تھا۔ جغرافیائی محل وقوع، قدرتی آب وہوا، علاقائی اہمیت، اپنی مذہبی، سیاسی، دینی اور ثقافتی اقدار کے لحاظ سے پاکستان غیر معمولی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس کے معرض وجود میں آنے کے ساتھ ہی وطن عزیز سازشوں ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ پہلی کابینہ میں پاکستان کا نظریاتی دشمن چوہدری ظفر اللہ خان بطور وزیر خارجہ شامل تھا۔ بانی پاکستان محمد علی جناح جلد ہی داغ مفارقت دے گئے۔ اپنی زندگی میں وہ کھوٹے سکوں کا اعتراف بھی کر گئے۔ وزیراعظم لیاقت علی خان، ظفر اللہ خان کی وطن دشمن سرگرمیوں اور سامراجی آقاؤں سے وفاداری بشرط استواری کی قادیانی پالیسی سے باخبر ہو چکے تھے۔ انہوں نے سامراجی مہرے کو نکالنے کا تہیہ کر لیا تھا لیکن ظفر اللہ خان کا کھونٹا اتنا مضبوط تھا کہ لیاقت علی خان انہیں نکالنے سے پہلے ہی ٹھکانے لگا دیئے گئے۔ ان کے بعد خواجہ ناظم الدین حکومت کے متولی بنے۔ وہ بلاشبہ شریف النفس، نیک، معتدل مزاج تھے لیکن اختیارات کے لحاظ سے بے دست وپا وزیراعظم تھے۔ نام کے ناظم۔ حکومت کے عملی ناظم نہ بن سکے۔ لیاقت علی خان کو راہ سے ہٹانے کے بعد ظفر اللہ خان کی سرکردگی میں پاکستان کو قادیانی سٹیٹ بنانے کی سازشوں کو عملی شکل دینے کا کام شروع ہو گیا۔ سامراجی آقاؤں کی سرپرستی اور آشیرباد کی بدولت قادیانی جماعت اپنے آپ کو اقتدار کا وارث سمجھنے لگی تھی۔ اس لئے کہ اب ان کی راہیں ہموار تھیں۔ مزاحمت ورکاوٹ کا کوئی سا امکان انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ قیام پاکستان کے

بعد احرار کے سرخیل سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ملتان آبسیرا کیا۔ برصغیر کی تقسیم، غریب الوطنی، مہاجرت، جماعتی تعطل سیاسی کنارہ کشی، بیماری اور بڑھاپے کے باعث شاہ جیؒ جیسی باغ و بہار شخصیت ایک بے کیف زندگی گزار رہی تھی۔ غالباً دسمبر 1948ء میں فوج اور وزارت خارجہ کے اعلیٰ افسران حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے قادیانیوں کے حکومتی اثر و رسوخ اور وطن دشمن سرگرمیوں سے آپ کو آگاہ کیا۔ دردمند افسروں نے عرض کیا کہ ماضی کی روایات کے تحت ہماری نظر انتخاب میں آپ سے زیادہ موزوں اور کوئی شخصیت نہیں۔ انہوں نے شاہ جیؒ سے التجا کی کہ کچھ کریں ورنہ یہ ملک قادیانی ریاست بن جائے گا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے عمرِ رفتہ کو یاد کر کے ایک آہ بھری اور تفکرات کی دنیا میں ڈوب گئے۔

☆...... اس ملاقات کی روائیداد آغا شورش کاشمیریؒ لکھتے ہیں:

"لیفٹیننٹ کرنل نے اپنے ایک سی ایس پی دوست کے ہمراہ شاہ جی سے ملاقات کی اور بیان کیا کہ ہم پاکستان سے پہلے قادیانیت سے متعلق علماء کے تعاقب کو فی الواقعہ ایک فضول مذہبی جھگڑا سمجھتے تھے۔ آپ لوگ جب قادیانیت کے متعلق لمبے لمبے وعظ کرتے تو خیال آتا کہ یہ جھمیلے ملائیت کی خصوصیت ہیں یا احرار کی افتاد طبیعت کہ وہ ذہنی طور پر مشغول رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد جو حقائق ہمارے مشاہدے میں آئے ہیں اور جن تجربوں سے ہم گذرے ہیں وہ اتنے سنگین ہیں کہ پاکستان کی درجہ اوّل کی لیڈر شپ کے بعد۔"

(1) اپنی موجودہ اہمیت کھو بیٹھے گا اور اس کا کوئی دوسرا نقشہ ہوگا۔

(2) یا ہندوستان کی طرف کسی نہ کسی شکل میں پلٹ جائے گا۔

(3) یا اس کی حیثیت ایک مرزائی ریاست کی ہوگی۔

ان تینوں میں جو شکل جس طرح قائم ہوگی اس کے پس منظر میں مرزائی ہوں گے۔"[1]

تحریک 1953ء سے پاکستان ایک خطرے سے بچ گیا

قیام پاکستان کے بعد احراری جماعتی حیثیت کا روائتی طنطنہ اور بانکپن برقرار نہ رکھ

1. تحریک ختم نبوت ص 87 شورش کاشمیری

سکے۔اس کی ایک وجہ تو قیام پاکستان کی مخالفت تھی دوسرا سیاست کو عبادت سمجھنے والے اب نئے سیاسی ماحول کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ادھر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ذہن میں قادیانی اثر ورسوخ سے متعلق فکر مندی ان کے دل کا روگ بنتی جا رہی تھی۔شاہ جیؒ نے عمر بھر کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔انہیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ اگر احرار نے اپنا سیاسی وجود برقرار رکھا تو قادیانیوں کے خلاف کامیاب تحریک نہ چلا سکیں گے۔چنانچہ احرار نے ووٹ اور نوٹ کی سیاست سے دست کش ہو کر استحکام پاکستان اور صرف تبلیغی سرگرمیوں کو اپنا نصیب العین بنایا۔اس مقصد کے لئے انہوں نے مسلم لیگ کا حریف بننے کی بجائے حلیف بننے کو ترجیح دی۔رقابت محبت میں ہو یا سیاست میں دوسرے کو برداشت کرنا ممکن نہیں۔احرار مسلم لیگ کی نظر میں رقیب تھے اور معتوب بھی۔سیاسی تشخص کی قربانی کے باوجود مسلم لیگ احرار سے خائف رہی اور حاسد بھی لیاقت علی خاں کی شہادت کے سانحہ کے بعد قادیانی جماعت منہ زور گھوڑے کی مانند ہو چکی تھی۔تحریکیں بنانے اٹھانے اور پروان چڑھانے والے احراری پھول کے پتوں کی طرح بکھرے پڑے تھے۔ایسے مایوس کن حالات میں احرار کی منتشر قوت کو مجتمع کر کے مرزائیت کے خلاف صف آرا کرنا اور تمام مکاتب و مسالک کو یکجا کرنا حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے رفقاء کا عظیم کارنامہ تھا۔شاہ جیؒ اگرچہ اب عمر کے اس حصے میں تھے کہ ان کے اعصاب اور جسم دونوں تھک چکے تھے۔احراریوں کی اٹھائی ہوئی تحریک ختم نبوت کے نتیجہ میں پاک وطن پر اقتدار کا غلبہ حاصل کرنے والی برطانوی سامراج کی ایجنٹ اقلیت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

1953ء کی تحریک نتائج کے لحاظ سے اگرچہ کامیاب نہ ہو سکی لیکن مقاصد کے اعتبار سے اس تحریک کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔اس تحریک کے نتیجہ میں پاکستان ایک بہت بڑے خطرے سے محفوظ ہو گیا۔

ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور
رستے میں جو کھڑا تھا وہ کوہسار ہٹ گیا

تحریک کا پس منظر

قادیانی جماعت مدت سے دیکھے جانے والے اقتدار کے خواب کی عملی تعبیر کے لئے بے تاب تھی۔ قادیانی ذریت کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ حکومت ان کی جھولی میں اور اقتدار ان کے قدموں میں گرنے والا ہے۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین نے اپنے سالانہ جلسہ دسمبر 1951ء میں دھمکی دیتے ہوئے کہا:

☆ "وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ (مخالفین ومنکرین) مجرموں کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش ہوں گے۔"

☆ "1952ء گزرنے نہ پائے کہ دشمن پر احمدیت کا رعب غالب آجائے اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آگریں"۔[1]

☆ "ہاں آخری وقت آن پہنچا ہے ان علمائے حق کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو یہ علمائے سو قتل کراتے آئے ہیں اب ان کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔

(1) سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (2) ملا محمد شفیعؒ، (3) ملا عبدالحامد بدایونیؒ، (4) ملا مودودیؒ، (5) احتشام الحق تھانویؒ۔[2]

ظفر اللہ خان کی شر انگیزی

دینی حلقوں کی طرف سے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین کے دھمکی آمیز بیانات اور چوہدری ظفر اللہ خان کی جارحانہ سرگرمیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ خواجہ ناظم الدین مسلسل ملک غلام محمد، فیروز خان نون اور سکندر مرزا کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے تھے۔ موصوف لیاقت علی خان کے انجام سے باخبر بھی تھے۔ امریکی خوشنودی کے پیش نظر ان میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ وہ قادیانی جماعت کے رہنماؤں کو کچھ کہہ سکتے۔ وزیر اعظم کی حیثیت سے انہوں نے مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے کوئی سا اقدام نہ کیا۔ 17 مئی 1952ء کو

1۔ روزنامہ الفضل ۱۱ جولائی ۱۹۵۱ء

2۔ الفضل ۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء

چوہدری ظفر اللہ خان نے جہانگیر پارک کراچی میں جلسہ عام کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس سے مسلمانوں میں اضطراب کا پھیلنا ایک فطری امر تھا۔ خواجہ ناظم الدین نے انٹیلی جنس بیورو کی رپورٹ پر ظفر اللہ خان کو جلسہ گاہ میں نہ جانے کا مشورہ دیا لیکن چوہدری صاحب کے ہوا گھوڑے پر سوار تھے۔ وہ اپنے وزیر اعظم کو خاطر میں نہ لائے اور یہ دھمکی دی کہ اگر وزیر اعظم مصر ہوں تو وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کے لئے تیار ہیں۔ قبل ازیں خواجہ ناظم الدین کو امریکی وزیر خارجہ تاثر دے چکے تھے۔ کہ اگر چوہدری ظفر اللہ خان کو راضی نہ رکھا گیا تو امریکہ پاکستان کو گندم مہیا کرنے سے معذور ہوگا۔ اس بات کا انکشاف خواجہ صاحب نے تحقیقاتی کمیٹی کے روبرو کیا تھا۔ یاد رہے کہ اس زمانہ میں پاکستان اپنی غذائی جنس (گندم) کے حصول میں امریکہ کا محتاج تھا۔ چوہدری ظفر اللہ پولیس اور قادیانی فورس کے پہرہ میں جہانگیر پارک کی جلسہ گاہ میں پہنچے۔ ان کی آمد پر ہنگامہ ہوا۔ مسلمانوں نے احتجاج کیا چوہدری ظفر اللہ نے تقریر میں کہا:

> ''احمدیت ایک ایسا پودا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود لگایا ہے اب یہ جڑ پکڑ چکا ہے۔ اگر یہ پودا اکھاڑ پھینکا گیا تو اسلام ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے باقی نہ رہے گا۔ بلکہ ایک سوکھے درخت کی مانند ہو جائے گا۔ دوسرے مذاہب پر اپنی برتری کا ثبوت مہیا نہ کر سکے گا۔''[1]

اس تقریر پر ردِ عمل ہوا اور کراچی میں فساد ہو گیا۔ ملک بھر میں جلسے جلوسوں اور کانفرنسوں کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ سر ظفر اللہ خان کو وزارت سے الگ کرنے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے مطالبات زور پکڑ گئے۔ مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر نے سر ظفر اللہ خان کی تقریر سے پیدا ہونے والی صورت حال پر غور کرنے اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے کے لئے تمام مکاتب فکر کے علماء کا اجلاس بلایا۔ یہ اجلاس 3 جون 1952ء کو سوفیکل ہال کراچی میں زیر صدارت مولانا سید سلیمان ندوی منعقد ہوا۔ اجلاس کا دعوت نامہ جاری کرنے والوں میں مولانا لال حسین اختر (مجلس احرار) مولانا احتشام الحق تھانوی (دیوبندی) مولانا حامد بدایونی (بریلوی) مولانا محمد یوسف (اہلحدیث) مفتی جعفر حسین مجتہد (شیعہ)

1۔ منیر انکوائری رپورٹ ص 77 اُردو

شامل تھے۔ شرکائے اجلاس نے درج ذیل مطالبات متفقہ طور پر مرتب کئے۔

(1) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

(2) سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے الگ کیا جائے۔

(3) تمام کلیدی آسامیوں سے قادیانی افسروں کو علیحدہ کیا جائے۔

13 جولائی کو ہی برکت علی محمڈن ہال لاہور میں پنجاب کی تمام دینی و سیاسی جماعتوں کا عظیم اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں 3 جون کے مرتب کردہ مطالبات کی حمایت کر دی گئی اور آل پارٹیز مسلم کنونشن بلانے پر زور دیا گیا۔ 13 جولائی کے بعد حکومت نے کنونشن کے منتظمین شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور سید عنایت شاہ بخاری کو گرفتار کر لیا۔

ملتان میں چھ آدمیوں کی شہادت نے جلتی پر تیل کا کام کیا

☆...... گرفتاری کے خلاف اہل ملتان نے 18 جولائی کو احتجاجی جلوس نکالا تو پولیس نے فائرنگ کر کے چھ افراد شہید اور دس کو زخمی کر دیا۔

☆...... وسط جولائی میں مولانا اختر علی خان ایڈیٹر ''زمیندار'' نے خواجہ ناظم الدین اور دوسرے وزراء سے ملاقاتیں کیں۔

☆...... اور انہیں اہل اسلام کے مطالبات اور عوامی جذبات سے آگاہ کیا۔ خواجہ ناظم الدین نے مولانا کو یقین دہانی کرائی کہ وہ 14 اگست 1952ء کو خصوصی خطاب میں مطالبات تسلیم کرنے کا اعلان کر دیں گے۔

☆...... 13 اگست 1952ء کو ایک وفد نے خواجہ صاحب سے ملاقات کر کے مطالبات تحریری طور پر پیش کئے۔

اسی اثناء میں سر ظفر اللہ خان چناب نگر (ربوہ) آئے اور قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود سے مل کر تازہ صورت حال پر غور کیا۔ قادیانیوں نے اپنے آقاؤں سے مداخلت کی درخواست کی۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے امریکہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ 14 اگست کو اپنی تقریر میں مطالبات کا ذکر تک نہ کیا۔ اس وعدہ خلافی پر اسی شب آرام باغ کراچی میں مولانا احتشام الحق تھانوی (کنوینر علماء بورڈ برائے کنونشن) کی صدارت میں

احتجاجی جلسہ ہوا۔ مطالبات سے روگردانی کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا۔ اسی طرح کا احتجاجی جلسہ 23 اگست موچی دروازہ لاہور میں بھی منعقد ہوا۔ مطالبات کے حق میں سارے ملک میں جلسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ 27، 26، 25، دسمبر 1952ء چنیوٹ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تمام مکاتب فکر کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ اس موقع پر مجلس احرار اسلام کی ایگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس بند کمرے میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں مطالبات کے علاوہ بی پی سی رپورٹ پر غور کیا گیا اور قادیانی فتنہ کے سدباب کے لئے ایک عوامی تحریک کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ 18، 17، 16 جنوری 1953ء کو کراچی میں کل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں ملک بھر کے جید علمائے کرام نے شرکت کی۔ کنونشن میں درج ذیل فیصلے کیے گئے۔

کراچی کنونشن کے فیصلے

(1) خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کرنے کے لئے درج ذیل حضرات پر مشتمل وفد تشکیل دیا گیا۔ جو وزیراعظم سے ملاقات کر کے مطالبات پیش کرے۔

☆ مولانا عبدالحامد بدایونی (قائد)

☆ پیر صاحب سرسینہ شریف (مشرقی پاکستان)

☆ ماسٹر تاج الدین انصاری

☆ سید مظفر علی شمسی

(2) وزیراعظم خواجہ ناظم الدین کے رویے کو منفی قرار دے کر ''راست اقدام'' کا فیصلہ کیا گیا۔

(3) قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ کرنے کی تجویز پاس ہوئی۔

(4) اگر خواجہ ناظم الدین قادیانی وزیر خارجہ کو برطرف نہیں کرتے تو خود مستعفی ہو جائیں۔

(5) مقتدر علمائے کرام اور مختلف مذہبی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کی ایک جنرل کونسل بنائی گئی۔ جنرل کونسل نے مطالبات مسترد ہونے کی صورت میں راست اقدام کے لئے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان قائم کی۔ جنرل کونسل نے آٹھ علمائے کرام کو مجلس

عمل تحفظ ختم نبوت کا رکن منتخب کیا اور دیگر سات ارکان نامزد کرنے کا اختیار دیا۔

اس پندرہ رکنی مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے ارکان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(1) سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (2) مولانا ابوالحسنات قادری

(3) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (4) مولانا عبدالحامد بدایونی

(5) حافظ کفایت حسین (6) پیر صاحب سرسینہ شریف مشرقی پاکستان

(7) مولانا یوسف کلکتوی (8) مولانا احتشام الحق تھانوی

(9) پیر غلام مجدد سرہندی (10) مولانا نور الحسن شاہ بخاری

(11) ماسٹر تاج الدین انصاری (12) مولانا اختر علی خان

(13) مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ (14) سید مظفر علی شمسی

(15) حاجی محمد امین سرحدی[1]

مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان کا صدر بریلوی مکتب فکر کے رہنما مولانا ابوالحسنات قادری کو منتخب کیا گیا۔ جب کہ اہل حدیث مکتب فکر کے رہنما مولانا محمد داؤد غزنوی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔[2]

الٹی میٹم

مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے نامزد کردہ چار رکنی وفد نے 22 جنوری 1953ء کو خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کی اور مجلس عمل کے مذکورہ بالا مطالبات پیش کئے ایک ماہ کا الٹی میٹم دیا کہ اگر 12 فروری 1953ء تک مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو حکومت کے خلاف راست اقدام کیا جائے گا۔ وزیراعظم نے مطالبات سے ہمدردی ظاہر کی مگر انہیں تسلیم کرنے سے معذوری ظاہر کر دی۔ الٹی میٹم دینے کے بعد مرکزی مجلس عمل نے تحریک راست اقدام کے لئے ملک بھر سے کارکنوں کی بھرتی شروع کر دی۔ یہ تحریک پاکستان کی سب سے بڑی دینی اور عوامی تحریک تھی جو بڑے بڑے شہروں کے علاوہ قصبات تک پھیل گئی جس میں ہزاروں لوگوں

1. تحریک ختم نبوت 93ء شورش کشمیریؒ

2. تفصیلات ملاحظہ فرمائیں تحریک ختم نبوت 1953ء از مولانا دسایا

نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کئے اور بے شمار لوگوں کو جیلوں میں بند کر دیا گیا حتیٰ کہ مارشل لاء کے ذریعے اس تحریک کو کچل دیا گیا۔ مرکزی مجلس عمل کے رہنماؤں کا اندازہ تھا کہ اگر ایک لاکھ شمع ختم نبوت کے پروانے قید ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیں تو حکومت مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ [1]

پنجاب میں ہڑتال

الٹی میٹم سے خواجہ صاحب پریشان ہوئے تو 12 جنوری 1953ء کو بذریعہ جہاز کراچی سے سرگودھا پہنچے۔ ملک خضر حیات ٹوانہ سے ملاقات کر کے انہیں آئی آئی چندریگر کی جگہ گورنر پنجاب بنانے کی پیش کش کی جو ملک صاحب نے مسترد کر دی۔ خواجہ ناظم الدین نے اسی روز شام کو لاہور آنا تھا مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے پنجاب میں ہڑتال کی اپیل کر دی۔ مجلس عمل کے مطالبات کے حق میں ہڑتال بے حد کامیاب ہوئی۔ وزیر اعظم لاہور آئے تو ان کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا۔ اسی روز مجلس عمل کے زیر اہتمام دہلی دروازہ میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس سے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے علاوہ دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا۔ مولانا تاج محمود مرحوم اس جلسہ میں شریک تھے۔ مولانا کا کہنا تھا کہ یہ شاہ صاحبؒ کی تاریخی اور یادگار تقریر تھی۔ [2]

لاہور میں خواجہ ناظم الدین کی آمد پر ان سے مجلس عمل کا ایک چار رکنی وفد ملا۔ لیکن خواجہ صاحب اپنے جواب پر قائم رہے۔ اب تصادم ناگزیر تھا۔ مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے رہنما 22 فروری کو کراچی میں جمع ہو چکے تھے مگر تحریک شروع کرنے کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا کیونکہ مشرقی پاکستان سے مجلس عمل کے اراکین کراچی نہیں پہنچ سکے تھے۔ ملک بھر کے کارکنوں اور مقامی رہنماؤں کی نظریں مرکزی مجلس عمل کے فیصلے پر جمی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف مرکزی مجلس عمل کی ہدایت تھی کہ جب تک کراچی میں تحریک کا آغاز نہ کیا جائے۔ اس وقت تک دوسرے شہروں میں بھی تحریک شروع نہ کی جائے۔ تین چار روز مشرقی پاکستان کے نمائندوں

---

1 لولاک 20 رجون 1972ء

2 تحریک ختم نبوت

کے انتظار میں گزر گئے۔ رضا کار سخت پریشان تھے۔ انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ تحریک کیوں شروع نہیں ہو رہی۔ بالآخر 26 فروری 1953ء کو کراچی میں مجلس عمل کا فیصلہ کن اجلاس مولانا ابوالحسنات صدر مجلس عمل کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں راست اقدام کا طریقہ کار طے کیا گیا کہ پانچ پانچ رضا کار مطالبات کے بینرز اٹھا کر وزیر اعظم کی کوٹھی پر جائیں اور پر امن طور پر مظاہرہ کریں۔ اسی قسم کا مظاہرہ گورنر جنرل کی کوٹھی پر بھی جاری رکھا جائے۔ مولانا ابوالحسنات قادری کو پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا اور عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ رضا کاروں کے ساتھ مطلقاً نہ جائیں۔ [1]

26 فروری 1953ء کی رات کو آرام باغ کراچی میں مجلس عمل کے زیر اہتمام فقید المثال جلسہ منعقد ہوا جس میں تمام مکاتیب فکر کے رہنماؤں نے اعلان کیا کہ وہ باہمی اتحاد کو برقرار رکھیں گے۔ اور ہر قسم کی قربانی دیں گے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تاریخی خطاب فرمایا۔ اس جلسہ میں سکندر مرزا ڈیفنس سیکرٹری اور مرکزی حکومت کے ایک سیکرٹری مسٹر جی احمد بھی جلسہ سننے کے لئے آئے حالانکہ یہ بات پروٹوکول کے خلاف تھی۔ یہ لوگ نیک نیت نہیں تھے۔ انہوں نے آدھی رات کے بعد جاکر خواجہ ناظم الدین کو نیند سے بیدار کرا کے جلسہ رپورٹ پیش کی۔ ان دونوں حضرات کے ایما پر اسی شب کابینہ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ جس میں تحریک ختم نبوت کو کچلنے اور مجلس عمل کے رہنماؤں کو گرفتار کرنے کا احمقانہ فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ رات گئے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ابوالحسنات قادری اور ماسٹر تاج الدین انصاری، سید مظفر علی شمسی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا لال حسین اختر، صاحبزادہ فیض الحسن شاہ وغیرہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ 27 فروری کی صبح سارے ملک میں اکابر علما کی گرفتاری کی خبر پھیل گئی جس سے ہر شہر میں تحریک کا آغاز ہو گیا۔ [2]

صوبائی حکومتوں میں پنجاب کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اور پنجاب ہی درحقیقت تحریک کا گڑھ تھا۔ چنانچہ میاں محمد دولتانہ کی صدارت میں اجلاس ہوا۔ جس میں درج ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

1۔ تحریک ختم نبوت صفحہ نمبر 94 شورش کشمیریؒ

2۔ سوانح مولانا تاج محمود ص 84

-1 تحریک کے تمام سرگرم کارکنوں کو آج 27 اور 28 فروری کی درمیانی رات صوبہ بھر میں گرفتار کر لیا جائے۔

-2 لاہور کے علاوہ باقی اضلاع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو اپنی صوابدید کے مطابق زیر دفعہ پنجاب سیفٹی ایکٹ گرفتاریاں کرنی چاہئیں۔

-3 جو لوگ پنجاب سیفٹی ایکٹ میں گرفتار کر لئے جائیں۔ ان کی نظر بندی میں مناسب توسیع حکومت پنجاب کرے گی۔

-4 مرکزی کابینہ کے فیصلہ کے مطابق روزنامہ زمیندار' آزاد اور الفضل کی اشاعت ممنوع قرار دے دی گئی۔

-5 ہوم سیکرٹری صاحب نے کہا خواجہ کمال دین (قادیانی) نگران سول اینڈ ملٹری گزٹ (مرزائی اخبار) کو طلب کر کے انہیں سمجھائیں کہ وہ ان گرفتاریوں پر خوشی کا اظہار نہ کریں۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قادیانی اس پر خوشی کا اظہار کرتے تھے۔)

-6 مرزا محمود کو تنبیہ کی جائے کہ وہ اور ان کا عملہ ہر قسم کی اشتعال انگیزی سے باز رہیں۔

-7 جو رضا کار لاہور سے کراچی روانہ ہوں انہیں راستے میں گرفتار کر لیا جائے۔

-8 ہوم سیکرٹری پریس کے ذریعہ عوام کو صبر و تحمل کی تلقین کریں۔

چنانچہ ان فیصلوں کی روشنی میں مولانا محمد علی جالندھریؒ ملتان' قاضی احسان احمدؒ شجاع آباد' مولانا غلام اللہؒ راولپنڈی' مولانا عبداللہ' مولانا لطف اللہ ساہیوال' مولوی محمد اسماعیل گوجرانوالہ' مرزا غلام نبی جانبازؒ فیصل آباد' سمیت پورے صوبہ میں تحریک کے اہم راہنما گرفتار کر لئے گئے۔ [1]

ان گرفتاریوں سے پورے صوبہ میں ہڑتالیں شروع ہو گئیں۔ اور مسئلہ ختم نبوت ہر شخص کا موضوع بن گیا۔ لوگوں کو حکومتی کارروائیوں پر صدمہ ہوا۔ پورے صوبہ میں جلسے جلوس شروع ہو گئے۔ لاہور (جو تحریک کا مرکز تھا۔ مرکزی قائدین کی گرفتاری کے بعد) میں سخت مظاہرے شروع ہوئے۔ مسجد وزیر خاں سے جلسے پر جلسہ ہونے لگا۔ پورے صوبہ سے رضا کار

1۔ تحریک ختم نبوت 1953ء ص 338' 337 مصنفہ مولانا اللہ وسایا

مسجد وزیر خاں میں جمع ہونے لگ گئے ۔ قائدین عوام کو ہر جلسہ میں پُر امن رہنے کی تلقین کرتے ۔ جب تمام قائدین گرفتار ہو گئے تو مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا خلیل احمد قادری، مولانا بہاؤالحق قاسمی، چوہدری ثناء اللہ بھٹہ نے کسی طریقے سے مسجد وزیر خاں میں پہنچ کر تحریک کی کمان کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ادھر صوبائی حکومت نے پورے لاہور میں دفعہ نمبر 144 نافذ کر دی۔ اور مساجد میں دفعہ 144 کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ اس دوران فردوس شاہ نامی ڈی۔ ایس۔ پی D.S.P. قرآن پاک کی اہانت کی وجہ سے قتل ہو گیا۔ جس کے انتقام کے لئے پولیس نے اندھا دھند فائرنگ کر کے سینکڑوں مسلمانوں کو خاک و خون میں تڑپا دیا گیا۔ رات گئے یہ قتل عام جاری رہا۔ لاشوں پر لاشے گرتے رہے۔ رات کو لوگوں نے اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر اذانیں شروع کر دیں۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا۔ جو ماتم کدہ نہ ہو۔ 5/ مارچ کو سول سیکرٹریٹ ملازمین نے ہڑتال کر دی۔ لوگ اپنے گھروں سے نکل آتے اور سینے کھول کر گولیاں کھاتے رہے۔ محکمہ بجلی کے ملازمین نے چیف انجینئر کو نوٹس دیا کہ شہر میں ہونے والے مظالم بند کئے جائیں۔ بصورت دیگر ہم بجلی کی سپلائی بند کر دیں گے۔ مرزا نعیم الدین۔ ایس۔ ایس پی لاہور نے استعفیٰ کی دھمکی دی۔ اور حالات کا صحیح رُخ سامنے رکھا۔ اور کہا کہ ظلم اور سختی سے تحریک کو نہیں دبایا جا سکتا۔

5,4/ مارچ کو پولیس نے شرح صدر کے ساتھ گولی چلائی۔ محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ اور ان کی نعشیں ٹھکانے لگائی جاتی رہیں، ملک فیروز خان نون نے پبلک طور پر بیان دے کر اس بات کی تصدیق و تائید کی۔ 6/ مارچ کو مارشل لاء کا اعلان ہو گیا۔ فوج نے شہر کے بیرونی حصے پر پہرے لگا دیئے جس سے شہر میں سناٹا طاری ہو گیا۔ مگر مسجد وزیر خاں میں صبح و شام تقریریں ہوتیں۔ بیرون شہر فوج کا قبضہ تھا۔ اور اندرون شہر مجلس عمل اور شہریوں کا قبضہ تھا۔ 8/ مارچ کو فوج نے مسجد کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ پانی کے نل کاٹ دیئے۔ بجلی کا کنکشن منقطع کر دیا۔ قائدین نے 5,5 افراد پر مشتمل ٹولیاں بنا کر گرفتاری دینے کا فیصلہ کیا۔ آخر میں مولانا بہاؤالحق قاسمیؒ نے گرفتاری پیش کی۔ جنہیں شاہی قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ مولانا خلیل احمد قادری کو پروفیسر قدوائی نے گرفتار کرا دیا۔ انہیں بھی شاہی قلعہ میں پابند سلاسل کر

دیا گیا۔ اور علمائے کرام، دیندار حضرات پر اتنے غیر شریفانہ مظالم ہوئے کہ شرافت سر پیٹ کر رہ گئی۔ اور یوں تمام قائدین ایک سال کے لئے پابند سلاسل کر دیئے گئے۔

خدا رحمت کند عاشقان پاک طینت را

منیر انکوائری کمیشن

فسادات کے اسباب پر غور کرنے کے لئے جسٹس منیر کی قیادت میں کمیشن مقرر کیا گیا۔ جس نے رپورٹ دی منیر انکوائری رپورٹ کے متعلق آغا شورش کشمیریؒ رقمطراز ہیں:

اس تحریک کا سب سے بڑا المیہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ تھی ...... جسٹس منیر اس کے صدر اور جسٹس رستم کیانی ممبر تھے۔ کمیٹی کی تجویز کردہ ترمیموں کے فسادات پنجاب کے متعلق تحقیقات عامہ ایکٹ 1954ء بن گیا۔ یکم جولائی 1953ء کو تحقیقات کا آغاز ہوا کمیشن نے 28 رفروری 1954ء کو اپنا کام ختم کیا۔ انگریزی میں 387 صفحات کی ایک رپورٹ لکھی جس کا اُردو ترجمہ 432 صفحات میں شائع ہوا۔ جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی راقم الحروف سے کیا تھا۔ کہ وہ اس کتاب کی اشاعت سے پریشان و پشیمان ہیں۔ اس میں جو حصہ اسلام کے خلاف ہے۔ اور جہاں تہاں احرار سے متعلق برے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ جسٹس منیر کے قلم سے ہیں...... کسی لحاظ سے رپورٹ کسی جج کی تحریر نہیں۔ بلکہ ایک ایسے اخبار نویس کا اداریہ ہے جو کسف در وہاں قلم سے تبصرہ کرنے کا عادی ہوا۔[1]

جسٹس منیر نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور احرار سے متعلق اپنے خبث باطن کا خوب اظہار کیا۔ بہر حال اس تحریک میں شاہ جیؒ کا کردار قابل رشک رہا۔

●●●●......●●●●

1۔ تحریک ختم نبوت ص 140، 139 مصنفہ آغا شورش کشمیریؒ

باب پنجم

علالت اور وفات

- نمازِ جنازہ
- جانشینی اور امامِ جنازہ
- آخری منظر
- تعزیتی جلسہ
- آغا شورش کشمیریؒ کا مرثیہ
- تاریخہائے وفات
- مشاہیر ہند و پاک کا خراجِ تحسین
- نسب نامۂ حریت
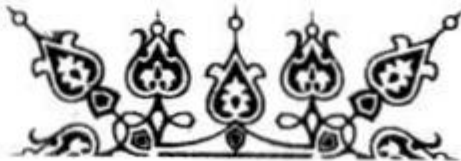
علالت ! اور وفات !

حضرت امیر شریعتؒ کے بیماری کے ایام، علاج و معالجہ کن رفقا نے شاہ جیؒ کا آخر وقت تک ساتھ نبھایا۔ وفات اور جنازہ۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ ہماری حقانیت کے فیصلے ہمارے جنازے کریں گے۔

چنانچہ داستانِ غم سناتے ہوئے مجاہدِ ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ لکھتے ہیں:

مرض کا حملہ

کوئی چار سال قبل اچانک یہ اندوہناک خبر ملک میں پھیل گئی کہ حضرت امیر شریعتؒ پر فالج کا حملہ ہو گیا ہے۔ حملہ کے خلاف سہام اللیل کی بارش شروع ہو گئی۔ اہل ملک نے عموماً اور اہل اللہ نے خصوصاً بارگاہ رب العزت میں التجائیں کیں۔ مشہور و معروف حکماء ملتان جناب حکیم عطاء اللہؒ صاحب و جناب حنیف اللہؒ صاحب ہر دو باپ بیٹوں نے اپنی خدمات امیر شریعتؒ بلکہ حفاظت شریعت کے لئے وقف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے شرف قبول عطا فرمایا۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کو افاقہ ہو گیا۔ عوام نے آپ کو صحت یاب سمجھا۔ مگر خواص جو آپ کی رفتار و گفتار کے واقف اور عادات و اطوار کے راز دار تھے۔ جانتے تھے کہ یہ صحت نہیں ہے افاقہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے بھی اس کو پیام رحیل موت سمجھا۔ چنانچہ آپ نے رختِ سفر باندھنا شروع کر دیا۔ دوروں پر جانا بند کر دیا۔ اور دولت خانہ میں بھی خدام وزائرین کو صبح و شام زیارت کم نصیب ہونے لگی۔ اب حضرت شاہ صاحب **" فاذا فرغت فانصب**

والی ربک فارغب" کے مقام پر تھے۔ یا تو حضرت شاہ صاحب نماز تہجد کے وقت بھی قرآن پاک سناتے رہتے یا اب عبادت ہی عبادت اور ذکر و فکر کے بن کے رہ گئے۔ صرف دن کو تھوڑا وقت عقیدت مندوں کے سکونِ خاطر کے لئے دیتے۔

مرض کا دوسرا دور......

لیکن اب غیر محسوس طریقہ سے کمزوری بڑھتی جا رہی تھی کبھی کبھی حضرت شاہ صاحب حکیم صاحب کے پاس خود ہی تشریف لے جاتے جو آپ کے قریب ہی قیام فرماتے۔ ان سے آپ کو انس تھا اور پرانی محبت بھی تھی۔ مہمانوں کو ابھی تک شاہ صاحب اپنے دستِ مبارک سے چائے اندر سے لا کر پلاتے اور اپنے مخصوص اقوال کے شکر پاروں سے ان کی تواضع فرماتے، اب حضرت شاہ صاحب نے دوستوں کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا۔ مگر پشاور سے کراچی تک دوست غلام، اور عقیدت مندوں کا تانتا بندھا رہتا۔ نزدیک اور دور سے آ کر وہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کے سکون کا سامان مہیا کرتے۔ مگر میں یہ محسوس کرتا رہتا۔ کہ حضرت شاہ صاحب گو شفقت و اخلاق کی وجہ سے ہمیں محسوس نہیں ہونے دیتے۔ مگر وہ اب مخلوق سے تبتل اختیار کر کے خالق سے لو لگائے بیٹھے ہیں۔ بیماری کے اس دور میں کہ جب ابھی وہ مغلوب تھی۔ حضرت شاہ صاحب اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری مرحوم کی خدمت میں بھی لاہور آ کر چند روز قیام فرما رہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ کہ ان نورانی صحبتوں میں مرشد کامل اور مرید قابل کے درمیان ربط و نسبت اور سیر و سلوک کی کتنی منازل طے ہوئی ہیں۔

مرض کا تیسرا دور......

وفات سے چند ماہ پہلے اچانک یہ افسوسناک خبر پہنچی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بیماری شدت اختیار کر گئی ہے۔ میں حاضر خدمت ہوا۔ محترم بھائی حافظ عطاء المحسن شاہ صاحبؒ مجھے اندر لے گئے۔ دیکھ کر مضطرب ہوا۔ آپ کو بولنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی، اور چہرے پر مایوسی کے آثار تھے۔ میں ضبط نہ کر سکا۔ اور مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد

حضرت شاہ صاحبؒ کو نشتر ہسپتال میں لے جایا گیا۔ چند دن کے بعد میں وہاں بھی حاضر ہوا۔ ہوش و حواس قائم تھے۔ زبان اور حلق میں تکلیف تھی۔ نماز کے لئے تیمم فرماتے۔ جب وہاں افاقے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو چند دن کے بعد آپ کو گھر لے جایا گیا۔

اسی دن میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب صدر مدرس قاسم العلوم ملتان کی معیت میں دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ وہاں چند اور خادم بھی حاضر تھے۔ حضرت شاہ صاحب، حافظ عطاء المحسن صاحب کے سہارے سے اندر سے چل کر دروازے تک تشریف لائے۔ مشکل سے دستِ مبارک مصافحہ کے لئے بڑھایا۔ ہم یاس و حسرت کے ساتھ رُخصت ہوئے۔ مشورہ کے بعد آپ کو لاہور لایا گیا۔ سلطان فونڈری کے مالک مولوی محمد اکرم صاحب اور مولوی محمد افضل صاحب کی کوٹھی واقعہ ماڈل ٹاؤن میں کرنل ضیاء اللہ صاحب نے علاج شروع کیا۔ چوٹی کے حکماء حضرات نے بھی معائنہ فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب تعارف کے بعد ہر ایک کو پہچان لیتے۔ اور جب حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ کے فرزند عیادت کے لئے تشریف لائے جن کی (حضرت مفتی صاحبؒ) وفات کی خبر حضرت شاہ صاحبؒ کو مل چکی تھی۔ تو آپ ان کو دیکھ کر بہت روئے اور جب بول نہ سکے تو لکھنے کی سعی کی جس سے یہ اندازہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحب میرے استاد مکرم تھے۔ لاہور میں ہر چند بہترین علاج جاری رہا۔ اور مولوی اکرم صاحب موصوف نے آپ کو اور مہمانوں کو ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش کی تمام رفقاء کار اور مشتاقانِ دید کو زیارت نصیب ہوتی رہی۔ مگر مرض میں کیونکر تخفیف ہوتی یہاں تو یہ حال تھا ؎

از سر بالینِ ما بر خیز اے ناداں طبیب
دردِ مندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

اقربا آپ کو واپس ملتان لے گئے۔

مرض کا چوتھا دور......

14 راگست 1961ء کو اس خبر نے پریشان کر دیا۔ کہ حضرت شاہ صاحب کو غشی کے دورے پڑے ہیں۔ اس کے بعد طاقت مضمحل اور قوت سلب ہونی شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ

بیس اگست تک آپ کے خویش و اقارب کو بلایا گیا۔ 21/اگست کو آپ پر غنودگی ہی طاری رہی۔ اور تیسرے پہر سے دم بدم یہ وحشت ناک خبریں لاہور پہنچنے لگیں۔ کہ حضرت شاہ صاحب کی حالت نازک ہے۔ عجیب تماشہ تھا۔ کہ پاؤں مبارک سرد ہو چکے ہیں۔ مگر بخار قدرے زوروں پر ہے۔ اصولاً تو اتنے شدید بخار سے فالج کی کیفیت بدل جانی چاہیے تھی۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ مرض شاخ گل کاٹنے میں مصروف اور طائر روح اس سے پرواز کے لئے بے چین تھا۔ مرض کالب خاکی کے درپے اور روح عالم ملکوت کے لئے بے قرار تھی۔ آخر کار وہ گھڑی آہی پہنچی جب کہ مرض اور جسم کا مقابلہ ختم ہو جاتا ہے۔ انسانی روح اگر طیب ہے۔ تو ہر طرح کی کوفت و کلفت سے ہمیشہ کے لئے نجات پا جاتی ہے۔

☆...... حدیث شریف میں ہے:

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَائَہٗ ۝

”جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے بے چین ہو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو چاہتے اور محبوب رکھتے ہیں۔“

آخر کار وہ گھڑی آہی پہنچی۔ اس وقت حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس چند دوست، چند اہل اللہ اور چند عزیز و اقارب تھے۔ بعض نیک آدمیوں نے بتایا۔ کہ حضرت کی سانس میں ذکر کی کیفیت تھی۔ بہرحال میں دفتر ترجمان اسلام میں بیٹھا تھا۔ اور اخبار میں حضرت شاہ صاحب کے نزاکت حال کی خبر لکھ دی گئی تھی۔ کہ ساڑھے چھ بجے کے قریب محترم مخدوم ماسٹر تاج الدین صاحب نے پاکستان ٹائمز کے دفتر کے حوالہ سے یہ اطلاع دی۔ کہ حضرت شاہ صاحب وفات پا گئے۔

﴿ اناللّٰہ و انا الیہ راجعون ﴾

عالمگیر اضطراب

یہ خبر شہر لاہور کیا تمام ملک میں بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ ہر طرف اضطراب ہی اضطراب تھا۔ جن احباب کو حضرت شاہ کی طویل نازک بیماری کا علم اور صحت سے مایوسی تھی۔ ان کو تو اس صدمہ کو برداشت کرنا کچھ آسان ہو چکا تھا۔ مگر جن کو یہ علم نہ تھا ان کو اس ناگہانی حادثے سے

ناقابل بیان پریشانی ہوئی جس جس کو خبر ہوئی کوئی بسوں کی طرف دوڑا، کسی نے اسٹیشن کا رُخ کیا مگر وہ دونوں چیزیں اپنے قابو کی نہ تھیں۔ **اِنَّمَا اَشْكُوْبَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَى اللّٰهِ** O

22, 21 اگست کو ملتان لائن پر آنے والے تمام اسٹیشن سوگوار تھے اور جب لائل پور اور لاہور کی ٹرینیں ملتان پہنچیں تو آہ و بکاہ اور دلدوز چیخ و پکار سے اسٹیشن ماتم کدہ بن گیا۔

ٹبی شیر خان

اعلان ہو چکا تھا کہ جنازہ کل چار بجے ہوگا۔ مگر مخلوق خدا راتوں رات پہنچتی اور روتی رہی۔ 22 ر اگست کو صبح سویرے محلّہ ٹبی شیر خاں میں آدمی ہی آدمی تھے۔ کھانے پینے سے بے نیاز۔ پریشانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحب کے مکان سے مدرسہ قاسم العلوم تک پھیلے ہوئے تھے۔ نو بجے تک آنے والوں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔

مدرسہ قاسم العلوم

مدرسہ قاسم العلوم اسی علاقہ میں ہے۔ اس کی وسیع عمارت، کھلی مسجد، دارالحدیث اور جاذب نظر درسگاہیں اسلامی فیوض وانوار کی جلوہ گاہیں ہیں۔ اس مدرسہ کا صحن، اس کے دالان تمام درسگاہیں، دارالحدیث، مسجد اور کمرے مہمانوں سے بھر چکے تھے۔ جن کو آرام پہنچانے کی کوشش طالب علم اور اساتذہ ہر طرح کرتے رہے۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی آخری خدمت تھی جو مدرسہ قاسم العلوم نے کی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

جانشینی

مدرسہ قاسم العلوم میں کم و بیش دو ہزار علماء صلحاء مشائخ اور عوام و خواص کی موجودگی میں حضرت شاہ صاحبؒ کے بڑے فرزند حضرت مولانا قاری حافظ سید عطاء المنعم شاہ (سید ابوذر بخاریؒ) صاحب کو حضرت شاہ صاحبؒ کا جانشین تجویز کیا گیا۔ اس مبارک تجویز میں حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی اور حضرت مولانا خیر محمد (جالندھریؒ) صاحب خلیفہ اعظم حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم قاسم العلوم اور حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ جیسے اکابر ملت اور دیگر

سینکڑوں علماء و مشائخ شریک تھے۔ چنانچہ پھر دستار بندی بھی ہوئی۔

نماز جنازہ

نماز ظہر کے بعد شاہ جیؒ کے گھر سے جنازہ اٹھا۔ اور ایمرسن کالج گراؤنڈ کی طرف بڑھا۔ جنازے کے ساتھ لمبے لمبے بانس تھے۔ مگر مشتاقین کے ہجوم میں کوئی انتظام باقی نہ رہ سکا۔ ملتان کی سڑکیں لوگوں سے بھری ہوئی تھیں دو میل تک آدمی ہی آدمی تھے۔ غمزدہ تو سب ہی تھے۔ مگر تقریباً نصف آدمی آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ حکیم عطاء اللہ صاحب جیسے سنجیدہ بزرگ اپنے اوپر کنٹرول نہیں کر سکے۔ چیخیں مار مار کر روتے اور فرماتے لوگو عاشقِ رسول کا جنازہ ہے۔ انتقال ہو کر پورے بیس گھنٹے ہو چکے تھے مگر آنسو تھمتے نہ تھے۔ کم و بیش ایک سے ڈیڑھ لاکھ کے درمیان آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ ملتان کی تاریخ میں ایسا دن نہ پہلے کسی نے دیکھا نہ آئندہ اُمید ہے۔ علماء و مشائخ اور سلاطین کے جنازوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ سچ ہے۔

عــــاشــق! کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

امام جنازہ

یہ اعلان ہو چکا تھا کہ نماز جنازہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ پڑھائیں گے۔ خود مولانا حافظ سید عطاء المنعم صاحب نے یہی تجویز کی تھی۔ مگر حضرت مولانا موصوف نے یہی مناسب سمجھا کہ حضرت شاہ صاحب کے جانشین قاری حافظ سید عطاء المنعم بخاریؒ صاحب جن کی دستار بندی کر دی گئی ہے اب نمازِ جنازہ کے لئے زیادہ موزوں ہیں خاص کر اس لئے کہ وہ ولی بھی ہیں۔ چنانچہ حافظ صاحب موصوف نے اپنے قابل رشک باپ کا جنازہ خود ہی پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ ان کا صبر و حوصلہ قابل داد تھا۔ غم و اندوہ کے اس طوفان میں چٹان کی طرح ثابت قدم رہے۔

قبر

وفات کی خبر سن کر ڈی۔ سی ملتان اور جناب بی۔ اے قریشی صاحب کمشنر ملتان

ڈویژن مکان پر تعزیت کے لئے آئے اور صدر مملکت (محمد ایوب خاں) کا پیغام بھی پہنچایا۔ کمشنر صاحب موصوف نے قبر کے لئے پرانے قلعہ پر جگہ پیش کش کی اور صوبائی حکومت سے اجازت بھی لے لی۔ مگر علماء کرام اور اعزہ و اقارب نے حضرت شاہ صاحب کے مزاج کے مطابق عام قبرستان میں دفن کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ شاہ صاحب زندگی میں بھی عوام کے پاس بیٹھتے تھے۔ برزخ میں کیسے ان سے جدا ہوتے ہیں۔

آخری منظر

ہر دو بڑے فرزندوں، مولانا حافظ عطاء المنعم صاحب اور حافظ عطاء المحسن صاحب نے حضرت شاہ صاحب کو قبر میں اتارا جہاں وہ قیامت تک کے لئے محوخواب ہو گئے۔ (نَمْ کَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ) یہاں دل بے قرار چاہتا ہے کہ یہ شعر پڑھ دوں ؎

نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُهٗ

فِیْهِ الْعَفَافُ وَفِیْهِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

میری جان اس قبر پر قربان ہو جس میں آپ آرام فرما ہیں

اس قبر میں پاکی اور جود و کرم کے سوا اور کچھ نہیں

آہ! اب ہم انہیں کبھی نہ سن پائیں گے ہمارے بس میں ہوتا، تو ان کو ختم نبوت کے سارقوں کی سرکوبی کے لئے روک دیتے۔ لیکن ان کا وقت معین ہو چکا تھا۔ اپنے آخری دنوں میں وہ اکثر کہا کرتے تھے، مجھے جانے دو، اب موت وحیات میں دو گام ہی کا فاصلہ ہے۔ اور یہ فاصلہ آخر طے ہو گیا۔[1]

﴿ انا للہ و انا الیہ راجعون ﴾

آخری دیدار

وقت کا سب سے بڑا خطیب، جس کی زبان سے پھول جھڑتے تھے، آج موت کے بستر پر آخری نیند سو رہا تھا۔ وہ بطل جلیل جس نے بارہا دس دس اور بارہ بارہ گھنٹے تک لوگوں کو

1 ہفت روزہ "چٹان" لاہور 28 راگست 1961ء

مسحور کئے رکھا جس کی آواز کے جادو سے سمندروں کی لہریں اور ہواؤں کے جھونکے مسحور ہو جاتے، اور بہتے ہوئے دریا ٹھہر کر جس کی خطابت سے اپنی روانی کا ذائقہ بدلتے تھے، آج بے حس وحرکت پڑا تھا...... اللہ اللہ وہ انسان جس نے برصغیر کے طول وعرض میں لاکھوں انسانوں کے دل ودماغ بدل دیئے اور چالیس برس تک کروڑوں لوگوں کے ولولہ ہائے ارادت کا مرکز بنا رہا، اللہ کی رضا کے سامنے سربسجود تھا۔ گاڑھے کے کفن میں لپٹا ہوا، بلندو بالا انسان اپنے ہزارہا عقیدت مندوں کے اشکبار چہروں کی فریاد پر بھی چپ چاپ تھا، ہمیشہ کے لئے چُپ ہو گیا تھا، وہاں چلا گیا تھا، جہاں سے آج تک کوئی نہیں لوٹا۔ ظہر کی نماز تک یہ تانتا بندھا رہا۔ زندہ باد کہنے والی زبانیں اب آنکھوں کے آنسوؤں سے پائندہ باد کہہ رہی تھیں۔

ایک عہد، ایک تاریخ

● ...... جناب حنیف رضا لکھتے ہیں:

۲۲ راگست ۱۹۶۱ء کو گرد گرما گدا و گورستان کے شہر ملتان میں ایک کچی قبر کا اضافہ ہو گیا۔ قبرستان کے پر پیچ راستوں پر انسانی سروں کا سمندر اُمڈ آیا تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان، عوام وخواص بلا تفریق مراتب اشکبار چہروں اور ڈوبتے دلوں سے میت کو لحد میں اترتا دیکھ رہے تھے۔ گرمی معمول سے بہت زیادہ تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آفتاب کرہ ارضی کے قریب آ گیا ہے۔ اور میت کے ساتھ ہی دفن ہونا چاہتا ہے۔ پاکستان کے طول وعرض سے آتے ہوئے سوگوار اس عجلت میں گھروں سے نکلے تھے کہ اکثر کو زادراہ تک لینے کا ہوش نہ رہا تھا۔ دفن ہونے والی شخصیت اگرچہ سالہا سال سے زندگی سے بے نیاز تھی۔ لیکن گذشتہ شام ریڈیو سے ان کے وصال کی خبر سن کر لاکھوں نفوس تڑپ کی آخری دیدار کے لئے نکل پڑے تھے۔ رات بھر اسپیشل گاڑیاں چلتی رہیں۔ دن چڑھے تک ملتان کے محلہ ٹبی شیر خاں کے ایک بوسیدہ سے مکان کے سامنے انسان ہی انسان جمع ہو گئے تھے۔ یہیں خطیب اعظم امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کی تھی۔

بزم و رزم کے ساتھی

آخری زیارت کرنے والوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ بعد کی ٹرینوں سے آنے والے جوق در جوق ایمرسن کالج گراؤنڈ کی سمت جا رہے تھے۔ ملتان کے در و دیوار سے حزن و ملال ٹپک رہا تھا۔ گلی کوچے ویران تھے۔ بلند و بالا عمارتیں مبہوط کھڑی تھیں۔ محمد بن قاسم کی معزولی و گرفتاری پر اس کی رعایا کی آہ وزاری کے جو دل گداز واقعات تاریخ میں رقم ہیں۔ آج ملتان انہیں دہرا رہا ہے۔ انو واردوں کو راستہ دکھانے والا کوئی نہ تھا۔ جنازہ اٹھایا گیا تو انسانوں کا یہ سیلاب قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ ہر شخص جنازہ کو کندھا دینے کے لئے بے تاب تھا۔ شاہ جیؒ کے بیٹیوں، عزیزوں، رشتہ داروں کے علاوہ ان کے پرانے ساتھی، رزم و بزم کے ہمراہی جیل اور ریل کے جانثار، جماعتی رفقاء بھی آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ ان میں قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ بھی تھے۔ جنہیں شاہ جیؒ بیٹا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ بھی تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کے بے شمار شب و روز شاہ جیؒ کی رفاقت میں گزارے تھے۔ شیخ حسام الدین بھی تھے۔ جو ہر معرکے میں ان کے ہمرکاب رہے تھے۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ بھی تھے۔ جنہوں نے عہد و وفا نبھایا، اور ان کے مشن کو زندہ رکھا نوابزادہ نصر اللہ خاں، آغا شورش کاشمیریؒ، مولانا تاج محمودؒ اور مولانا مجاہد الحسینیؒ کے علاوہ ان گنت علماء سیاست دان ادیب و شاعر، صحافی، طالب علم، عقیدت منداور سرکاری نمائندے سر جھکائے خاموشی سے چل رہے تھے۔ جیسے گوش برآواز ہوں اور متفکر ہوں کہ ابھی ''الحمدللہ'' سے حجازی لے شروع ہوگی اور سامعین کو ثور و حرا کے اردگرد لے جائے گی۔ اور وہ چشم تصور سے قرآن کو نازل ہوتا دیکھیں گے ان کانوں نے بارہا اس آواز کو سنا تھا اس آواز کے لاتعداد معجزے دیکھتے تھے۔ شیکسپیئر کے جولیس سیزر میں اس کا ایک کردار محض اپنی خطابت کے بل پر لوگوں کو رائے بدل دینے پر مجبور کر دیتا ہے یہ ایک شاعر، اور ڈرامہ نویس کے تخیل کی پرواز تھی، لیکن اس ملک میں بھی ایسے لوگ بقید حیات ہیں۔ جنہوں نے وہ نظارہ دیکھا ہے۔

جب شاہ جیؒ موچی دروازے سے تقریر کرتے ہوئے حاضرین کے دل و دماغ پر

قبضہ کر چکے ہوئے تھے اور ایک اشارہ پر پورا مجمع رات کے پچھلے پہر موچی دروازے سے مغل پورہ انجینئرنگ کالج کے دروازہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس آواز کے بے شمار شہ پارے آج بھی ان کے کانوں میں گونج رہے تھے اور جس نے جھوٹے مدعی نبوت کو بار ہا للکارا تھا۔

''میں نبی کا نواسا ہوں، وہ نبی کا بیٹا ہے، وہ میدان میں آئے، مناظرہ کرے اس سے کہو چھپ کر نہ دیکھے، وہ انگریز کے عطا کردہ وہ الہامات لے کر آئے اور ادھر میں لاتا ہوں محمد عربی پر نازل شدہ قرآن مجید کو۔ میں کوثر کا پانی پی کر آؤں وہ پلومر کی ٹانکنک وائن پی کر رائے، میں موٹا جھوٹا پہن کر آؤں وہ ریشم واطلس میں اپنا مرمریں بدن سمیٹ کر آئے۔ پھر دیکھئے بات کیا رنگ لاتی ہے۔ یہ پردہ دار نازنین کی طرح مرزا محمود چھپ کر کیوں اندر بیٹھا ہے۔ ایک دفعہ میدان میں اترے، مولا علی کے کرتب دیکھئے، جو میدان چاہے منتخب کرے جس طرح چاہے اپنی روحانیت آزمائے

تیری ہر مسیا بدنامی موتنے دے لونگ والئے

تعزیتی جلسہ

رات کو قاسم باغ میں قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی زیر صدارت تعزیتی جلسہ ہوا۔ شاہ جیؒ کے پرانے رضا کار مرزا غلام نبی جانباز نے نظم پڑھی۔ ماسٹر تاج الدین انصاری نے اپنے مخصوص انداز میں چند باتیں کیں۔ پردرد لہجے نے سامعین کو بہت متاثر کیا۔ خصوصاً جب ماسٹر جی نے یہ شعر پڑھا

تو عزم سفر کردی ورفتی زبرما
بستی کمر خویش شکستی کمر ما

اور کہا شاہ جیؒ کی موت سے میرا دل روتا ہے لیکن مجھے تسلی ہے کہ میں بوڑھا آدمی ہوں۔ جلد ہی اپنے شاہ جیؒ سے جاملوں گا۔ شیخ حسام الدین کے بعد آغا شورش کاشمیریؒ کا نام پکارا گیا۔ آغا صاحب کی حالت اس وقت غیر تھی ایک ہاتھ میں جوتے تھے دوسرے ہاتھ میں چھوٹی

سی بیاض گلے اور بازوؤں کے بٹن کھلے ابتداً تامل کیا۔ دوسری بار نام سن کر اسی طرح مائیکروفون کے سامنے آئے ایک دو لمحے پتھرائی آنکھوں سے سامعین کو تکتے رہے پھر بھرائی آواز میں فرمایا!

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ میں اس انسان کا ماتم کروں جس نے ہماری بے زباں کو زبان بخشی جس نے ہمیں خطابت کے تیور سکھائے۔ جس نے ہمیں الفاظ کے دروبست سے آشنا کیا جس نے اپنے قدموں میں بٹھا کر یہ بتایا تھا کہ جرأت کسے کہتے ہیں۔ اور حق کے دشمنوں سے لڑنے کا طریقہ کیا ہے۔

"یہ چاند جس طرح چمکتا ہے اور سورج کی کرنیں جس طرح اس کائنات کو منور کرتی ہیں اسی طرح یہ صاف ستھری حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آج انہیں دفنا دیا۔ لیکن آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو دفن ہونے کے بعد زندہ ہو جاتی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زندہ رہ کر بھی مردوں سے بدتر زندگی گزارتے ہیں۔ آج ہم میں ہر شخص دلیر ہے، ہر شخص بہادر ہے، ہر شخص جرأت گفتار رکھتا ہے اور وہ لوگ بھی جن کی جبینوں پر کبھی آستانۂ فرنگ کی خاک تھی حریت کے آفتاب عالمتاب بن کر چمکتے اور اس کائنات پر اپنی تابانی پھینکتے ہیں۔

سوچئے، غور کیجئے اور اس سوچ میں ڈوب جایئے کہ اس انسان نے اس وقت نوہ حث بلند کیا جیسا نقطاب زندہ باد کہنے سے انسان کے حصہ اسفل کا گوشت اڑا دیا جاتا تھا اور اسے تختہ دار کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس وقت شاہ جیؒ یہاں کے باغوں میں گئے اور اپنے الفاظ کو شبنم کے ریشمی قطروں کی صورت میں کلیوں کی نذر کیا اور انہیں مجبور کر دیا کہ وہ پھولوں کی طرح کھل کھلائیں میری زبان پر اس وقت لکنت ہے میرے الفاظ ٹوٹتے ہیں لیکن اتنی بات کہہ سکتا ہوں اور ضرور کہوں گا۔ کہ وہ زمانہ آنے والا ہے۔ کیوں کہ ہم لوگ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوئے وہ وقت آنے والا ہے جب تاریخ کی مقدس محراب عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے احترام میں اپنی جبیں جھکا دے گی۔

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ پر اس قدر رقت طاری تھی کہ صرف چند جملے کہہ سکے اس طرح تاریخ حریت کا یہ عظیم باب ختم ہو گیا۔

ہدیہ عقیدت

پاکستان میں اکثریت شاہ جیؒ کے سیاسی نظریات سے اختلاف رکھتی تھی۔ لیکن ان کی عظمت خلوص اور دیانت کے معترف تھے ان کے وصال پر ان کے تقریباً سبھی معاصرین نے ان کے حضور عقیدت کے پھول نچھاور کئے۔ ۱۹۶۱ء میں پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان تھے۔ اور عوام کی اکثریت اس وقت انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھتی تھی۔ صدر ایوب مملکت پاکستان کی بدحالی کا ذمہ دار پرانے سیاستدانوں کو گردانتے تھے۔ لیکن شاہ جیؒ کی بیماری کے دوران...... انہوں نے نشتر ہسپتال کے ڈاکٹروں کو خصوصی ہدایات جاری کیں اور شاہ جیؒ کے وصال پر تعزیت کا پیغام بھیجا کہ:

> "مجھے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی وفات سے دلی صدمہ ہوا ہے۔ ہم تحریک آزادی کے ایک جانباز سے محروم ہو گئے۔"

علامہ علاؤالدین صدیقی سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے لاہور میں تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے شاہ جیؒ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا اور کہا کہ:

> "ہم لوگ شخصیت پرست واقع ہوئے ہیں شخصیتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے یا یوں کہیئے کہ گزشتہ پچیس سال کی تاریخ دیکھئے اور آئندہ ۲۵ برس میں آنے والی شخصیات دیکھئے تو آپ میری بات کی تصدیق کریں گے کہ نصف صدی میں شاہ جیؒ کے پائے کی شخصیت نظر نہیں آتی۔"

میاں محمود علی قصوری بار ایٹ لا نے شاہ صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے سیاسی میدان میں شاہ جیؒ کی ہمنوائی نہیں کی۔ وہ سید تھے آلِ رسول تھے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ عاشقِ رسول ثابت کیا وہ حسب و نسب کی بنیاد پر بزرگی کے مخالف اور کردار کی عظمت کے داعی تھے انہوں نے ہمیشہ جہاد کیا جب کہ دوسرے لوگ فساد کرتے رہے میرے بعض دوست جہاد اور فساد کا فرق نہیں جانتے، میں نے بارہا واضح کیا آج بھی واضح کرتا ہوں کہ نظریات کی بقا کے لئے جو قربانی دی جائے وہ جہاد ہے اور مفادات کے تحفظ کے

لئے جو کام کیا جائے وہ فساد ہے شاہ جیؒ کی شخصیت کے یہی پہلو تھے جنہوں نے ہم سے اپنی عظمت منوائی۔

ملک کے نامور اخبارات نے مقالے لکھے کوہستان، امروز چٹان نے خصوصی نمبر شائع کئے شاعروں نے منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اور نئی نسل سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام سن کر سراپا سوالیہ علامت بن جاتی ہے۔ جیسے یہ نام آثارِ قدیمہ کے کھنڈرات سے متعلق ہو یا عجائب گھر میں اس کے نام کا کوئی نشان موجود ہوا اور پھر انہیں کون بتائے کہ شاہ جیؒ کون تھے؟

آج کوئی اقبالؒ نہیں، انور شاہؒ نہیں ابوالکلامؒ نہیں خود فرمایا کرتے تھے۔

"میں تیس سال قرآن سنایا اسلام کو تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے واپس جاتے دیکھا ہے اب تو صرف اس کے نقشِ پا باقی ہیں وہ مسافر نو جہاں سے آیا تھا، شاید وہیں پلٹ گیا، یہ بال سفید ہو گئے ساتھی ایک ایک کر کے بچھڑ گئے محمد علی چلا گیا، شوکت علی چلا گیا، حکیم اجمل خاں گیا، ڈاکٹر انصاری گیا، حضرت مدنی چلے گئے، میں تو اس ڈار کا بچھڑا ہوا پنچھی ہوں۔ وہ جا چکے ہیں اب تو ٹوٹے کچھ خم ہیں کچھ سبو ہیں، جن سے میخانہ چلا رہا ہوں...... اور آج ۴ برس ہوئے ہیں یہ مے خانہ بھی بند ہو گیا۔"

آغا شورش کشمیریؒ کا مرثیہ

ایک تاریخ، ایک عہد ایک انجمن

جی چاہتا ہے آج جی بھر کر رولیں، بالآخر وہ بھی رُخصت ہو گیا جو اس زمانے میں اللہ کی آیات میں سے ایک آیت تھا۔ جس نے مرتے دم تک فقر و استغنا کے پرچم کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ جس کی زندگی بہت سی زندگیوں کا مجموعہ تھی۔ جس کا وجود ایک تاریخ تھا، جو ایک عہد تھا۔ ایک ادارہ تھا، ایک انجمن تھا، ایک تحریک تھا، غرض ایک ایسا محور تھا جس کے گرد افراد ہی نہیں محاسن بھی گھومتے ہیں وہ اس پائے کا خطیب تھا، کہ اس کی آتش بیانی کا لوہا اس کے حریف بھی مانتے تھے۔ اُردو زبان نے اس مرتبے کا خطیب نہ کبھی پیدا کیا، اور نہ آئندہ کبھی پیدا ہو سکے گا۔

وہ ایک عظیم مجاہد تھے، انہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ سے کبھی گریز نہیں کیا۔ ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی، کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں شاید ان کے ارادوں کی بابت شک رہا ہو مگر انہیں اپنے فیصلوں کے بارے میں کبھی شبہ نہیں ہوا، وہ اس مدرسۂ فکر کے علمبردار تھے جس کی بنیادیں محمد قاسم نانوتویؒ اور محمود الحسنؒ کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی تھیں۔ تمام زندگی، ایک ہی مشن رہا، کہ برصغیر سے انگریز کی حکومت کیونکر نکالی جا سکتی ہے، وہ علی الاعلان کہا کرتے تھے، کہ میرے سامنے دو چیزیں ہیں۔ اوّلاً انگریزی حکومت یہاں سے ختم کی جائے۔ ثانیاً وہ ختم نہیں ہوئی تو میں اُس کے خلاف تبلیغ کرتے کرتے تختہ دار پر لٹک جاؤں۔“

ان کا دل عشق رسول کا جلوہ

پھر اُن کا دل عشق رسول اللہ ﷺ کی جلوہ گاہ تھا، حضور ﷺ کے عشق میں وہ اس قدر سرشار تھے، کہ انہوں نے اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگ لیا تھا، اُن کا اوڑھنا بچھونا ہی یہ عشق تھا...... اس عشق ہی نے انہیں ختم نبوت کے عقیدہ کی تحریک کا مجاہد بنادیا، پھر جس عشق وایثار کے ساتھ انہوں نے اس راستہ کا سفر کیا، اُس کی نظیر نہیں ملتی، وہ بہت سی غلطیوں کو معاف کرتے رہے، اور کئی لوگوں کو ان کی واضح حرکات سفیہیہ کے باوجود معاف کردیا۔ مگر دو چیزوں سے نہ وہ کبھی سمجھوتے پر آمادہ ہوئے، اور نہ انہوں نے ان کے معاملہ میں عفوو درگذ پسند کیا...... اوّل انگریز کی غلامی اور اس کے گماشتوں کا دوستانہ دوم ختم نبوت کے قزاقوں کا تعاقب، وہ کہا کرتے تھے میں توشۂ آخرت کے طور پر یہی ساتھ لے جانا چاہتا ہوں، اور سچ تو یہ ہے کہ اپنے ساتھ وہ یہی لے گئے ہیں۔ [1]

اپنے عہد کے ابوذر غفاریؓ

وہ اپنے عہد کے ابوذر غفاری تھے۔ فقر و فاقہ ان کا شعار تھا۔ انہوں نے کبھی کسی تحریک و تنظیم اور قائد جماعت کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے وہ خطابت و ضمیر کی سودابازی کے بازار ہی سے ناآشنا تھے۔ ان پر زمانے نے بہت سا گرد و غبار پھینکا، اور خود فروشوں نے الزامات کے چولہے سے چنگاریاں لے کر بارہا ان کی دستار فضیلت پر پھینکیں۔ مگر وہ تہمتوں کے بازار میں سے کنکریاں کھاتے ہوئے نکل گئے، وہ اللہ اور ان کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں سرخرو ہو گئے، انشاء اللہ قیامت کے روز بھی سرخرو ہی اُٹھیں گے۔

تذکروں میں ہے کہ جب امام ابن تیمیہؒ کا جنازہ اٹھا تھا، تو پورا شہر اشکبار ہو کر نکل آیا تھا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی مظلومیت نے لوگوں کے دلوں کا احاطہ کر لیا ہے اور بے چین عوام وقت کی اس عظیم الشان دولت کو آخری خراج ادا کرنے کے لئے جمع ہو گئے ہیں، شاہ

1۔ چٹان لاہور 28 راگست 1961ء

جیؒ کا جنازہ بھی اس دھوم دھام ہی سے اٹھا، ایک انسان جو عمر بھر مہاجر رہا۔ اور جب امرتسر سے مہاجرت کر کے ملتان میں پناہ گزین ہوا، تو ایک کچا مکان کرایہ پر لے کر اس میں رہا۔ بارہ برس اس میں رہا۔ آخر وہیں اس کی رُوح نے قفس عنصری سے پرواز کیا وہیں سے اس کا جنازہ اُٹھا۔ لیکن فقیر کا جنازہ شاہوں کے جنازے کو مات دے گیا، ایک ایسا شخص جو بالطبع فقیر تھا، جس کے دامن میں اللہ کے خوف اور رسول ا کے عشق کے سوا کچھ نہ تھا۔ جو کبھی قصر اقتدار میں نہیں رہا، جس کو ہمیشہ زنجیروں نے سلام کیا۔ جس کا اسم وزر کے بت خانوں میں ذکر تک مفقود رہا۔ جس نے ایک لحظہ کے لئے بھی اخباروں اور کتابوں کے صفحوں میں اپنا نام ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔ جو آخر وقت تک چٹائی پر بیٹھتا، لیٹتا اور سوتا رہا۔

جو اس مقام میں بھی رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا عکس تھا، اور جب اس نے داعی اجل کو لبیک کہا، تو ایک اور ڈیڑھ لاکھ کے درمیان لوگ اشکبار چہروں کے ساتھ اس کی میت کے گرد جمع ہو گئے، ان میں تہائی لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، لوگوں نے سینے پیٹ لئے۔ کیا اس فقیر نے یہ آنسو خریدے تھے؟ وہ تو شاید دوسرے وقت کی روٹی خریدنے پر بھی قادر نہ تھا! یہ سب کچھ اس کی بے غرضی اور بے نفسی کا صلہ تھا، وہ اگر لاہور، لائل پور (فیصل آباد)، گوجرانوالہ، یا سیالکوٹ میں رحلت فرماتے، تو ہجوم کئی لاکھ تک پہنچ جاتا۔ لیکن دُور افتادہ اور پسماندہ ملتان میں بھی ان کا ماتم اس شدت سے کیا گیا، کہ ملتان کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں۔

ہم نے اپنے اس وطنِ عزیز میں بہت سے جنازے دیکھے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے علماء اور فضلا آغوش لحد میں اُتارے گئے۔ لیکن شاہ جی کی میت کے گرد عشاق کا جو ہجوم تھا، اور لوگوں نے جس بے اختیاری کے ساتھ ان کا ماتم کیا فقراء و علماء کی پوری صف اس سے خالی ہے۔ [1]

دل و دماغ پر حکمران

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب دماغوں اور دلوں کے حکمران تھے اپنی بے سروسامانی

1۔ چٹان لاہور 28 راگست 1961ء

کے باوصف انہیں اس اقلیم میں جو وقار اور اقتدار حاصل تھا، اُس کا اقرار و اعتراف ہر جگہ موجود ہے۔ پاکستان میں وہ ایک ہی شخص تھے، جو سیاسی اقتدار، جماعتی رفاقت اور تنظیمی خطوط کے بغیر اپنی ذات میں ایسا جادو رکھتے تھے، کہ لوگ سر دینے کے لئے تیار ہو جاتے......ان کے فدائیوں کا قبیلہ ملک کے ہر گوشہ میں موجود ہے ان کے اُٹھ جانے سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے، وہ کبھی پُر نہ ہوگا۔ خطابت بیوہ ہوگئی......لوگ کبھی اس طرف گذرا کریں گے، جہاں شاہ جی گرجتے اور گونجتے رہے ہیں، تو دلوں سے ہوک اُٹھا کرے گی۔

کہ یہاں کبھی مردِ مجاہد صرصریہ آغوش راتوں میں اپنا چراغ جلایا کرتا تھا۔ جس کی نور پیرایوں پر قیاس ہوتا تھا کہ قرونِ اولیٰ کا کوئی غزوہ نقاب الٹ کر سامنے آ گیا ہے۔ یا پھر لوگ غارِ حرا کے ارد گرد کھڑے ہیں کہ قرآن اتر رہا اور قند و تیاب کی طرح گھلتا کانوں کے راستے سے دلوں کی انگوٹھی میں نگینہ کی طرح بیٹھتا چلا جا رہا ہے۔[1]

اب وہ رعنائی خیال کہاں

علماءِ حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں

میں اُن سؤروں کا ریوڑ بھی چرانے کو تیار ہوں، جو برٹش امپریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں، میں کچھ نہیں چاہتا، ایک فقیر ہوں، اپنے نانا ﷺ کی سنت پر مرمٹا ہوں اور اگر کچھ چاہتا ہوں، تو صرف اس ملک سے انگریز کا انخلا۔ دو ہی خواہشیں ہیں، میری زندگی میں یہ ملک آزاد ہو جائے، یا پھر میں تختہ دار پر لٹکا دیا جاؤں......

میں اُن علمائے حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں، جو 1857ء میں فرنگیوں کی تیغ بے نیام کا شکار ہوئے تھے۔ ربِ ذوالجلال کی قسم مجھے اُس کی کچھ پروا نہیں، کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں......لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے، وہ شروع سے تماشائی ہیں، اور تماشا دیکھنے کے عادی۔ میں اس سرزمین میں مجددؒ الف ثانیؒ کا سپاہی ہوں۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا متبع ہوں سید احمد شہیدؒ کی غیرت کا

1۔ چٹان لاہور 28 راگست 1961ء

نام لیوا، اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جرأت کا پانی دیوا ہوں۔ میں ان پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پابہ زنجیر صلحائے اُمت کے لشکر کا ایک خدمت گزار ہوں، جنہیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔

ہاں! ہاں!! میں انہی کی نشانی ہوں انہی کی صدائے بازگشت ہوں۔ میری رگوں میں خون نہیں، آگ دوڑتی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں، کہ میں قاسم نانوتویؒ کا علم لے کر نکلا ہوں۔ میں نے شیخ الہند کے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے، میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں، اور چلتا رہوں گا۔ میرا اس کے سوا کوئی موقف نہیں۔ میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ برطانوی سامراج کی لاش کو کفنانا یا دفنانا۔

تاریخ ہائے وفات 1381ھ

(۱) کفن امیر شریعتؒ (۲) والا گہر شد بخاریؒ (۳) کون پیکر شد بخاری (۴) آسماں مکاں شد بخاری (۵) حسان العجم شہِ بخاری (۶) فخر وصالِ عطاء اللہ شاہ بخاری (۷) زبدۂ زماں عطاء اللہ شاہ بخاری (۸) لحدِ سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۹) امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۰) مزارِ پُر انوارِ والا جاہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۱) مزار پُر انوارِ مدینہ گو سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۲) راہِ شناس آتش بیان (۱۳) مرقد منورہ دیدہ مومناں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۴) مرقدِ منورہ سیف زباں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۵) محمود جہاں خطیب جادو بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۶) ممدوحِ جہاں خطیب جادو بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۷) دانائے کامل خطیب جادو بیان سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۸) آہن گداز خطیب قوم سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (۱۹) نجم دین خطیب جادو بیانِ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

قطعہ

عطاء اللہ شہ سوئے جنت سدھارے
خبر آئی جس وقت از شہر ملتان
گھٹا چھا گئی مطلع دل پہ غم کی
ہوا مضطرب سُن کے ہر اک مسلمان
جو ہاتف سے تاریخ پوچھی تو بولا

نہ ہو اختر واصفی تو پریشاں
بتاتا ہوں تاریخ ہجری تجھے میں
''امیر شریعت گیا پاک داماں''

1961ء

(1) مفتاحِ شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری (2) والا رتبہ سید عطاء اللہ شاہ فوت شد (3) رفتنِ امیر شریعت (4) مخزنِ علوم شہ بخاری (5) شامِ غم علامہ روزگار (6) مقبولِ دوران سید عطاء اللہ شاہ بخاری خلد آشیاں (7) عطار نفس سید عطاء اللہ شاہ خلد آشیاں (8) سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور مانی نور (9) علامہ روزگار امیر شریعت عطاء اللہ جا (10) علمِ دین امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (11) جلالِ علم امیر شریعت (12) نگہ واپسینِ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (13) لوحِ مزار نیکو قلب امیر شریعت سید عطاء اللہ (14) مزارِ پر انوارِ سید قوم سید عطاء اللہ شاہ بخاری (15) مرقد منورۂ امیر عطا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (16) مرقد منورہ عالم باعمل سید عطاء اللہ شاہ بخاری (17) مرقدِ منورہ پاک باطن امیر شریعت (18) مرقدِ منورۂ بابِ وعظ امیر شریعت (19) مرقدِ منورہ کانِ جادو امیر شریعت (20) شستہ زباں خطیب شہیر (21) روشن خیال آتش بیان (22) ہفت بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (23) مہر منیر جادو بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔

قطعہ

وہ سید کہ تھا صدرِ احرارِ مِلت
جسے لوگ کہتے تھے شاہِ خطابت
یہ دنیا کہ مومن کا ہے قید خانہ
اسے چھوڑ کر وہ گیا سوئے جنت
ہوئی جستجو اختر واصفی کو

چو از بہر اِرقامِ تاریخ رحلت
ندا آئی کیوں نہ تاریک عالم
گیا مہر تاباں امیر شریعت
......1961ء......

مردِ ہمہ خطیب اعظم

رُخصت ہوئے دنیا سے بخاری کے جلو میں
اندازِ بیاں، سحر بیاں، لذتِ گفتار
نصرت پہ یہ تاریخ یہ ھاتف نے ندا دی
اب ختم ہوئی رونقِ ہنگامۂ احرار

1961ء۔نصرت قریشی

"خدام الدین" لاہور یکم ستمبر 1961ء

آہ! امیرؒ

تاریخ وفات

بزم جہاں میں سب ہیں لیکن نہیں بخاریؒ
عالم کو کر گیا ہے اندوہگیں بخاریؒ
پیدا نہ ہوگا کوئی ایسا خطیب دانش
ایوانِ خلد میں ہے محفل نشیں بخاریؒ
......8113......

مشاہیر ہند و پاک کا خراجِ تحسین!

علامہ اقبالؒ

☆ ...... شاہ جیؒ اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

☆ ...... ملک وملت کا ہر گوشہ ان کا شکر گزار ہے۔

مولانا محمد علی جوہرؒ

☆ ...... مقرر نہیں ساحر ہیں تقریر نہیں جادو کرتے ہیں۔

مولانا شوکت علیؒ

☆ ...... وہ بولتے نہیں موتی رولتے ہیں۔

مولانا داؤد غزنویؒ

☆ ...... بخاری مرحوم جیسا اسلام کا شیدائی دنیا میں پیدا ہونا مشکل ہے۔

نواب بہادر یار جنگ

☆ ...... اے کاش میں اس شخص کو مسلم لیگ میں لا سکتا۔ اگر یہ شخص میرے ساتھ ہو تو چھ ماہ کے اندر ملک میں انقلاب برپا کر دوں۔

سردار عبدالرب نشتر

☆ ...... وہ باغ و چمن سے اُٹھے اور دار و رسن سے گذرے ہیں۔

شیخ حسام الدینؒ

☆ ...... وہ فن خطابت کے امام تھے ان کی موت سے اس محفل کے جو چراغ گل ہوئے ہیں اب وہ ہمیشہ روشنی کو ترستے رہیں گے۔

مولانا حسرت موہانیؒ

☆ ...... وہ خطابت کے شہسوار ہیں۔

قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

☆ ...... وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

مولانا محمد علی جالندھریؒ

☆ ...... وہ فقر و استغناء کا پہاڑ تھے۔

ماسٹر تاج الدین انصاریؒ

☆ ...... وہ علم و ادب، فکر و دانش، سیاست و تدبر کی محفلوں کا چراغ تھے۔

مولانا مظہر علی اظہرؒ

☆ ...... ان کی سیاسی بصیرت کے، ان کی دینی، علمی اور ادبی بصیرت کی مثال دنیا کے کسی انسان میں نہیں مل سکتی۔

مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ

☆ ...... جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم۔

فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں مرحوم

☆ ...... وہ جنگِ آزادی اور اسلام کے زبردست مجاہد تھے۔

سید مظفر علی شمسیؒ

☆ ...... وہ حقیقتاً فنافی الرسول تھے۔

میاں محمود علی قصوری

☆ ...... ان کا چلن زندگی کے سفر میں چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا غلام رسول مہرؒ

☆ ...... ان کے وجود کی ماہیت و معنویت کا ذرّہ ذرّہ اسلامیت سے سرشار تھا۔

علامہ علاؤ الدین صدیقیؒ

☆ ...... اسلام اور آزادی وطن پر دل و جان سے قربان ہو جانا ان کی زندگی کا منتہا تھا۔

احمد ندیم قاسمی

☆ ...... ان کے بے داغ اور بے لوث خلوص کی قسمیں صدیوں بعد کھائی جاتی رہیں گی۔

مولانا تاج محمودؒ

☆ ...... ان کے کل محاسن خطابت کے لئے اور ان کی خطابت عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی۔

مختار مسعود

☆ ...... انہیں حسرت موہانی اور ابوالکلام آزاد کی خطابت کا زمانہ نصیب ہوا اس میں ان کے

ہم سفر تو بہت تھے مگر ہمسر کوئی نہ تھا۔

مولانا ظفر علی خاںؒ

☆...... بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ

☆...... ان کا دل صرف اسلام کے لئے دھڑکتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ

☆...... ان کی باتیں عطاء الٰہی ہوتی ہیں۔

خواجہ حسن نظامیؒ

☆...... انہیں دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمان یاد آجاتے ہیں۔

شاہ جیؒ کا نسب نامہ حریت

ہر شخص اپنا شجرہ نسب ساتھ رکھتا ہے، میرا یہی شجرہ نسب ہے۔ میں سر اونچا کر کے فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، کہ میں اس خاندان کا ایک فرد ہوں۔ 23/مارچ 39ء

حضرت مجدد الف ثانیؒ

قلعہ گوالیار میں دو سال قید

شاہ ولی اللہ

قرآن پاک کے ترجمہ فارسی پر دستر خوان شاہی کے ریزہ چینوں نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا اور پاہنچے توڑ ڈالے۔

شاہ عبدالعزیزؒ | شاہ رفیع الدینؒ | شاہ عبدالقادرؒ | شاہ عبدالغنیؒ

چاروں بھائی تھے۔ آخری تین چھوٹے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے سب سے پہلے قرآن پاک کا اُردو ترجمہ کیا، جو آج تک بھی اُردو تراجم کی بنیاد ہے۔ سلطنت کے آزیری فرزندوں نے شاہ عبدالعزیزؒ کو دو مرتبہ زہر دیا، جو ناکام رہا۔ بدن پر چھپکلی کا اُبٹن مل دیا گیا جس سے (1) برص ہو گیا (2) بینائی جاتی رہی (3) خون میں حدت پیدا ہو گئی (4) مختلف امراض نے گھیر لیا...... ایک دفعہ فتح پور سیکری کی جامع مسجد میں تراویح پڑھا رہے تھے، کہ غنڈوں کا ایک غول شراب میں دُھت طوائف کو رہنما بنا کر آوازے کستا رہا۔ اس طائفہ نے تاشے پیٹ پیٹ کر وہ اُدھم مچایا، کہ پناہ بخدا .....

سید احمد بریلویؒ — شہادت

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ (فرزند شاہ عبدالغنی) — شہادت

ان نفوس قدسیہ کی معیت میں علمائے حق اور مجاہدین اسلام کا ایک قافلہ جامِ شہادت نوش کر کے سرخرو ہو گیا

1857ء
(جنگ آزادی)

سزایافتگان موت — پھانسی دیئے گئے یا گولی سے اُڑا دیئے گئے

نواب عبدالرحمٰن خاں والی جھجر — نواب مظفر الدولہ — نواب میر خاں — نواب اکبر خاں بنگش — احمد مرزا — میر محمد حسین

حکیم عبدالحق — قاضی فیض اللہ کشمیری — میر پنجہ کش خوشنویس — امام بخش صہبائی — نواب احمد علی خاں (جیل میں موت واقع ہوئی) — نواب محمد حسین خاں

نظام الدین خاں — نواب محمد علی خاں — عبداللہ خاں — دلدار علی خاں — صوفی حسن عسکری — غلام محمد خاں (رئیس فرخ نگر)

قیدی 1857ء

سید اسماعیل حسین منیر — بعبور دریا شور
مفتی عنایت احمد کاکوروی — بعبور دریا شور
مفتی مظہر کریم — بعبور دریا شور
مولانا فضل حق خیر آبادی — بعبور دریا شور
مولانا ولایت علی — بعبور دریا شور

پانچ مقدمہ ہائے سازش

انبالہ 1866ء

مولانا یحییٰ علی صادق پوری — مولانا عبدالرحیم صادق پوری — قاضی میاں جان — میاں عبدالغفار — مولانا محمد جعفر تھانیسری

(مولانا یحییٰ علی صادق پوری) سزائے موت سنا کر صرف اس لئے عمر قید میں تبدیل کر دی گئی، کہ پھانسی کو دوست رکھتے تھے

کل گیارہ ملزم تھے، صرف ایک وعدہ معاف گواہ بنا۔

پٹنہ 1865ء

مولانا احمد اللہ صادق پوری کو موت کی سزا دی گئی، جو عمر قید میں تبدیل ہو گئی، داعی اجل کو لبیک کہا ان کی تمام جائیداد ضبط کر لی گئی۔ حتیٰ کہ قبریں بھی اُکھاڑ دی گئیں۔

راجہ محل 1870ء

جناب ابراہیم منڈل کو عمر قید اور ضبطی جائداد کی سزائیں دی گئیں۔

مالدہ 1870ء

مولوی امیر الدین کو عمر قید کی سزا دی گئی، گیارہ سال قید کٹوا کر رہا کیے گئے۔

پٹنہ 1871ء

کل سات ملزم تھے۔ مولانا مبارک علی نے جیل میں انتقال کیا۔ مولانا تبارک علی عمر قید کیے گئے۔ دو چھوٹ گئے۔ باقی کو ضبطی جائداد کے علاوہ مختلف المیعاد سزا دی گئی۔

دیوبند

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
۱۸۵۷ء کے معرکہ میں مطلوب تھے۔ حجاز چلے گئے، وہیں واصل بحق ہوئے مکہ معظمہ میں دفن ہیں!	چھ ماہ قید رہے، والد شہید کر دیئے گئے	بانی دارالعلوم 1857ء کے جہاد حریت میں مطلوب تھے انگریزوں نے عمر بھر تعاقب کیا

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے شاگرد، حضرت نانوتویؒ کے فخر روزگار تلمیذ، 1891ء میں اپنی ہی درس گاہ کے صدر مدرس ہوگئے۔ انگریزوں کے حکم اور شریف حسین کی غداری سے مالٹا میں چار سال تک قید رکھے گئے۔ 1921ء میں وصال ہوگیا...... اپنی نظر، اپنے علم اور اپنے ایمان سے، اپنے شاگردوں میں انگریز دشمنی کا ایسا بیج بو گئے، کہ علمائے حق کا نوشتۂ تقدیر ہوگیا۔

تلامذہ حضرت شیخ الہند

مولانا انور شاہ	مولانا حسین احمد مدنی	مولانا عبید اللہ سندھی	مولانا منصور انصاری	مفتی کفایت اللہ	مولانا شبیر احمد عثمانی	مولانا احمد علی لاہوری
علامہ اقبال کے دینی مشورہ میں استاذ العلماء	(چودہ سال)	(22 سالہ جلاوطنی)	(22 سالہ جلاوطنی)	(دس سال)	(مفسر قرآن۔ پاکستان میں شیخ الاسلام)	(متعدد مرتبہ قید ہوئے)

مجاہدہ حریت کی شاخیں

مولانا محمد علی جوہر	مولانا شوکت علی	مولانا حسرت موہانی	مولانا ابوالکلام آزاد	مولانا ظفر علی خاں
(8 سال قید)	(8 سال قید)	(12 سال قید)	(10 سال قید)	(10 سال قید)

مجلس احرار

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی	چوہدری افضل حق	مولانا مظہر علی اظہر	ماسٹر تاج الدین انصاری	مولانا محمد گلشیر شہید	مولانا غلام غوث ہزاروی
12 سال	8 سال	8 سال	6 سال	2 سال قید۔ شہادت	چھ سال

داؤد غزنویؒ	شیخ حسام الدینؒ	مولانا قاضی احسان احمدؒ	محمد علی جالندھریؒ	سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ	مرتب:۔ شورش کاشمیری
چھ سال	8 سال	چھ سال	چار سال	10 سال 2 ماہ	دس سال چار ماہ

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

ہفت روزہ چٹان سالنامہ 1992ء ص 13، 12

باب ششم
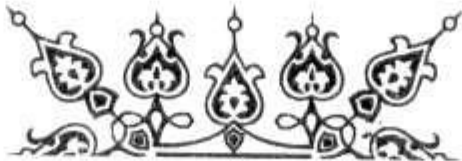
امیر شریعتؒ پر ہونے والا

تحریری کام

امیر شریعتؒ پر ہونے والا تحریری کام

پروفیسر زاہد منیر عامر لکھتے ہیں۔

بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ اگر انسان کے کمالات وصفات کو ضبط تحریر میں لائے تو پڑھنے والا انہیں نہ صرف اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے بلکہ ان افکار سے خاطر خواہ استفادہ بھی کرسکتا ہے اس کے برعکس بعض شخصیتوں کے کمالات اور ان کی صفات اس قدر محیر العقول ہوتے ہیں کہ اوّل تو انہیں ضبط تحریر میں لانا ہی مشکل ہوتا ہے اور اگر لکھ بھی دیا جائے تو تحریر سے اس بات کا صحیح مفہوم ادا کرنا جو کہ کہنے کے وقت درپیش تھا مشکل ہوتا ہے اس طرح اکثر اوقات ایسی عظیم ہستیوں کے کمالات اور ان کی صفات کا تذکرہ تشنہ رہ جاتا ہے۔

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ مؤخر الذکر ہستیوں میں سے تھے کہ اوّل تو ان کے افکار کو احاطۂ تحریر میں لانا ہی مشکل تھا اور اگر کسی نے اس امر کی کوشش کی بھی کی تو وہ تحریریں اپنا صحیح مفہوم ادا نہ کرسکیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام

شاہ جیؒ کی زندگی میں ان پر تحقیقی کام نہ ہوسکنے کی ایک وجہ خود شاہ صاحبؒ بھی تھے کہ وہ تحریر کے سخت مخالف تھے تحریر کے بارے میں ان کا نظریہ تھا کہ: ''انسانی معاشرے میں تمام فتنے تحریر سے پھیلتے ہیں۔ جب سے حافظہ کی جگہ تحریر نے لے لی ہے نہ صرف انسان کو عقلی

اعتبار سے ضعف پہنچا ہے بلکہ ہر کہیں عجیب الخلقت تنازعوں کی ہوا پھیل گئی ہے۔“

ایک لحاظ سے ان کا یہ نظریہ عقل کو اپیل بھی کرتا ہے کیونکہ جن حادثات سے شاہ جیؒ کو واسطہ رہا ان کا لازمی نتیجہ یہی افکار ہو سکتے تھے آخری عمر میں جب ان سے کہا جاتا کہ شاہ جیؒ اپنی سوانح عمری لکھئے تو جواب ملتا کس لئے؟

سوال کرنے والا: ہمارے لئے

شاہ جیؒ: آخر تیس بتیس برس تم لوگوں میں رہا ہوں اس سے تم نے کیا حاصل کیا کہ اب چند اوراق کی کہانی سے حاصل کر لو گے؟

سوال کرنے والا: اچھا اپنے لئے لکھئے۔

شاہ جیؒ: میں لکھی لکھائی کہانی ہوں ہر روز اپنے آپ کو پڑھ لیتا ہوں۔

سوال کرنے والا: شاہ جیؒ اس طرح ایک تاریخ محفوظ ہو جائے گی۔

شاہ جیؒ: پھر وہی بات؟ تاریخ کیا؟ اور کس لئے؟ پہلے ہی لوگوں نے تاریخ کے کس حصہ سے سبق حاصل کیا کہ اب اپنی زندگی لکھنے بیٹھوں؟

سوال کرنے والا: شاہ جیؒ ”زبان“ کا نہیں ”قلم کا زمانہ ہے۔“

شاہ جیؒ: ٹھیک ہے بھائی لیکن لکھوں کیا؟

سوال: ” کچھ تو کہئے کہ زمانہ گوش بر آواز ہے۔“

شاہ جیؒ: ہائے ذوق ساری سوانح عمری تو اس شعر میں کہہ گیا ہے:۔

لائی حیات آئے، قضا لے چلی، چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

زندگی میں محض سوانح ہی نہیں ہوتے کچھ اور چیزیں بھی ہوتی ہیں؟ بعض گفتنی، بعض ناگفتنی، ناگفتنی میں کام کی کوئی چیز نہیں اور گفتنی میں خطرات ہی خطرات ہیں؟

حاصل عمرم سہ سخن بیش نیست

خام بودم، پختہ شدم، سوختم

انہی وجوہات کی بناء پر انہوں نے تمام عمر نہ کچھ لکھا نہ لکھنے کو پسند کیا۔ بعض حضرات نے ان کی زندگی میں ان پر چند کتابیں لکھیں لیکن ان کتب کی حیثیت محض بے ترتیب شدہ یاد داشتوں کی سی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی شاہ جیؒ کی مکمل سوانح عمری نہیں ہے۔

1﴾ شاہ جیؒ پر سب سے پہلے جس نے نظم میں قلم اٹھایا وہ ظفر الملت والدین مولانا ظفر علی خانؒ تھے ان کی مشہور نظم ع

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے

اکتوبر 1928ء میں کہی گئی تھی اور یہ سب سے روزنامہ ''زمیندار'' کی اشاعت مورخہ 21 اکتوبر 1928ء میں عندلیب چمنستان پنجاب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے نام چھپی۔

اس کے بعد مولانا ظفر علی خانؒ کا مجموعہ کلام ''بہارستان'' 1933ء میں شائع ہوا تو اس میں یہ نظم ص 55 پر شائع ہوئی تھی بعد میں ''بہارستان'' کے ناشرین نے ان بوجھی مصلحتوں کے تحت یہ نظم اس سے خارج کر دی حالانکہ ''بہارستان'' کا مذکورہ بالا نسخہ جو کہ خود مولانا ظفر علی خانؒ نے مرتب کیا تھا اس میں یہ نظم شامل کی مولانا ظفر علی خانؒ نے شاہ جیؒ پر اور بہت سی نظمیں کہیں جو کہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات شائع ہوتی رہیں۔

2﴾ شاہ جیؒ پر نثر میں سب سے پہلے جس نے قلم اٹھایا وہ خان حبیب الرحمٰن خان غازی کابلی (خان کابلی) ہیں انہوں نے یکے بعد دیگرے شاہ جیؒ پر دو کتابیں لکھیں جن میں پہلی کتاب ''بخاری کیس'' ہے۔

سر سکندر حیات نے شاہ جیؒ پر جو مقدمہ بنایا تھا اس مشہور مقدمہ کی کاروائیاں اس وقت کے اخبارات میں مسلسل شائع ہوتی رہی تھیں اور یہ مقدمہ تاریخی حیثیت اس وقت اختیار کر گیا تھا، جب کہ مقدمہ ہذا کا سرکاری رپورٹر لدھارام اپنی لکھی ہوئی رپورٹوں سے منحرف ہوگیا تھا اس مقدمہ سے ہندوستان بھر میں ایک تہلکہ مچ گیا تھا۔ خان کابلی نے اس تاریخی مقدمہ کی تمام کاروائی بیانات وغیرہ کو ایک خوبصورت ترتیب دے کر مارچ 1940ء میں

''بخاری کیس'' کے نام سے شائع کیا اس سے قبل چوہدری افضل حقؒ کی طرف سے بھی شاہ صاحبؒ کے مقدمہ کا فیصلہ ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا گیا تھا۔ 112 صفحات کی یہ دیدہ زیب کتاب ''ادارہ بکڈ پو مصری شاہ لاہور'' نے شائع کی تھی اور اس کے سرورق پر احرار کا سرخ پرچم اور اس کے ساتھ لدھا رام کی تصویر تھی جس کے نیچے ''چیف گواہ بخاری کیس'' لکھا ہوا تھا جب کہ سرورق کے اندرونی صفحہ پر یہ عبارت تحریر تھی۔

''حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا مقدمہ ہائی کورٹ میں ''مقدمہ بخاریؒ''

''مسٹر لدھا رام سرکاری رپورٹر اور دیگر گواہان استغاثہ کے دلچسپ بیانات''

خان کابلی کی یہ کتاب پہلی مرتبہ مارچ 1940ء میں شائع ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد مختلف اصحاب نے اپنی اپنی ''مقدمات امیر شریعتؒ'' میں اس کو بکمال و تمام نقل کر لیا اس طرح اس کے دوبارہ چھپنے کی نوبت نہ آئی اسی کتاب کی پشت پر خاں موصوف کی طرف سے شاہ جیؒ کی سوانح عمری کے متعلق ایک اشتہار شائع کیا تھا کہ ''بخاری کی داستان حیات'' عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

3۔ خان کابلی کی دوسری کتاب ''سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ'' تھی۔ شاہ صاحبؒ پر لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب تھی جو کہ جون ۱۹۴۰ء میں ''ہندوستانی کتب خانہ لاہور'' نے شائع کی تھی اس کتاب کی تقریظ غازی حسین بخش ڈکٹیٹر مجلس احرار نے جو کہ اس وقت سنٹرل جیل لاہور میں مقید تھے لکھی تھی اور اس کا مقدمہ ممتاز صحافی جناب ملک نصر اللہ خاں عزیز نے تحریر فرمایا تھا اور ابتداء میں شاہ صاحبؒ کی ایک خوبصورت نایاب تصویر بھی شامل تھی اس کتاب کے ساتھ ساتھ اس تصویر کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا۔

یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل تھی جن میں پہلا باب ''سوانحی حالات'' دوسرا ''عادات و خصائل'' اور تیسرا ''ملفوظات'' پر مشتمل تھا اور آخر میں ممتاز شعراء جن میں علامہ اقبالؒ، مولانا ظفر علی خاںؒ، شورش کاشمیریؒ، ودود علی خاں، انعام اللہ خاں ناصر کا خراجِ عقیدت بھی شامل تھا۔ اس کتاب کا طرزِ عمل نہایت دلچسپ اور پر کشش تھا اور ہر بات کے حوالے اور شاہ جیؒ کی تقاریر

کے اقتباسات نے کتاب کی افادیت کو دوبالا کیا ہوا تھا۔

4۔ قیام پاکستان کے بعد شاہ صاحبؒ کے فرزندِ اکبر مولانا حافظ سید عطاء المنعم شاہ بخاریؒ سید ابوذر معاویہ ابوذر بخاریؒ نے شاہ جیؒ کے اس وقت (سن اشاعت) تک کے تمام شعری تبرکات کا مجموعہ ''سواطع الالہام'' کے نام سے ترتیب دیا 152 صفحات کی اس خوبصورت کتاب کی ابتداء میں مرتب رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل ''تعارف'' تحریر کیا تھا جو کہ بجائے خود ایک سوانح عمری ہے اس کتاب کا مقدمہ علامہ طالوتؒ نے تحریر فرمایا تھا جس میں شاہ صاحبؒ کے ذوق شعر گوئی پر مفصل روشنی ڈالی گئی تھی۔[1]

اس کتاب میں ہر شعر کے ساتھ اس کا شانِ ورود خود شاہ صاحبؒ سے دریافت کر کے لکھا گیا تھا جس سے کتاب کی افادیت دوچند ہو گئی تھی۔

یہ کتاب 1955ء میں ''مکتبہ نادیۃ الادب الاسلامی'' ملتان کے زیر اہتمام پہلی اور اب تک آخری مرتبہ شائع ہوئی۔ مولانا ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ نے بارہا اعلانات کئے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے مگر یہ خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا۔

5۔ تیسری اور آخری کتاب جو شاہ صاحب کی زندگی میں ان پر لکھی گئی وہ شورش کاشمیریؒ کی ''سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ'' ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ 1956ء میں شائع ہوئی اس کی ابتداء میں شاہ صاحبؒ کی ایک خوبصورت تصویر بھی شامل تھی ابتداء میں کچھ خاندانی حالات بیان کرنے کے بعد باقی کتاب شورش کاشمیریؒ کے شاہ صاحبؒ سے تعلقات اور ان کے ملفوظات پر مشتمل تھی۔ 200 صفحات کی یہ کتاب ''مکتبہ چٹان'' سے شائع کی تھی۔ اس کتاب کا ظاہری حسن بھی قابل دید تھا۔

شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد یہ کتاب ایک عرصہ تک نایاب رہی بعد میں شورش کاشمیریؒ نے 1973ء میں قدرے اصلاح و اضافہ کے بعد دوبارہ شائع کیا۔ اب کتاب پہلے بھی بہت بہتر ہے اور اپنی مقبولیت کی بناء پر اب تک کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔

یہ کتاب چونکہ ''منیر انکوائری کمیشن'' کی ناانصافیوں سے متاثر ہو کر لکھی گئی تھی۔ اس

1۔ علامہ طالوتؒ کے مقدمہ کو کتاب ہذا کا حصہ ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

لئے اس میں کسی حد تک اس رپورٹ کا بھی تجزیہ اور تردید موجود ہے علاوہ ازیں مرزائیت پر بھی دو گراں قدر ابواب شامل ہیں۔

6۔ 21 اگست 1961ء کو شاہ جیؒ اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ شاہ جیؒ پر لکھنے کا دور یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ شاہ جیؒ کی وفات کے بعد 1963ء میں ایک کتاب منصۂ شہود پر آئی۔ یہ جانباز مرزا کی ''مقدمات امیر شریعتؒ'' تھی۔ 200 صفحات کی یہ کتاب دراصل ایک ہی مقدمہ پر مشتمل تھی جس کا فیصلہ جسٹس ینگ نے کیا تھا اور یہ وہی پرانا فیصلہ تھا جو قبل ازیں بھی دو مرتبہ شائع ہو چکا تھا جانباز صاحب نے اس کا نام ''مقدمات'' تجویز کیا حالانکہ یہ مقدمہ تھا۔ 1963ء میں مکتبہ تبصرہ لاہور کے زیر اہتمام شائع ہونے والی یہ کتاب دوبارہ کبھی شائع نہ ہوئی۔

7۔ اس کتاب کے کچھ عرصہ بعد حکیم مختار احمد الحسینی نے ''فرمودات امیر شریعتؒ'' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی جس میں شاہ صاحبؒ کے مشہور و معروف اقوال و واقعات درج تھے ''فرمودات امیر شریعتؒ'' 124 صفحات کی مختصر کتاب تھی جس میں فرمودات کے علاوہ ابتداء میں شریف اشرف کی ایک نظم اور قاری محمد طیب مدظلہٗ کا مضمون بھی شامل تھا۔ اس کتاب کے سرورق پر یہ عبارت تحریر تھی:۔

''فرمودات امیر شریعتؒ حصہ اوّل'' نیز ابتدائیہ میں کہا گیا تھا کہ اگر قارئین نے حوصلہ افزائی کی تو بہت جلد دوسرا حصہ پیش کر دیا جائے گا مگر یہ کتاب پہلی مرتبہ (اور اب تک آخری) مکتبہ تعمیر حیات چوک رنگ محل لاہور نے شائع کی اور آج تک نہ ہی یہ دوبارہ چھپی اور نہ ہی اس کا دوسرا حصہ شائع ہوا۔

8۔ شاہ جیؒ کی وفات پر ملک بھر کے اخبارات و رسائل نے بہت کچھ لکھا بہت سے رسائل و اخبارات نے خاص نمبر شائع کئے۔ (جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔)

محترم نذیر مجیدی نے ان تمام مضامین، نظموں اور مرثیوں وغیرہ کو ایک خوبصورت ترتیب دے کر ''شاہ جیؒ'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب ترتیب دی جسے 1965ء میں مکتبہ جدید لائل پور (فیصل آباد) نے شائع کیا۔ شاہ صاحبؒ پر اب تک جس قدر کتب شائع ہو چکی تھیں

مذکورہ بالا کتاب ان میں سب سے زیادہ ضخیم تھی 492 صفحات کی اس خوبصورت کتاب میں شاہ صاحبؒ کے پرانے رفقائے کار، جماعتی ساتھی، دوست، احباب، متوسلین، فدائین، الغرض ہر گوشۂ زندگی کے افراد کے 37 طویل و قلیل مضامین اور ممتاز شعراء کی 48 نظمیں اور ''قطعات تاریخ وفات'' شامل تھے۔

9۔ اس کتاب کے کچھ عرصہ بعد جناب رحیم بخش سیال نے ''یادگار بخاریؒ'' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی مرتب نے خلوص اور عقیدت کے ساتھ شاہ جیؒ کے سوانح اور ملفوظات کو جمع کیا اور 116 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ''مکتبہ رحیمیہ ملتان'' نے شائع کی تھی اس میں پہلا باب مرتب کے قلم سے شاہ جیؒ کی سوانح حیات اور دوسرا ملفوظات پر مشتمل تھا اور تیسرے حصہ میں مقدمہ قادیان کی روائیداد مع فیصلہ جسٹس جی ڈی کھوسلہ شامل تھی اور سب سے آخر میں ''عقیدت کے پھول'' کے عنوان سے (اکابرین ملت) کے یادگاری مضامین شامل تھے منظوم خراجِ عقیدت میں کئی ایک شعراء کی نظمیں شامل تھیں علاوہ ازیں شاہ جیؒ کا اکلوتا مضمون ''میرا عقیدہ'' اوران کی تین تقاریر جو 1927ء میں لاہور، 1952ء میں کراچی اور 1952ء میں پشاور میں کی گئی تھیں اس کتاب میں جن عنوانات پر زیادہ زور دیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں عصمتِ انبیاء عظمت صحابہؓ توحید و شرک، مسئلہ ختم نبوت، تقلید ائمہ اربعہ وغیرہ۔ مرتب نے ابتدائیہ میں ان خیالات کا اظہار کیا تھا کہ ''میرا خیال تھا کہ اس موضوع پر اور لوگ قلم اٹھائیں گے مگر کسی نے توجہ نہ دی تو میں نے ہی اس موضوع کو اٹھالیا تا کہ شاہ جیؒ کی ایک ''یادگار'' قائم ہو جائے۔ افسوس کہ یہ کتاب بھی دوبارہ شائع نہ ہو سکی۔

اس کتاب کے بعد کراچی کے جناب اعجاز احمد خاں سنگھانوی نے ''شاہ جیؒ کے علمی وتقریری جواہر پارے'' لکھی 152 صفحات کی یہ خوبصورت کتاب ادارہ اشاعت اسلام کورنگی کالونی کراچی نے شائع کی تھی اور اس کا مقدمہ حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ نے تحریر فرمایا تھا اس کتاب کے چار حصے تھے جن میں سے ہر ایک کو نہایت خوبصورت انداز سے تحریر کیا گیا تھا۔ ابتداء میں عام رواج کے مطابق شاہ جیؒ کی سوانح حیات اور اس کے بعد ''علمی جواہر پارے'' اور

تیسرا حصہ تقریری جواہر پاروں'' پر مشتمل تھا کہ چوتھے حصہ میں ''حکایات'' اور آخر میں ''نمونہ کلام شاہ جیؒ'' شامل تھے۔ نمونہ کلام میں تمام منظومات ''سواطع الالہام'' سے لی گئی تھیں۔ ہر باب میں مختلف مضامین، سے عنوانات کے مطابق خوبصورت انداز میں ملفوظات تحریر کئے گئے تھےاور ہر باب کے شروع میں زعمائے ملت کی آراء گرامی درج تھیں۔

10 1966ء ہی میں شاہ جیؒ پر ایک اور کتاب منصۂ شہود پر آئی۔ یہ مولانا سید عبدالمجید ندیم مدظلہٗ کی ''باتیں ان کی ہی یاد رہیں گی'' تھی اس کتاب میں بھی شاہ جیؒ کے مقبول عام فرمودات شامل ہیں۔ البتہ آخر میں ایک نیا موضوع ''خیال یار'' کے عنوان سے شامل ہے اس باب میں شاہ جیؒ کے طنز و مزاح کے واقعات شامل ہیں جو کہ ایک نئی اور خوبصورت چیز ہے یہ کتاب سب سے پہلے ''مکتبہ الباسط ملتان'' سے 1966ء میں شائع ہوئی۔ بعدازاں یہ جلد ختم ہوگئی اور ایک عرصہ نایاب رہی۔

11 بعد میں 1976ء میں سرگودھا کے جناب حیدر حسین واسطی کے توسط سے دوبارہ شائع ہوئی اب اس کا نام ''باتیں ان کی یاد رہیں گی'' کے بجائے ''نوائے درویش'' رکھ دیا گیا تھا۔ 124 صفحات کی اس کتاب کی ابتداء میں مولانا ندیم نے شاہ جیؒ کا سوانحی خاکہ بھی قلم بند فرمایا ہے نیز یہ کتاب ''شاہ جیؒ کی خطابتی زندگی کی ایک اجمالی جھلک'' ہے اس میں صرف منتخب تقاریر سے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔

12 ان کتب کے ایک طویل عرصہ بعد 1969ء میں شاہ جیؒ پر سب سے زیادہ مشہور کتاب ''حیات امیر شریعتؒ'' شائع ہوئی۔ ضخیم کتاب جناب جانباز مرزا نے تحریر کی ہے۔ ''حیات امیر شریعتؒ'' ان معدودے چند کتابوں میں سے ہے جو آج بھی دستیاب ہیں۔ 480ء صفحات پر مشتمل اس کتاب کو مکتبہ تبصرہ لاہور نے شائع کیا۔ اس کے ابتداء میں شاہ جیؒ کی تین تصاویر کے بعد ان کی آخری آرام گاہ کی تصویر بھی شامل ہے اس کتاب میں مؤلف نے خاصا مواد فراہم کیا ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پر ''شاہ جیؒ'' کے بعد یہ سب سے زیادہ ضخیم کتاب ہے۔

13۔ ''حیات امیر شریعتؒ'' کے بعد اپریل 1969ء میں ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ نے ''مقدمات امیر شریعتؒ'' شائع کی اس میں شاہ صاحبؒ پر بنائے گئے ان مقدمات کا مفصل تذکرہ تھا جو قیام پاکستان سے قبل غیر ملکی حکومت نے ان پر قائم کئے مندرجہ بالا کتاب اس وقت کی عدالتی کارروائیوں کے ریکارڈ، اخبارات اور مختلف کتابچوں کی مدد سے ترتیب دی گئی تھی جس میں وہ تمام کتابچے بہ ترتیب شامل کر دیئے گئے تھے جو مخالفین یا معاونین کی طرف سے شائع ہوئے۔

اس کتاب کے صفحہ اوّل پر یہ عبارت درج تھی:۔

''جزو اوّل از سوانح حیات و سیرت امیر شریعتؒ''

اور ساتھ ہی ایک مفصل ابتدائیہ میں اس عزم کا اظہار کیا گیا تھا کہ جلد ہی اس کتاب کا دوسرا حصہ بقیہ مقدمات پر مشتمل شائع کر دیا جائے گا اور شاہ جیؒ کی زندگی پر مزید کتب شائع کی جائیں گی مگر یہ کتاب جو اپریل 1969ء میں پہلی اور اب تک آخری مرتبہ شائع ہوئی نہ ہی اس کا دوسرا حصہ شروع ہوا اور نہ ہی مزید کوئی پیش رفت ہوئی۔

258 صفحات کی یہ کتاب نہایت خوبصورت انداز میں مکتبہ احرار اسلام ملتان نے شائع کی تھی۔

14۔ اس کے بعد اگست 1973ء میں ایک مختصر کتاب ''سید الاحرار'' شائع ہوئی جس کے مرتبین میں حاجی عبداللطیف خالد چیمہ اور محمد عباس نجمی ایڈووکیٹ شامل ہیں۔ یہ کتاب دراصل بعض مضامین تقاریر اور منظومات پر مشتمل ہے جو مختلف حضرات نے شاہ صاحبؒ کو خراجِ عقیدت ادا کرنے کے لئے لکھے۔ 64 صفحات کی یہ مختصر کتاب پہلی مرتبہ تحریک طلبہ اسلام چیچہ وطنی نے شائع کی تھی اس میں مختلف حضرات کے مضامین اور مولانا عبیداللہ انور کی ایک تقریر شامل تھی۔ علاوہ ازیں شورش کاشمیریؒ، حبیب جالب اور سید امین گیلانی کی نظمیں بھی شامل تھیں۔

15۔ اس کے بعد جون 1947ء میں ''نوادرات امیر شریعتؒ'' کے نام سے ایک اور کتاب شائع ہوئی جس کے مرتب مولانا سید منظور احمد شاہ حجازی تھے۔ 126 صفحات کی یہ

کتاب جو کہ ''مکتبہ نشریات اہل سنت مفتاح العلوم کہروڑ پکا ملتان'' نے شائع کی ایک خوبصورت کتاب ہے اس کتاب میں شاہ جیؒ کی بعض اہم تقاریر وتحاریر شامل ہیں۔ تقاریر میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، انجمن حمایت اسلام کے جلسہ چوک فرید امرتسر میں کی گئی تقاریر، اردو پارک دہلی کا آخری خطاب اور ملتان کے ابن قاسم باغ کی تقریر شامل ہے۔ یہ ایک مختصر لیکن جامع اور خوبصورت کتاب ہے جو احسن طریقہ سے ترتیب دی گئی ہے۔

16۔ علاوہ ازیں شاہ صاحبؒ پر سیالکوٹ کے جناب نعیم آسی کی ''مکاتیب امیر شریعتؒ'' ہے یہ کتاب (مارچ 1981ء) میں مسلم اکادمی سیالکوٹ کے تعاون سے شائع ہوئی ہے۔ 144 صفحات کی اس مختصر کتاب میں شاہ صاحب کے آٹھ خطوط، چار آٹو گراف اور دوسری تحریریں شامل ہیں۔ اپنے موضوع کی وسعت کے لحاظ سے یہ کتاب ابھی تشنۂ تکمیل اور مزید محنت طلب کرتی ہے بہت سی ایسی چیزیں (خطوط وغیرہ) ہیں جو کبھی شائع ہو چکے ہیں اور وہ بھی اس کتاب میں شامل نہیں ہیں ایسے مقامات جہاں پر اس موضوع سے متعلق مواد موجود تھا اور مرتب نے کتاب ہذا میں شامل نہیں کیا۔ راقم نے اس کتاب پر اپنے تبصرہ میں جو کہ ہفت روزہ چٹان لاہور کی اشاعت مورخہ 4/اکتوبر 1982ء شائع ہوا تھا کی نشاندہی کر دی تھی۔

(جناب نعیم آسیؒ کی مکاتیب امیر شریعت کتاب ہذا میں شامل ہے)

بہر حال نعیم آسیؒ نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر اچھا کیا۔ ان سے پیشتر کسی نے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا۔

17۔ اپریل 1984ء مجلس احرار کے ترجمان روزنامہ آزاد کے سابق ایڈیٹر شاہ صاحبؒ کے ایک رفیق کار اور ادارہ صوت الاسلام فیصل آباد کے ناظم اعلیٰ مولانا مجاہد الحسینی کی مرتب کردہ کتاب ''خطبات امیر شریعت'' شائع ہوئی 256 صفحات کی اس کتاب کے آغاز میں شاہ صاحبؒ کی 1953ء کی قید کے کچھ واقعات اور صفحہ ۳۷ تک شاہ صاحبؒ کے ملفوظات ہیں جب کہ صفحہ 75 سے اعتراف عظمت کا باب شروع ہوتا ہے جس میں شاہ صاحبؒ کے بارے میں مختلف علمی وادبی شخصیات کے مضامین اور تاثرات شامل ہیں اس کے بعد مزید کچھ واقعات

ہیں اور پھر صفحہ 121 سے شاہ صاحبؒ کی تقاریر کا باب ''خطیب اعظم کا سحر خطابت'' شروع ہوتا ہے جس میں چھوٹی بڑی شاہ صاحبؒ کی کل نو تقاریر شامل ہیں۔

مولانا مجاہد الحسینی صاحب نے خوبصورت جلد عمدہ کاغذ اور بہترین کتابت کی حامل اس کتاب کو خطبات امیر شریعتؒ کا حصہ اوّل قرار دیا ہے۔

18۔ اس سے پہلے جانباز مرزا صاحب نے بھی خطبات امیر شریعتؒ کے عنوان سے شاہ صاحب کی کچھ تقاریر کی اخباری رپوٹنگز پر مشتمل ایک مجموعہ شائع کیا تھا۔ اس کا پیش لفظ مرحوم اشرف عطا نے تحریر کیا تھا۔ یہ کتاب مکتبہ تبصرہ کے اہتمام سے چھپی تھی۔ 152 صفحات پر مشتمل یہ کتاب جو سن طباعت کے اندراج سے محروم ہے۔ دو مرتبہ شائع ہوئی۔

پروفیسر زاہد منیر عامر نے ''سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور پاکستان کے نام سے 229 صفحات پر مشتمل خوبصورت کتاب تحریر فرمائی۔ جسے مجاہد تحریک ختم نبوت مولانا تاج محمودؒ نے نہ صرف پسند کیا بلکہ اسے اپنی نگرانی میں شائع کرایا۔ اور دوسرا ایڈیشن مولانا محمد اکرم طوفانی نے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع کیا۔ جو تقریباً نایاب ہے۔

ان کتب سے قطع نظر مختلف اوقات میں شاہ جیؒ کی تقاریر وغیرہ کے بعض پمفلٹ شائع ہوتے رہے ہیں جن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:۔

1۔ Bukhari, s Judjment (بخاری کا فیصلہ) یہ شاہ جیؒ کے ایک مقدمہ کا فیصلہ تھا جو مولانا عبدالکریم مباہلہ نے مباہلہ بک ڈپو قادیان کے زیر اہتمام شائع کیا۔

2۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے مقدمہ کا تاریخی فیصلہ: یہ بھی شاہ جیؒ کے مقدمہ کا فیصلہ تھا جو چوہدری افضل حقؒ نے شائع کیا۔

3۔ نوادرات امیر شریعتؒ: یہ شاہ جیؒ کی ایک تقریر تھی جو سید عبدالغفار خالد نے شائع کی۔

4۔ ختم نبوت، امت محمدیہ، مرزائیت اور پاکستان: یہ بھی شاہ جیؒ کی ایک تقریر ہی تھی جو مولانا حافظ سید عطاء المنعم ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ نے شائع کی۔

(ان کے علاوہ مختلف اوقات میں مختلف اصحاب اور بالخصوص مولانا سید ابو معاویہ

ابوذر بخاری کی طرف سے شاہ جیؒ کی تقاریر کے کتابچے شائع ہوتے رہے ہیں۔) کسی بڑے انسان کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے جو کہ اس جہاں سے رخصت ہو چکا ہو ان اخبارات اور رسائل کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے جو اس کی رحلت پر شائع ہوتے ہیں ان سے اس شخص کے بارے میں ملک وملت کے احساسات وجذبات کا صحیح اور بروقت اندازہ ہوتا ہے تو آیئے ایک جھلک ادھر بھی۔

1۔ شاہ صاحبؒ کی زندگی میں اخبارات کے نمبروں کا معاملہ کچھ ایسے ہے کہ روزنامہ ''آزاد'' جو کہ مجلس احرار کا ترجمان تھا اس کا جو بھی خاص نمبر شائع ہوتا اس میں شاہ صاحبؒ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی تھی مگر ان کی حیات میں خاص شاہ صاحبؒ سے منسوب کر کے کوئی نمبر نہ نکالا گیا ہاں البتہ شاہ صاحبؒ کی زندگی میں روزنامہ ''کوہستان'' نے ایک مرتبہ شاہ صاحبؒ پر خاص اشاعت کا اہتمام کیا تھا یہ اخبار 10 ستمبر 1960ء کو شائع ہوا تھا جس میں صفحہ اوّل پر شاہ صاحبؒ کی دو تصاویر اور ایک شاہ صاحبؒ کی قیام گاہ 232 کوٹ تغلق شاہ ملتان کی تصویر شامل تھی۔ اور جناب ایثار راعی کا مضمون بھی شامل اشاعت تھا جس کا عنوان خطیب اعظم تھا ہفت روزہ رسائل میں ''چٹان'' لاہور گاہے گاہے سرورق پر شاہ صاحبؒ کی تصاویر اندر کوئی نظم وغیرہ شائع کرتا رہتا تھا۔

2۔ مگر شاہ صاحبؒ کی زندگی میں پہلا باقاعدہ ''بخاری نمبر'' دینے کا شرف ماہنامہ ''تبصرہ'' لاہور کو حاصل ہے۔ یہ نمبر جون 1961ء میں نکلا۔ بڑے سائز کے 94 صفحات پر مشتمل اس خاص نمبر کی خاص بات ''بخاریؒ کے خطوط'' تھے جس میں شاہ صاحبؒ کے قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ۔ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ اور قادیان کانفرنس کے بارے میں خطوط شامل تھے اور اس میں شاہ صاحبؒ کی ایک 1930ء کی نادرونایاب تصویر بھی شامل تھی۔

3۔ 21 راگست 1961ء کو شاہ صاحبؒ کی وفات پر ملک کے تمام اخبارات ورسائل نے خاص اشاعتیں دیں مگر ان میں سب سے پہلے شاہ صاحبؒ کے نام سے منسوب کر کے نمبر دینے کا شرف ہفت روزہ ''ترجمان اسلام'' لاہور کو حاصل ہوا۔ ترجمان اسلام کو جاری ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا اور اس کے ایڈیٹر مولانا غلام غوث ہزارویؒ تھے۔ اس کے جس شمارے

میں شاہ صاحبؒ کی وفات کی خبر آئی اس کے ساتھ ہی چوکھٹے میں ''بخاری نمبر'' دینے کا اعلان کیا گیا تھا! یہ نمبر اگرچہ بہت مختصر یعنی صرف 16 صفحات (بڑے سائز کے) پر مشتمل تھا مگر اس کی خاص بات یہ تھی کہ یہ ترجمان اسلام کی زندگی کا پہلا نمبر تھا اس میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ، ڈاکٹر احمد حسین کمال کے مضامین اور ایک طویل رپورتاژ ''عالمگیر ماتم'' شامل تھے اور سرورق پر مولانا حافظ محمد یوسف ہری پوری کی طویل نظم ''بخاریؒ کے فراق میں'' شامل تھی۔ یہ نمبر شاہ صاحبؒ کی وفات کے صرف اٹھارہ دن بعد یعنی 8ر ستمبر 1961ء کو شائع ہوا۔ اس میں جناب سالک ربانی کی نظم بھی شامل تھی۔

4۔ اس طرح 1961ء کو روز نامہ ''کوہستان'' نے ''امیر شریعت نمبر'' دیا۔ یہ بڑے سائز کے ۸صفحات پر مشتمل تھا۔ (کئی ایک حضرات) کے مضامین شامل تھے اور ''قیصر مصطفیٰ قیصر'' کی نظم اور آخر میں شاہ صاحبؒ کے ساتھیوں کی تصاویر بھی شامل تھیں۔

5۔ اس کے بعد شاہ صاحبؒ پر سب سے زیادہ بہترین اور ضخیم نمبر روز نامہ ''امروز'' لاہور نے دیا۔ 15ر اکتوبر 1961ء کو شائع ہوا۔

علاوہ ازیں شاہ صاحبؒ کی قیمتی اور نایاب تصاویر بھی اس میں شامل تھیں۔

6۔ اخبارات و رسائل میں سب سے عظیم ضخیم رنگین بخاری نمبر دینے کا شرف ہفت روزہ ''چٹان'' کو حاصل ہے۔ چٹان کا یہ نمبر 15ر جنوری 1962ء کو نکلا۔ اس زمانے میں چٹان اپنا سالنامہ بڑی باقاعدگی سے شائع کرتا تھا یہ شمارہ دراصل چٹان کا 1962ء کا سالنامہ تھا مگر ایڈیٹر کے قول کے مطابق یہ سالنامہ اب شاہ جیؒ کی یاد سے منسوب ہو گیا تھا۔ یہ نمبر چٹان کے پرانے سائز کے 106 صفحات پر مشتمل تھا جس میں شاہ صاحبؒ کی تین نایاب تصویریں اور صفحہ اول پر شاہ صاحبؒ کے مرشد اوّل حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کی رنگین تصویر بھی شامل تھی۔ اس نمبر کی سب سے اہم بات شورش کاشمیریؒ کا مرتب کردہ ''شاہ جیؒ کا نسب نامہ حریت'' تھی جو اس نمبر کے ابتدائی صفحات میں شائع ہوا تھا۔[1]

اور اس میں شاہ صاحبؒ پر چلائے جانے والے سر سکندر حیات کے مقدمہ کی مکمل

1۔ کتاب ہذا میں شامل ہے۔

کاروائی جو کہ کئی صفحات پر مشتمل تھی بھی شامل تھی۔

8. ہفت روزہ رسائل میں ''چٹان'' کے علاوہ جس رسالہ نے یادگار ''امیر شریعت نمبر'' شائع کیا وہ لاہور کا ہفت روزہ ''پیام اسلام'' تھا جو اس وقت ''طالب حق'' کی زیر ادارت شائع ہوا کرتا تھا اس نمبر کا انداز ترتیب اور حسنِ نگارش ہر لحاظ سے قابل تعریف تھا۔ **130** صفحات پر مشتمل یہ خوبصورت ضخیم نمبر **24** نومبر **1961**ء کو شائع ہوا۔

درحقیقت شاہ جیؒ پر شائع ہونے والے نمبروں میں ''پیام اسلام'' کا مذکورہ نمبر ایک تاریخی دستاویز کی سی اہمیت کا حامل ہے۔

9. احرار کے ترجمان روزنامہ ''آزاد'' لاہور نے بھی **30** اگست **1962**ء کو ایک ''امیر شریعت نمبر'' دیا۔ اس وقت شیخ حسام الدینؒ کے صاحبزادے شیخ ریاض الدین ''آزاد'' کے ایڈیٹر تھے۔ مختلف طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات کے یادگار مضامین شامل تھے، علاوہ ازیں کئی ایک نامی گرامی شعراء کا شاہ جیؒ کو خراجِ عقیدت بھی شامل تھا۔

اس کا سرورق شاہ جیؒ کی مشہور رنگین تصویر سے مزین تھا اور پس ورق اور اندرونی سرورق پر دی گئی تصاویر کا معیار ناقص تھا۔ پس ورق کی تصاویر روزنامہ ''کوہستان'' لاہور کے امیر شریعت نمبر سے لی گئی تھیں اور اندرونی سرورق کی تصاویر چٹان کے شاہ جی نمبر سے لی گئی تھیں۔ یہ تو تھے وہ نمبر جو شاہ جیؒ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد شائع ہوئے۔ خاص نمبروں کے علاوہ بھی اس غم ناک واقعہ پر ملک کے ہر اخبار رسالہ نے مختلف پہلوؤں سے اظہارِ غم کیا تھا۔ اس کے بعد ہر سال شاہ جیؒ کے یوم وصال پر ملک کے اخبارات و رسائل خاص اشاعتیں شائع کرتے ہیں۔ بالخصوص روزنامہ ''امروز''، روزنامہ ''مشرق''، روزنامہ ''کوہستان'' اس میدان میں پیش پیش تھے، ''کوہستان'' جب تک زندہ رہا اس روایت کو نبھاتا رہا جب وہ اپنی عمر پوری کر چکا تو یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ جب کہ ''مشرق'' نے ایک طویل عرصہ تک نمبر دینے کا سلسلہ جاری رکھا لیکن اب گذشتہ چند برسوں سے وہ اس سلسلہ میں خاموش ہے ہفت روزہ رسائل میں ''چٹان''، ''لولاک'' اور ماہنامہ ''تبصرہ'' ہمیشہ سے اس روایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

10۔ 16۔ جولائی 1972ء کو مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ کی زیر ادارت شائع ہونے والے پندرہ روزہ "الاحرار" کا ایک وقیع "امیر شریعت نمبر" شائع ہوا 44 صفحات پر مشتمل اس شمارے کا سب سے اہم مضمون مولانا ابوذر بخاری کا اداریہ ہے جو "آتا ہے بہت محرم اسرار و وفایاد" کے عنوان سے شامل ہے۔

ان کے علاوہ اس شمارہ میں سید عطاء المومن بخاری صاحب کی مرتب کردہ امیر شریعت کی 26 اپریل 1946ء کی اردو پارک دہلی کی ایک تقریر بھی شامل ہیں۔

11۔ تحریک طلبہ اسلام کی ماہانہ رپورٹ جو ایک مجلّہ موسومہ تحریک کی شکل میں شائع ہوئی تھی کے اوّلین شمارہ کا ذکر بھی ضروری ہے جو امیر شریعتؒ نمبر کے طور پر شائع ہوا تھا اس شمارہ کا سرورق شاہ صاحبؒ کی مشہور تصویر اور پس ورق الجزائری رہنماؤں کے ساتھ شاہ صاحبؒ کی ملاقات کی تصاویر سے مزین ہے۔

42 صفحات پر مشتمل "تحریک" کا یہ امیر شریعت نمبر محمد یوسف سیال ایم اے کی زیر ادارت شائع ہوا تھا۔ ان کے بعد کے نمبروں میں دو نمبر خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں ایک ماہنامہ "تبصرہ" لاہور اور ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد کے نمبر شامل ہیں۔

12۔ ماہنامہ "تبصرہ" لاہور کا نمبر نومبر 1966ء میں شائع ہوا جس کے سرورق پر شاہ جیؒ کی وہ تصویر جو سر سکندر حیات کے مقدمہ سے باعزت بری ہونے کے بعد واپس آتے ہوئے اتاری گئی تھی خوبصورت انداز میں شائع کی گئی تھی۔

یہ یادگار "امیر شریعتؒ نمبر" 120 صفحات پر مشتمل تھا۔

13۔ اس کے ایک طویل عرصہ بعد زاہد منیر عامر نے ہفت روزہ "لولاک" کے اعزازی مدیر کی حیثیت سے ستمبر 1982ء میں ایک "امیر شریعتؒ" نکالا جو کہ 108 صفحات پر مشتمل تھا۔ اس نمبر میں اداریہ، عکس تحریر اور تمہید کے بعد چار ابواب ہیں۔

(۱۴) ابن امیر شریعتؒ مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ نے "بخاری کے زمرے" کے نام سے شاہ جیؒ کے خطبات کو خوبصورت انداز میں شائع کیا۔

(۱۵) موصوف کے زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان نے دو ضخیم نمبروں میں آج تک شاہ جیؒ پر لکھے جانے والے مضامین کو جمع کیا گیا۔ جنہیں قوم نے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

(۱۶) ''سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سوانح و افکار'' کے نام سے مرتب (محمد اسماعیل شجاع آبادی) نے بھی انگلی کٹوا کر شہیدوں کی صف میں اپنا نام لکھوایا۔ اور ۵۹۲ صفحات پر مشتمل خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ مجموعہ شائع کیا۔ جس میں سوانح کے ساتھ ساتھ خطبات کو اکٹھا شائع کیا گیا۔ جس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔

(۱۷) مذکورہ بالا کتاب کا یہ **تیسرا ایڈیشن** ہے۔ جس میں سوانحی حصہ کو علیحدہ شائع کیا جارہا ہے۔ جب کہ خطبات کو دوسری جلد میں شائع کیا جائے گا۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ پروردگار عالم نسل نو کو ان کے نقش قدم سے راستہ تلاش کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔
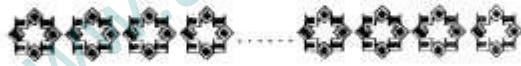
باب ہفتم
منظوم خراجِ تحسین
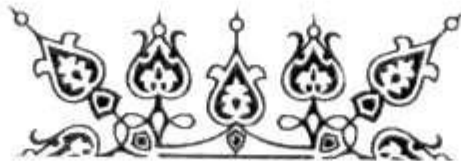
سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ!

☆ شورش کاشمیریؒ ☆

فاش ہیں مجھ پہ کئی سال سے اسرار دروں
سوچتا ہوں کہ سر عام کیوں نہ کہوں
کوئی ہنگامہ بہ عنوان وفا ہو جائے
کوئی تحریک ابھر آئے بہ عنوانِ جنوں
کیا ضروری ہے کہ ہم بستہ زنجیر رہیں
دن وہ آتا ہے کہ ٹوٹے گا شب غم کا فسوں
رات نے گاڑ کے خورشید کے سینہ میں سناں
جگمگاتے ہوئے تاروں کا اجاڑا ہے سکوں
وہ سر پردۂ تاریخ سے باہر آئیں
جن کی یلغار سے عشاق ہوئے خوار و زبوں
جن کے پنجے اٹھے دامانِ گل ولالہ پہ،
جن کی گردن پہ ہے قربانی و ایثار کا خوں
ہم نے جو کچھ بھی کیا اس کا خلاصہ یہ ہے

توڑ ڈالے ہیں فرنگی کی سیاست کے ستوں

تم نے جو کچھ بھی کیا سامنے لے کر نکلو!

ہاں! وہ افسانہ شب تاب ذرا میں بھی سنوں

آج بھی روح بخاریؒ یہ صدا دیتی ہے

تیز رکھیو سر ہر خار کو اے دشتِ جنوں

شاید آجائے کوئی آبلہ پامیرے بعد

●●●●……●●●●

اے خاکِ لحد!

دیکھنا ضائع نہ ہو جائے وطن کا بانکپن

داغ تک آنے نہ پائے اور نہ ہو میلا کفن

قبر کی مٹی سے کہہ دو لحد کو آواز دو

با ادب آئیں فرشتے روک دیں حشرات کو

پاک رہنا چاہئے محشر تلک تیرا ضمیر

سو رہا ہے تیرے دامن میں شریعت کا امیر

عطاء اللہ شاہ بخاریؒ!

جناب عبدالکریم ثمرؔ مرحوم

کبھی پستیوں میں چمکا تو فراز آسماں سے
کبھی رفعتوں سے اُلجھا تو نشیب خاکداں سے
جو مٹے گا دین حق پر وہی رہ سکے گا زندہ
یہ سبق ملا ہے مجھ کو تری مرگِ ناگہاں سے
تھکے ہارے قافلے نے تجھے خضرِ وقت جانا
تو چلا ہمیشہ ہٹ کر رہ و رسمِ کارواں سے
گُلِ سرمدی بکھیرے ترے خامہ و زباں نے
تو خراج لے رہا ہے ابھی خامہ و زباں سے
یہ خلوص یہ عقیدت یہ حضورؐ سے محبت
تجھے نسبتِ خصوصی تھی نبیؐ کے آستاں سے
تری آہ صبح گاہی ترا نالۂ شبانہ
یہی یاد رہ گیا ہے شب غم کی داستاں سے
ترا ذوق حق پسندی تجھے لے گیا رَسَن تک
بنے خار بھی گلستاں ترے شوق بیکراں سے
تری بے غرض قیادت ترا علم اور خطابت
تری داستاں کو چھیڑیں مگر ہم کہاں کہاں سے

بخاری تقریر کر رہا ہے!

....شریف اشرف

رفو گران پیمبری کی تمام محنت ادھڑ رہی ہے
عروسِ شب کی سیاہ زلفوں سے گرد ایام جھڑ رہی ہے
ہواؤں کو مار پڑ رہی ہے فضاؤں کو مار پڑ رہی ہے
زمانے کی ہر فریب ناکی سے اب ملمع اُتر رہا ہے

بخاری تقریر کر رہا ہے

حدیثِ مولا بھی کہہ رہا ہے وہ ذکرِ لیلیٰ بھی کر رہا ہے
وہ ہاتھ جس میں کتاب بھی ہے وہ ہاتھ ساغر بھی بھر رہا ہے
پُرانی شیرازہ بندیوں کا نظامِ باطل بکھر رہا ہے

بخاری تقریر کر رہا ہے

مہکتی شامیں ہیں گیسوؤں میں جبیں پہ صبحیں ڈھلک رہی ہیں
اور آستیں سے قرونِ اولیٰ کی داستانیں ٹپک رہی ہیں
خرد کی بجلی بندھی ہوئی ہے جنوں کی نبضیں دھڑک رہی ہیں

1 خدام الدین لاہور یکم ستمبر 1961ء

خدا میری سادگی کو سمجھے کہ جیسے الہام اُتر رہا ہے

بخاری تقریر کر رہا ھے

یہ حُسن جس کی شوخی شراب خانے انڈیلتی ہے

کبھی اُلجھتی ہے تیرگی پہ کبھی ستاروں پہ کھیلتی ہے

مگر یہ آواز کو ذوقوں کی بد مذاقی بھی جھیلتی ہے

ہمیشہ سے بدنصیب قوموں کا یہ مذاقِ نظر رہا ہے

بخاری تقریر کر رہا ھے

آہ! بخاری رحمۃ اللہ علیہ

فانی مراد آبادی

فضا کے سینے پہ خونی کرگس کے تیز پنجے مچل رہے ہیں
چراغِ علم وادب کی لَو سے دھوئیں کے بادل ابل رہے ہیں
کہ آج احرار کا نگہبان جو تختِ علمی پہ تھا فروزاں
حیات فانی سے ہو کے گریاں، سدھارا سوئے جہاں یزداں
وہ ایک عالم جسے جہاں نے خراجِ تحسیں ادا کیا تھا
وہ ایک مومن جو لطفِ احمد کی برکتوں سے قمر بنا تھا
حلم عجز اور تواضع کا پیکر
وہ ایک رہبر کہ جس کی نظروں میں ساری دنیا کوزہ گل
وہ اک معلم کہ جس کے صدقے میں رہ نوردوں نے پائی منزل
وہ اک مفسر دلوں سے جس نے نکالے شبہات نود سیدا
وہ اک مقرر کہ جس کے طرز بیاں میں شعلوں کا سوز پیدا
اسی چراغِ سحر بہ پہلو کے غم میں عالم یہ رو رہا ہے
مگر وہ بادِ قضا سے بجھ کر زمین کے پہلو میں سو رہا ہے

نقیبِ عظمت رسالت ﷺ

منفرد ذوقِ عمل، زورِ بیاں رکھتا تھا
دِل پُر سوز، لب شعلہ فشاں رکھتا تھا
لب پہ توحید کے نغمات رواں رہتے تھے
دل میں عشقِ شہ لولاکؐ نہاں رکھتا تھا بجز خدمتِ دیں
اس تمنا کو بہرحال جواں رکھتا تھا
اُٹھ گیا عظمت و تقدیسِ رسالت کا نقیب
سینۂ شوق میں جو برقِ تپاں رکھتا تھا
روشِ اہلِ جہاں کا وہ نہیں تھا پابند
مردِ آزاد الگ اپنا جہاں رکھتا تھا
اُس کے پاؤں میں نہ آئی کبھی لغزش تائبؔ
راہ میں گرچہ کئی سنگِ گراں رکھتا تھا

(حفیظ تائب)

1. خدام الدین لاہور

سوز نہاں

انور صابری

سینے میں عجب سوزِ نہاں چھوڑ گیا ہے
دل میں خلشِ زخمِ جواں چھوڑ گیا ہے
ہنستا ہوا پہنچا ہے درِ خلدِ بریں تک
دنیا میں ہمیں گریہ کناں چھوڑ گیا ہے
پہلو میں وہ سب داغِ جگر بن کے رہیں گے
جو اپنی محبت کے نشاں چھوڑ گیا ہے
اے قافلۂ جادۂ احرار کے رہبر
حیرت ہے ہمیں لا کے کہاں چھوڑ گیا ہے
خود چین سے سونے کے لئے کنجِ لحد میں!
اک محشرِ فریاد و فغاں چھوڑ گیا ہے!
اللہ کے قرآن کی تفسیرِ مجسم
بہر نگہ حق نگراں چھوڑ گیا ہے

ہر لفظ میں تھیں موجۂ زمزم کی ادائیں
کوثر میں ڈھلا حُسنِ زباں چھوڑ گیا ہے
سُلگا کے کلیجوں میں غمِ دل کے شرارے
ماحول میں آہوں کا دُھواں چھوڑ گیا ہے
کہتے تھے جسے ساقی کوثر کا نواسہ
پیاسا ہمیں وہ پیر مغاں چھوڑ گیا ہے

اِتنی دلکش تو ترے حُسن کی دنیا بھی نہیں

احسان دانش

ذوق شیون بھی عشق کا دعویٰ بھی نہیں
میرے آداب جنوں کا یہ تقاضا بھی نہیں

عشق میں اہل تمنا کے خسارے پہ نہ جا
حسن کم بخت تو بدنام ہے رُسوا بھی نہیں

آپ زنداں کے مصائب سے ڈراتے ہیں اُنہیں
جن کو اس دور میں جینے کی تمنا بھی نہیں

سوچتا ہوں کہ کہاں اہل جنوں دم لیں گے
دشت ایثار میں کوسوں کہیں سایہ بھی نہیں

میرے سجدوں کا صلہ میری عبادت کی جزا
بزم دنیا کا تو کیا ذکر ہے عقبیٰ بھی نہیں

پہلی بار آج یہ اشکوں کا تسلسل ہے شدید
اس طرح دل مرا پہلے کبھی دھڑکا بھی نہیں

اپنا دل، اپنی نظر، اپنی طلب، اپنی پسند،
ہم نے اُس حسن کو چاہا جسے دیکھا بھی نہیں

مشکلوں کو وہی آسان کرے گا دانش
اپنا اُس در کے سوا کوئی سہارا بھی نہیں

سوئے ریاضِ خُلد بخاریؒ چلا گیا

علامہ انور صابری

سالارِ کاروانِ جہانِ وفا گیا!
سوئے ریاضِ خلد بخاری چلا گیا

ہر آنکھ میں ہیں اشک ہر اِک لب پہ آہِ سرد
اربابِ دردِ عشق کا درد آشنا گیا

پہنچا جہاں فضا میں لطافت بکھیر دی
گذرا جدھر سے نقشِ قدم چھوڑتا گیا

روحِ ابوالکلام کا آئینہ دارِ فکر
چشم و چراغ محفلِ مشکل کشا گیا

تصویر خلق، پیکر اخلاص زندگی
سرتاپا اِک نمونۂ صبر و رضا گیا

الفاظ کے مزاجِ معانی کا رازداں
جمہور کے دلوں میں اترتا ہوا گیا

آزادئ وطن کا جواں عزم رہنما
آزادئ وطن کے ستم جھیلتا گیا

ہفت روزہ لولاک (لائل پور) فیصل آباد 21 اگست 1964ء

مرگ عظیم!

جناب ساغر صدیقی مرحوم

موت کی جرأتِ بیباک پہ حیران ہوں میں
شیشۂ فکر و نظر چور ہوا جاتا ہے
ہر شگوفہ مرے تخیل کا مرجھایا ہے
ہر نفس نالۂ رنجور ہوا جاتا ہے
آج وہ پھول لٹا ہے مرے گلشن کا ندیم
جس کی خوشبو سے معطر تھے بہاروں کے
موت کو راہ میں ظلمات کا اندیشہ تھا
چھین کر لے گئی ایوان مشیت کا چراغ
مہر سی جس کی جبیں ماہ سا جس کا چہرہ
قبلہ اہل نظر نقش قدم تھے جس کے
جگمگاتے ہوئے سینے میں گداز قرآن
نطقِ و ادراک اشاروں کا چشم تھے جس کے
سو گیا راہِ سیاست کا جیالا راہی!

بجھ گئیں شمع فصاحت کی ضیائیں افسوس
اب ہمیں کون سنائے گا شریعت کا پیام!
لٹ گئیں حسن خطابت کی آدائیں افسوس

درد میں ڈوبے سیہ پوش فلک پر بادل
آہ و ماتم کے نشاں کرب والم کی دُنیا
آج مٹی کا وہاں ڈھیر سا ہوگا ساغرؔ
سر جھکاتی تھی جہاں لوح و قلم کی دنیا

سوچ کی گھڑیاں

سید عبدالحمید عدم

اخوت کے پرچم اڑاتا ہوا
محبت کے خطبے سناتا ہوا
گرجتا ہوا، دندناتا ہوا
مگر دم بدم مسکراتا ہوا
صداقت کے چہرے سے بے ساختہ
توہم کے پردے اُٹھاتا ہوا
خدا کی محبت کے عرفان سے
چمکتا ہوا جگمگاتا ہوا
مخالف ہواؤں کی یلغار پر
عزائم کے خنجر چلاتا ہوا
ضمیر منور کی تلوار سے
رگیں شرک کی کاٹ جاتا ہوا
محمدؐ کی سیرت کا پیغام بر

خدا کے سندیے سناتا ہوا
جوانوں کا عاشق، سپاہی کی ہتھ
حمیت کے جوہر دکھاتا ہوا
بڑی منزلیں کر کے طے حلم کی
بڑی دیر چلتا چلاتا ہوا
نہایت اہم سوچ میں کھو گیا
گھڑی دو گھڑی کے لئے سو گیا
اگرچہ وہ مصروف ہے خواب میں
حسیں ولولے اس کے بیدار ہیں
صبا اس کے اخلاق کا گیت ہے
ریاض و چمن اس کے اطوار ہیں
ہیں لوحِ ابد پر جو لکھے ہوئے
وہ اس کی ریاضت کے اشعار ہیں
بقا اس کی مرغوب پوشاک ہے
خدا اس کی تحقیق ادراک ہے

"خدام الدین" لاہور یکم ستمبر 1961ء

ٹوٹ گئی زنجیر

ایک طرف توپوں کے دہانے ایک طرف تقریر
زنداں میں بھی ساتھ رہی آزادی کی توقیر
خوشبو بن کر پھیلی تیرے خوابوں کی تعبیر
ٹوٹ گئی زنجیر

تجھ سے پہلے عام کہاں تھی دار ورسن کی بات
چاروں جانب چھائی ہوئی تھی محکومی کی رات
اپنے بھی تھے ظلم پہ مائل بیگانوں کے ساتھ
آگے بڑھ کر تو نے بدل دی ہم سب کی تقدیر
ٹوٹ گئی زنجیر

گلی گلی میں تیرے چرچے نگر نگر کہرام
بول کے میٹھی بولی تو نے کیا تھا جگ کو رام
جب تک قائم ہے یہ دنیا رہے گا تیرا نام
کون مٹا سکتا ہے تیری عظمت کی تحریر
ٹوٹ گئی زنجیر

ہنسی ہنسی میں تو نے کھولے اہل ستم کے راز

مرتے دم تک تو نے اُٹھائے سچائی کے ناز
کہیں دبائے سے دبتی ہے شعلہ صفت آواز
چیر گئی ظلمت کا سینہ لفظوں کی شمشیر
ٹوٹ گئی زنجیر

تیرے خوشہ چیں ہوئے ہیں آج بڑے دھنوان
تو نے اپنی آن نہ بیچی کیسی ہے تیری شان
بات پہ اپنی جو مِٹ جائے وہی ہے بس انسان
شاہ جی تجھے کہتی ہے دُنیا تو تھا ایک فقیر
ٹوٹ گئی زنجیر

﴿ حبیب جالب ﴾

حضرت شاہ صاحب بخاریؒ کے فراق میں

از:- مولانا حافظ محمد یوسف صاحب ساکن ملکیاء
تحصیل ہری پور (ہزارہ)

باطل پہ آج خوف سا طاری نہیں رہا
کیا حکم عرش فرش پہ جاری نہیں رہا
بولا کوئی، مجاہد باری نہیں رہا
دنیا میں آج شاہِ بخاری نہیں رہا

محبوب بزم گوشہ نشیں ہوگیا ہے آج
اُف آفتاب زیر زمیں ہوگیا ہے آج

درویش تجھ سا کوئی تہ آسماں نہیں
ایسی ادا نہیں ہے کسی کی زبان نہیں
تجھ سا بلا مبالغہ قرآن خواں نہیں
واعظ تو بے شمار ہیں جادو بیاں نہیں

خوش دل تھے، خوش مزاج تھے اور خوش خصال تھے
اسلاف کی مثال تھے خود بے مثال تھے

اے دلبر فصیح و بلیغ و حسین آ
آنکھوں کے نور دل کے سرور و مکین آ
نانا کے دین پاک کے وارث امین آ
تجھ کو تلاش کرتے ہیں اہل زمین آ
چرچا ترے فیوض کا ہے ہند و پاک میں
تو کس خیال سے شہا سویا ہے خاک میں
جنگل میں کوہسار میں، تیری تلاش ہے
ندی، میں آبشار میں تیری تلاش ہے
گلشن سبزہ زار میں تیری تلاش ہے
بستی میں رہگذار میں تیری تلاش ہے
اے نورِ چشم، چشم کے تم رُو برو رہو
اِس بزم کے چراغ رہو گل کی بُو رہو
اے حضرت امیر شریعت بتایئے
اے آشنائے راہِ طریقت بتایئے
اے رازدارِ سر حقیقت بتایئے
اے پیشوائے اہل بصیرت بتایئے
تیرے بغیر قوم کو آکر جگائے کون
اعلائے حق کے واسطے سب کچھ لٹائے کون
پاکیزہ بچپن اور جوانی بھی طے ہوئی
سیلاب غم کی تیز روانی بھی طے ہوئی

حق گوئی اور فیض رسانی بھی طے ہوئی
آخر بخیر منزلِ فانی بھی طے ہوئی

اب اس جہاں کی منزلیں آساں خدا کرے
جنت مقام صدقۂ خیرالوریٰ کرے

اے، بے شعور قوم کے معمار الوداع
اخلاق عالی شان کے معیار الوداع

اے شاہ اور شاہ کے کردار الوداع
عالی وقار قائد احرار الوداع

اے جانے والی ہستی ممتاز السلام

ترجمان اسلام لاہور 8 ستمبر 1961ء

✪✪✪✪
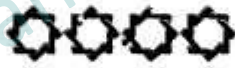
کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے

خلیق قریشی

جس نے کئے ہیں تاجوروں سے مقابلے
درویش جس نے جیتے ہیں شاہوں سے معرکے

سحر آفریں خطیب، اثر آفریں خطاب
اک موج ہے کہ شعلہ! اسے کوئی کیا کہے

جھڑتے ہیں جس کے خلوت و جلوت میں منہ سے پھول
شیریں ہے جس کا ہر کلمہ شہد و شیر سے

ہر نکتے میں فسونِ فصاحت کی انتہا
ہر بات میں حروف نگینے جڑے ہوئے

الفاظ میں ہے صورِ اسرافیل کا خروش
اسلوب میں ہیں جوشِ شہادت کے ولولے

اقلیم پاک و ہند کا سرمایۂ غرور
اس مردِ باخدا کے عجب ہیں معاملے

ہر دوست کے لئے ہیں سپر اس کے جان و دل!

اک تیر بے اماں ہے وہ دشمن کے واسطے

افرنگ کی نگاہ میں کانٹا بنا رہا

جس کی ہر اک سانس سے صدہا چمن کھلے

صبح شباب، شام کہولت، شب حیات

ٹکڑے ہیں اک جہادِ مسلسل کے دیکھئے

قرآن کے معارف و انوار کا بیاں

خوش بخت ہے جو اس کی زبان سے کوئی سنے

صورت گری مانی و بہزاد خوب تھی

لیکن ہے گرد نطقِ بخاریؔ کے

تقریر میں وہ حسن، بیاں میں وہ بانکپن

کانوں مین گونجتے ہیں بخاری کے

ہفت روزہ لولاک لائل پور فیصل آباد

21/اگست 1964ء

آئینہ دار عظمت اولاد بوتراب

(سید عبدالمنان شاہد)

آئینہ دارِ عظمت اولادِ بوتراب
ہر وصف بینظیر ہر اک بات لاجواب
اس کی رگوں میں عشقِ پیمبر تھا موجزن
اس کے لبوں پہ صدقِ ابوذر تھا ضوفگن
ملت کو اس نے عزم و عمل کا دیا سبق
اس کی کتاب زیست کا روشن ہر ورق
اس کی نوا تھی یا جرسِ کاروانِ حق
باطل کا جس سے رنگ ہوا زرد چہرہ فق
عشقِ نبی جوت جگاتا چلا گیا
طاغوتیت کا نقش مٹاتا چلا گیا
آتش نفس خطیب و پیمبر صفت زعیم
اوصاف میں حمید تو اخلاق میں عظیم

ذوقِ نظر بلند، مذاقِ سخن سلیم

ہیبت سے اس کی سطوتِ افرنگ ہے دونیم

رشکِ شہنشاں تھا فقیری میں اس کی ذات

ملتے کہاں ہیں دہر میں اب ایسے خوش صفات

دل کا ہر ایک زخم نمایاں کئے ہوئے

آنکھوں میں شمعِ عشق فروزاں کئے ہوئے

نطقِ حسین کو حشر بداماں کئے ہوئے

حبِّ نبی کو حرزِ دل و جان کئے ہوئے

جو کام اس کو کرنا تھا وہ کام کرگیا

باطل کو ہر محاذ پہ ناکام کر گیا

ہفت روزہ لولاک لائل پور فیصل آباد

۲۱/اگست 1964ء

☆☆......☆☆

قدرت کے شاہکار بخاریؒ بھی چل بسے

نذر عقیدت از جناب سالک ربانی صاحب ۔ میاں چنوں

آنکھیں ہیں اشکبار بخاریؒ بھی چل بسے
دنیا ہے سوگوار بخاریؒ بھی چل بسے

جادو اثر ادیب وہ شعلہ نوا خطیب
یکتائے روزگار بخاریؒ بھی چل بسے

بے باک حق پسند محبِ وطن خطیب
ملت کے جانثار بخاریؒ بھی چل بسے

آزادؒ زیبِ صحن گلستانِ ایشیاء
رنگِ گل و بہار بخاریؒ بھی چل بسے

ظاہر پرست آنکھ نے شبنم سمجھ لیا
گریاں تھے برگ و بار بخاریؒ بھی چل بسے

اے بوستانِ فکر و عمل بزمِ شاعری
اجڑی تری بہار بخاریؒ بھی چل بسے

وحشت فزائے آہوئے افرنگ جس کی ذات

وہ شیر مرغزار بخاریؒ بھی چل بسے

جورِ فرنگ گردشِ ایام کے اسیر

خنداں تھے زیرِ دار بخاریؒ بھی چل بسے

صدرِ نظام مجلس احرار بالخصوص

قائد وہ شہسوار بخاریؒ بھی چل بسے

جن کا ضمیر فیض نبوت سے مستنیر

الفت کے راز دار بخاریؒ بھی چل بسے

گریاں فلک ملائکہ نوحہ کناں بہ زمیں

قدرت کے شاہکار بخاریؒ بھی چل بسے

جرأت شکن تھے زاویے جس کی نگاہ کے

ہائے وہ شعلہ بار بخاری بھی چل بسے

سالکؔ زبانِ شعر میں کیسے ادا کروں

مذہب کے غمگسار بخاری بھی چل بسے

❋❋❋❋

باب ہشتم
مکتوبات
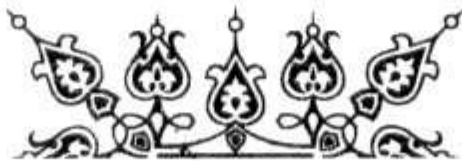
مکتوبات امیر شریعتؒ

- امیر شریعتؒ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تمام عمر کسی عنوان سے اخبارات میں کوئی بیان نہیں دیا۔
- شاہ جیؒ تحریر کو فتنہ سمجھتے تھے۔ بہت ہی کم لوگوں کو آٹوگراف دیتے۔
- شاہ جیؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ فرمایا کہ میری کتاب ''قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ'' ہیں۔

(روایت ابن امیر شریعتؒ پیر جی سید عطاء المھیمن بخاری)

- شاہ جیؒ نے گنے چنے خطوط لکھے۔ اس سلسلہ میں ادیب شہیر جناب مولانا نعیم آسیؒ سیالکوٹ نے مکاتیب امیر شریعتؒ کے نام سے 9 خطوط جمع کئے۔
- ایک خط آپ نے حسین شہید سہروردی کو لکھا جس میں (مارشل لاء 1953ء) کے ایک سزائے موت کے قیدی کی سزا کو عمر قید کے ساتھ تبدیل کرنے کی سفارش کی جو قبول کر لی گئی۔
- اس باب میں کل چودہ 14 خطوط ہیں۔ جو پیش خدمت ہیں:
- ایک خط مجاہد تحریک ختم نبوت مولانا تاج محمودؒ کے نام ہے۔ جو ہفت روزہ ''لولاک'' فیصل آباد کے سید بنوریؒ نمبر سے لیا گیا ہے۔ دو خطوط ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان کے امیر شریعت نمبر سے لئے گئے ہیں۔
- ایک خط جلالپور پیر والہ کے حاجی غلام قادر بازادار مرحوم کے نام ہے۔ جو مرحوم کے پوتے مولانا عبدالشکور شاکر مہتمم جامعہ رحمانیہ نے عنایت فرمایا۔

قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کے نام

15۔نومبر 1951ء سیالکوٹ

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

عزیزی قاضی جی !

السلام علیکم:

اس دن ملتان آپ ملے۔ مگر اتنی مختصر ملاقات ہوئی کہ ہم کوئی بات چیت نہ کر سکے۔ آپ نے کہا میں گھر جاتا ہوں۔ میں چپ ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ملتان آئے اور گھر تک نہ آئے۔ دنیا میں ایک جگہ ایسی تھی۔ جہاں مجھے سکون حاصل ہوتا تھا۔ کیا اب وہاں سے بھی سکون کی جگہ پریشانی نصیب ہوگی۔ قاضی جی جس کام کو حسن و خوبی سے شروع کیا جائے۔ اس کا اختتام بھی خیر و خوبی سے ہونا چاہئے۔

☆ مکتوب نمبر 1 اور نمبر 2 قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کے نام ہیں۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ مجلس احرار کے نامور خطیب اور شاہ جیؒ کی وفات کے بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دوسرے امیر منتخب ہوئے تھے، تاریخ پیدائش 3۔مئی 1906ء، وفات 23 نومبر 1966ء، مولد و مدفن قصبہ شجاع آباد ضلع ملتان، ان گنت تحریکوں میں حصہ لیا۔ آٹھ نو برس قید و بند میں گزارے۔ آخری گرفتاری 1960ء میں ایوب خاں کے دور میں ہوئی۔ شجاع آباد کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مفصل حالات کے لئے دیکھیں "قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ سوانح و افکار" مرتبہ: محمد اسماعیل شجاع آبادی عفا اللہ عنہ

میں 20-21 تک ملتان پہنچ جاؤں گا۔ میری دلی تمنا ہے کہ آپ جمعرات کو ملتان آجائیں اور ہم گھر میں بیٹھ کر کچھ باتیں کرلیں۔ اس سے زیادہ لکھنا مناسب نہیں۔ بس آپ جمعرات کو تشریف لے لائیں اور بہر حال تشریف لے آئیں۔ بچوں کو دُعائیں اور باقی سب خورد و کلاں کو السلام علیکم۔ حضرت قاضی[1] صاحب کی خدمت میں اور اماں جی کی خدمت میں السلام علیکم۔[2]

والسلام

دُعا گو

سید عطاء اللہ بخاری

1۔ قاضی محمد امین مرحوم والد ماجد قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

2۔ سوانح قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ ص 502 مرتبہ: قاری نور الحق قریشی ایڈووکیٹ

......ملتان شہر......

میرے قاضی جی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! بہت دن ہوئے میں نے اپنے پڑوسی میاں احمد یار کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ تاکہ ان کے ایک عزیز کا کام آپ کے ذریعے انجام ہو جائے۔ لیکن اب تک وہ بیچارے پریشانی میں مبتلا ہیں۔ اور ان کا کام کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ قاضی جی! میں تو جیسا نکما ہوں آپ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت صلاحیتیں عطا کی ہیں اور بہت لوگوں کو آپ سے فائدے پہنچتے رہتے ہیں۔ بارہ برس سے میاں احمد یار کی ہمسائیگی میں پڑا ہوا ہوں اور الحمدللہ کہ اچھی گزر رہی ہے اگر ان کا کام نہ ہوا تو آپ خود سوچ لیں۔ میری اس حالت میں مجھ پر کیا گزرے گی۔ یہ میں اس لئے لکھ رہا ہوں۔ کہ ان کا حق پر ہونا آپ پر ثابت ہو چکا ہے۔ آپ نے جو مہربانی کی ہے اس کے تو وہ ممنون ہیں۔ لیکن قدرے بہتر از یں۔ مشکلات کا اندازہ مجھے بھی ہے۔ لیکن میری گزارش بھی قاضی احسان احمدؒ سے ہے کسی ایرے غیرے سے نہیں مجھے اُمید ہے کہ اب کے یہ لوگ آپ کے یہاں سے تہی دامن واپس نہیں آئیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میری تکلیفیں آج کل بہت زیادہ ہو گئی ہیں۔ دعاؤں کا محتاج ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو خیریت سے رکھے۔ بڑی مشکل سے یہ چند سطریں اپنے سے لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کریں۔ آمین۔[1]

والسلام

سید عطاء اللہ بخاریؒ

اس مکتوب پر سن درج نہیں۔ مگر تین اندرونی شہادتوں کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ یکم مارچ 1961ء کو لکھا گیا۔ شاہ جی 48ء کے آخر میں ملتان آئے "بارہ برس سے میاں احمد یار کی ہمسائیگی میں پڑا ہوا ہوں۔" اور مکتوب کے آغاز کی تاریخ پیش نظر رکھیں تو جو تاریخ اور سن متعین ہوتا ہے۔ وہ یکم مارچ ہی ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شاہ جی پر فالج کا دوسرا حملہ 2 رجنوری کو اور تیسرا شدید حملہ 16 رمارچ 1961ء کو ہوا تھا۔ مکتوب کا آخری فقرہ "بڑی مشکل سے یہ چند سطور اپنے ہاتھ سے لکھ رہا ہوں۔" بھی یہی بتاتا ہے کہ مکتوب مذکور یکم مارچ 1961ء کو لکھا گیا۔

1. سوانح قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص 505

مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نام

7رجنوری 1957ء

مکرمی و محترمی حضرت مولانا احمد علی صاحب زید مجدہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:

روزنامہ ''کوہستان'' لاہور میں میں نے دو خط پڑھے ہیں۔ ایک میں میرے کسی شعر پر اعتراض ہے اور دوسرے میں آپ کا فتویٰ۔ میرے وہم میں بھی ذم کا یہ پہلو نہیں تھا۔ چونکہ آپ فرماتے ہیں کہ شعر سے ذم کا پہلو نکلتا ہے۔ آپ کے ارشاد کے بعد میں اس شعر کی کوئی تاویل کرنا نہیں چاہتا اور استغفر اللہ پڑھتا ہوں۔ آپ بھی میرے حق میں دُعا کریں۔ اللہ مجھے معاف کرے۔

ہاں! ایک عرض ہے کہ آپ نے اپنے خط میں مجھے مودودی کا چھوٹا بھائی قرار دیا ہے۔

مولانا! آپ مجھے تقریباً تیس چالیس برس سے جانتے ہیں۔ آپ نے کبھی مجھ کو جھوٹ بولتے دیکھا یا سنا۔ جہاں تک اپنے متعلق مجھے خود یاد پڑتا ہے۔ جھوٹ بولنے کا گناہ مجھ سے کبھی نہیں ہوا آپ نے مجھے مودودی صاحب کا چھوٹا بھائی کیسے کہہ دیا۔ چھوٹے بھائی والی بات آپ واپس لے لیجئے۔ شعر میں نے

قلمزن کر دیا۔ 1

محتاج دعا

سید عطاء اللہ بخاری

ملتان 5 رجمادی الثانی 1276ھ (بمطابق 7 رجنوری 1957ء)

---

1 حیات امیر شریعت ص 527، 528 مرتبہ: مرزا غلام نبی جانبازؒ

☆ حضرت شاہ جیؒ کے اُردو اور فارسی مجموعہ کلام ''سواطع الالہام'' میں ایک شعر تھا ۔

زکاف کعبہ تا کاف کراچی
سراسر کفر و کفر دون کفر

اس شعر کا ایک خاص پس منظر تھا۔ 1951ء میں جب پاکستان کی مرکزی وصوبائی حکومتوں کے درمیان کھینچا تانی اور چپقلس کا سلسلہ جاری تھا تو دوستوں کی ایک محفل میں اس کا ذکر آ گیا۔ جس پر حضرت شاہ جیؒ نے فرمایا:

''تم ایک پاکستان کو روتے ہو، باقی مسلمان ممالک کا کیا حال ہے؟ سب کے سب ایک دوسرے سے بدتر ہیں۔ کون سی جگہ ہے جہاں ملعون انگریز نے اپنا کام نہیں کیا۔ اُس نے مسلمانوں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اور آج تو مکہ میں بھی یا امریکہ ہے یا برطانیہ۔ بہر حال ملوکیت ہے۔ اسلام وہاں بھی نہیں۔ اور میں تو بلا خوف کہتا ہوں کہ کعبہ سے کراچی تک ہر جگہ قانونِ کفر ہی مسلط ہے۔ کہلاتے تو سب مسلمان ہیں مگر کہیں انگریز کے ٹوڈی اور کہیں نمک حرامانِ محمد (ﷺ) ہیں کہ جس محسن انسانیت کی جوتیوں کے صدقے میں ان عیاشوں کو حکومتیں ملیں، عین وقت پر اسی کو فراموش کر بیٹھے۔ اتنا کہہ کر اپنے مخصوص جلال آمیز انداز میں بالبداہت یہ شعر پڑھا ۔

زکاف کعبہ تا کاف کراچی
سراسر کفر و کفر دون کفر

☆ سواطع الالہام مارچ 1955ء میں چھپی۔ اس کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد لاہور کے نامور عالم مولانا احمد علیؒ نے سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی ایک عبارت پر گرفت کی۔ کہ اس سے اہانت کعبہ کا پہلو نکلتا ہے۔ مولانا مودودی کے ہمنوا بے قابو ہو گئے۔ حادثہ یہ ہوا کہ ایک صاحب نے حضرت شاہ جی کا محولہ شعر بغیر شاہ جی کا حوالہ دیئے مولانا احمد علی لاہوریؒ کو لکھ بھیجا اور ان کی رائے پوچھی۔ مولانا کا جواب تھا ''یہ بھی کوئی مودودی کا چھوٹا بھائی ہے اور گمراہ ہے۔'' مکتوب نگار نے مولانا لاہوری کا یہ جواب اور اپنا سوال دونوں روزنامہ ''کوہستان'' لاہور میں شائع کرا دیئے جس پر حضرت شاہ جیؒ نے مولانا احمد علی لاہوریؒ کو مذکورہ خط تحریر کیا۔

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے نام

مئی 1945ء

میرے حضرت جی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

گرامی نامہ بجواب عریضہ صدر مجلس احرارِ اسلام کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ الحمدللہ صدر صاحب تو اس وقت کلکتے پہنچے ہوئے ہیں۔ ان چند سطروں کے پیش کرنے کا فخر مجھے حاصل ہو رہا ہے، حضرت کی خدمتِ اقدس میں جو عریضہ ارسال کیا گیا ہے۔ وہ محض اظہارِ مقصد کے لئے ہے۔ اب حضرت والا اپنی مرضی کے مطابق جہاں مناسب خیال فرمائیں اور جس مقام کو موزوں سمجھیں اور جن حضرات کو دعوت دینا حضرت کی نظر برکت اثر میں ضروری ہو ارشاد فرمائیں۔ انشاء اللہ ارشادِ عالی کی تعمیل کی جائے گی۔ حضرت کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔[1]

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امرتسر

⊙⊙⊙⊙......⊙⊙⊙⊙

☆ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا یہ مکتوب مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے نام ہے۔ مولانا مدنیؒ تحریک ریشمی رومال کے قائد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا کے شاگرد خاص تھے۔ جزیرہ مالٹا میں مولانا کے ساتھ کئی برس قید کاٹی۔ ہندوستان کے نہایت بلند پایہ عالم اور بہت بڑے مجاہد آزادی تھے، مدتوں جمعیۃ علماء ہند کے امیر رہے۔ شاہ جیؒ کا مذکورہ مکتوب مولانا نجم الدین اصلاحی نے مولانا مدنیؒ کے مجموعہ مکاتیب مکاتیب شیخ الاسلامؒ کے حصہ دوم میں صفحہ 7۔306 کے حاشیہ میں درج کیا ہے۔ اس مکتوب پر اگرچہ کسی تاریخ کا اندراج نہیں ہے مگر مولانا مدنیؒ کے جوابی مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اواخر جمادی الاوّل 1364ھ (مئی 1945ء) کو لکھا گیا۔ جب مجلس احرارِ اسلام اور جمعیۃ علماء ہند مسلمانانِ ہند کے سیاسی مستقبل کی بابت آپس میں گفتگو کرنا طے کر رہی تھیں۔

1۔ مکاتیب شیخ الاسلام ص306، 307 مرتبہ: مولانا نجم الدین اصلاحی

عبداللہ ملک کے نام

عزیزم عبداللہ ملک سلمہٗ

خوش رہو، جیتے رہو، آباد رہو اور شاد رہو زندگی کے شب و روز اسی طرح بسر ہوتے ہیں۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے کہ اس کے لئے اضطراب ہو نہ بیتے ہوئے دنوں کا افسوس ہے اور نہ حال سے کوئی شکوہ، مستقبل کی فکر ہی کیا جو لوگ مستقبل کے لئے جی رہے ہیں ان سے پوچھئے۔ اپنا تو چل چلاؤ ہے گور کنارے بیٹھا ہوں دیکھئے کب بلاوا آجائے۔

اب اس کے سوا کوئی مشغلہ نہیں رہا کہ اپنے اللہ سے صبح و شام بھیک مانگتا ہوں، وہی پالن ہار ہے اس کے ہاں عفو و درگذر کے سوا کچھ نہیں، ہمارا خدا ہمارا خدا ہے۔ سزا گناہوں کی دے چکا ہے۔ جزا پشیمانیوں کی دے گا۔ تمہارے لئے دن رات دُعا کرتا ہوں، اب چمن اور اس کی شاخیں، تم نوجوانوں کی باغبانی کے سپرد ہیں۔ جب تک جیو وضعداری سے جیو کہ یہی ایمان کی نشانی اور حاصل زندگانی ہے۔[1]

والدعا

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

---

1. ہفت روزہ چٹان لاہور 15 جنوری 1962ء ص 32

مولوی عبدالکریم شاہ پوری کے نام

......ملتان شہر......

10 ررمضان (1370ھ)

عزیزی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

خط پہنچا۔ اللہ تعالیٰ مولود مسعود کو عمر دراز اور نیک نہاد بخشے۔ آمین
گرمی بہت ہے احتیاط رکھئے گا۔ اور مولوی عبدالحکیم صاحب کو السلام علیکم!
ناراضگی تو ہے اور معافی یوں نہیں ہوگی۔ [1]

والدعا

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

☆ یہ مکتوب پہلی دفعہ چھپ رہا ہے۔ یہ مکرم سید امین گیلانی صاحب (شیخوپورہ) کے توسط سے حاصل ہوا۔ میری درخواست پر انہوں نے مندرجہ ذیل سطور بطور پس منظر لکھ کر عطا فرمائیں۔

شاہ صاحب بخاری کا یہ خط مولوی عبدالکریم صاحب شاہ پور کے نام ہے۔ مولوی عبدالکریم صاحب احرار کے سرگرم کارکن تھے۔ اور شاہ صاحب کے ساتھ غایت درجہ محبت رکھتے تھے۔ ان کے ہاں نومولود بچہ کی اطلاع پر یہ خط حضرت شاہ صاحب نے تحریر فرمایا تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب سے میرے بھی تعلقات تھے۔ اسی لئے ان سے یہ خط میں نے لے لیا۔" (سید امین گیلانی 24 راپریل 1981ء)

شاہ جیؒ نے اس مکتوب پر 10 ررمضان کی تاریخ ڈالی ہے۔ اور سن ہجری نہیں لکھا۔ پوسٹ کارڈ پر ڈاک خانہ ملتان کی مہر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کارڈ 17 رجنوری 1951ء کو حوالہ ڈاک کیا گیا۔ اس طرح جو سن ہجری نکلتا ہے۔ وہ 1370 ہے۔ گویا یہ مکتوب 10۔ رمضان 1370ھ کو لکھا گیا۔ عیسوی تاریخ 15۔ جنوری 1951ء بنتی ہے۔ غالباً شاہ جیؒ نے 15۔ جنوری کو یہ پوسٹ کارڈ لکھ کر رکھ دیا۔ اور سپردِ ڈاک کرنے کی نوبت 17۔ جنوری کو آئی۔

[1] مکاتیب امیر شریعت ص 82،81 (مرتبہ: مولانا نعیم آسی شہیدؔ سیالکوٹی)

نذر محمد ملک اللہ دتہ چنیوٹی کے نام

لاھور

20 / اگست 1947ء

عزیزان نذر محمد، ملک اللہ دتہ !

السلام علیکم!

میں اپنے اہل وعیال اور دوستوں سمیت خیریت سے ہوں۔ مارچ کے مہینے سے لاہور میں ہوں۔ اب خانگڑھ ضلع مظفر گڑھ میں نواب نصر اللہ خانؒ کے یہاں چلا جاؤں گا۔ ارادہ کرلیا ہے۔

امرتسر بالکل تباہ ہو چکا ہے اور آئندہ مسلمانوں کے وہاں آباد ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس وقت ایک لاکھ کے قریب مسلمان پہنچ چکا ہے اور اب فیروز پور، ہشیار پور وغیرہ کی آمد شروع ہوگئی ہے۔ مشرقی پنجاب کا مسلمان اس

☆ شاہ جیؒ کا یہ خط تاریخی اہمیت کا حامل ہے، بالخصوص اس اعتبار سے کہ تقسیم ملک کے بعد مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر کیا گزری؟ شاہ جیؒ نے مختصر الفاظ میں اس کا جو نقشہ کھینچ دیا ہے کوئی اس سے بڑھ کر کیا لکھے گا۔ یہ خط ملک اللہ دتہ صاحب چنیوٹی کے نام ہے، جو شاہ جیؒ کے بڑے عقیدت مند چنیوٹ میں مقیم تھے تقسیم ملک کے ساتھ ہی اخبارات میں یہ خبر چھپی تھی کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امرتسر میں شہید کر دیا گیا۔ حالانکہ مرنے والے مشہور اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری کے صاحبزادے مولوی عطاء اللہ صاحب تھے۔ جس پر ملک اللہ دتہ چنیوٹی نے اپنے ایک عزیز کو اس خبر کی تصدیق کے لئے چنیوٹ سے لاہور بھیجا اور اُسی کے اصرار پر شاہ جیؒ نے ملک اللہ دتہ کے نام یہ خط تحریر فرمایا:

وقت تباہ ہو چکا ہے۔ باقی ہو رہا ہے۔ سکھ قوم کی خباثت کو انگریز کی اور ہندو کی تائید حاصل ہے اور وہ تباہی مچا رہی ہے اور نہ جانے کب تک یہ سلسلہ باقی رہے۔ میرا ایک مکان خاک میں مل چکا ہے۔ دوسرا جس میں مَیں رہتا تھا ابھی تک تو موجود ہے۔ میری زندگی کی ساری کمائی یعنی میری کتابیں اور سامانِ زندگی وہیں ہے۔ اللہ کے حوالے ہے، ابھی تک کوئی صورت سامان برآمد کرنے کی نظر نہیں آتی۔ پہلے بھی فقیر ہی تھا۔ لیکن اب سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں ہے۔[1]

دعائے خیر سے یاد کریں۔ ملکی حالات اتنے خراب اور اتنے خطرناک اور ہیبت ناک ہیں کہ ان سطروں میں بیان نہیں ہو سکتے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ کل کراچی میل سے ملتان کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ زندگی رہی تو آئندہ ملاقات پر باتیں ہوں گی۔ دوستوں اور عزیزوں کو سلام و دعا۔[2]

والسلام

فقیر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ غفرلہٗ

1۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے اور شاہ جیؒ کی سیرت کا ایک نہایت مجلی پہلو پیش کرتی ہے کہ تقسیم ملک کے بعد جب کہ ہر کہ ومہ کلیم داخل کر کے زمینیں اور مکان الاٹ کروانے لگا شاہ جیؒ نے اپنا جائز کلیم داخل کرنے سے انکار کر دیا۔ اور تمام زندگی ملتان میں کرائے کے ایک کچے مکان میں بسر کر کے راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

2۔ حیات امیر شریعت ص 383

مکتوب بنام

23 / اگست 1948ء

چاشت چھار شنبہ 28 / 10 / 28ھ ، 23 / 8 / 48ء

حافظ عطاء المنعم سلمہٗ ابھی پانچ چھ برس کے تھے تو میں نے ان کو (امرتسر) اپنے محلے کے پرائمری سکول میں داخل کر دیا۔ چند مہینوں میں یہ اپنی جماعت کے مانیٹر بن گئے، اور ایک دن سکول سے گھر تشریف لائے تو مجھے کہنے لگے کہ اباجی، ان کتابوں میں میرا دل نہیں لگتا۔ میں نے کہا، بہت اچھا آپ سکول نہ جایا کریں۔ ان کی والدہ کو میں نے کہا کہ اب اسے گھر ہی میں کھیلنے دو۔ اور خیال رکھو کہ اس کی طبیعت کس طرف مائل ہے۔ یہ کہہ کر میں تو کہیں جلسے ولسے کے لئے چلا گیا مہینہ دو مہینہ کے بعد واپس آیا تو دیکھا کہ محلّہ کی لڑکیاں جو ہمارے ہاں پڑھا کرتی تھیں اُن کے حلقہ میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور سب کو ٹوک رہے ہیں کہ تو نے یہ غلط پڑھا اور تو یہ غلط پڑھ رہی ہے، میں نے کہا میاں تم اوروں کو تو سبق یاد کرار ہے ہو تمہارا اپنا بھی کوئی سبق ہے یا نہیں کہنے لگے ابا جی مجھے کوئی پڑھائے بھی۔ تب میں نے اس کی والدہ سے کہا کہ اب اسے قرآنِ کریم شروع کرادو۔ چنانچہ ناظرہ تو ماں سے پڑھا اور پھر حفظ اپنے ذوق اور شوق سے کیا، پھر میں ایک دفعہ اسے اپنے ساتھ دہلی لے گیا اور تمام بڑے بڑے مدارس دکھائے۔ واپسی پر دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم (سہارنپور) میں بھی لے گیا۔ مگر دیکھا کہ اس کی طبیعت کہیں لگتی نہیں ہے۔ جالندھر خیر المدارس کا سالانہ جلسہ تھا۔ میں وہاں اُتر گیا۔ مدرسہ میں پہنچتے ہی ارشاد ہوا کہ اباجی میں یہاں پڑھوں گا۔ میں

☆ اس تحریر کو مکتوب کہہ لیجئے یا پیغام بہر کیف اس کا مضمون عام ہے ابن و جانشین امیر شریعت سید ابوذر بخاری جن کی حوصلہ افزائی کا اس میں تذکرہ، حضرت امیر شریعتؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں، نام عطاء المنعم کنیت ابومعاویہ ابوذر بخاری متعدد کتابوں کے مصنف پندرہ روزہ، الاحرار (لاہور) کے ایڈیٹر اور مجلس احرار اسلام کے روحِ رواں رہے۔

نے کہا الحمدللہ مولانا خیر محمد صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے تو خدا سے اس کے لئے دعائیں کی ہیں۔ کہ یہ لڑکا ہم کو ملے۔ چنانچہ اُن کے حوالے کر کے پھر ریل اور جیل کی سیر میں مشغول ہو گیا۔ اس نے اپنے ذوق اور شوق سے حضرت مولانا کے دل میں جگہ بنالی اور اُن کی دعاؤں کی برکت سے پچھلے سال یہ فارغ التحصیل ہو گیا۔ اس کے بعد یہی دیکھا کہ اس کی طبیعت مطالعہ اور تحریر کی طرف مائل ہے۔ اپنے حلقۂ احباب میں بھی علمی ادبی ذوق والوں سے زیادہ اُنس ہے، پھر معلوم ہوا کہ آپ اخبار نکالنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اخبار کا ڈیکلریشن بھی منظور ہو گیا۔ چھپنے سے پہلے ضمانت مانگ لی گئی۔ تب میں نے کہا ضمانت نہ دو۔ نیت صاف نہیں ہے۔ آخر ایک ادارے "نادیۃ الادب" کی انہوں نے بُنیاد ڈالی اور اس کی ماہانہ رُوداد میں اپنے دِل کی علمی و ادبی تمناؤں کو اُبھرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، مجھ سے کہا کہ آپ اس کے متعلق کچھ لکھ دیجئے۔

یہ چند سطریں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ میرے علم دوست احباب و عزیز ابوذر صاحب کی حوصلہ افزائی کریں۔ اور اس ادارے کی رکنیت کو اپنے اپنے حلقہ احباب میں وُسعت دیں، اور دینِ قیم کی چاشنی سے بھرے ہوئے علمی ادبی مضامین سے ادارے میں مطبوعات کا ایک سلسلہ قائم کر کے دورِ جدید کے نوجوانوں میں اسلامی رُوح پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

غرض نقش است کزما یاد ماند
کہ ہستی رانمی بینم بقائے

اللہ والوں کی دُعائیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ[1]

غریبُ الدیار

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

6

1۔ الاحرار لاہور جنوری 1970ء ص 6

جناب سہروردی کے نام شاہ جیؒ کا مکتوب

اخبارات میں ایک افسوسناک خبر شائع ہوئی کہ مارشل لاء سے سزائے موت پانے والے ایک قیدی کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے گا۔ اس پر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے گورنر جنرل اور حسین شہید سہروردی کے نام ایک درد بھرا مکتوب لکھا جو پیش خدمت ہے۔

برادر عالی مرتبت جناب سہروردی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

"اگر چہ میرا آپ پر کوئی حق نہیں ہے۔ مگر فی سبیل اللہ ایک عرض کرتا ہوں کہ محمد نذیر لاہوری (سزایافتہ قیدی مارشل لاء کورٹ) کی پھانسی کی سزا کو جس طرح بھی ہو سکے سزائے قید میں تبدیل کروادیں۔ میں اور کسی کو اس قسم کا عریضہ لکھنے کی ہمت نہیں رکھتا! آپ نے سنٹرل جیل لاہور میں چونکہ تین چار دفعہ شرف ملاقات بخشا اس لئے

کرمہائے تو مرا کرد گستاخ!

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت آپ حضرات کا یہ عمل ملک وملت کے لئے آئندہ سال کے لئے فال نیک اور برکتوں اور سعادتوں کا سبب بنے گا۔ افسوس کہ میں ڈیڑھ مہینے سے پلنگ پر پڑا ہوں ورنہ میں خود حاضر خدمت ہو کر زبانی عرض

معروض کرتا ۔ آپ مجھ سے ہزاروں درجہ زیادہ دانا و بینا ہیں ، معاملات کی نزاکتوں کو آپ بخوبی سمجھتے ہیں عمر قید کی سزا بھی آخر سزا ہی ہے اور کچھ کم سزا نہیں ہے:۔ اگر اتنا ہو جائے تو مسلمانان پاکستان کے پرانے زخم بھی مندمل ہو جانے کی امید ہے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس معاملہ میں اور تمام لات میں کامیابی عطا کرے! آمین ۔ میں اپنے ہاتھ سے لکھنے سے معذور ہوں اور ابھی ہاتھ اچھی طرح کام نہیں کرتا اس لئے اپنے لڑکے سے لکھوا رہا ہوں!

والسلام مع الاکرام

فقیر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

مورخہ 31/دسمبر 1954ء ملتان شہر

(ہفتہ وار کلیم ملتان 14/جنوری 1955ء)

قارئین کرام ۔ آگے چلنے سے قبل ایک وضاحت ضروری خیال کرتا ہوں کہ تحریک ختم نبوت 1953ء میں جن حضرات کو ''سزائے موت'' ہوئی تھی وہ چار افراد تھے ۔ مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ،مولانا خلیل احمد قادری، جناب نذیر احمد صاحب، محترم نیازی صاحب ،مودودی صاحب، قادری صاحب تو رہا ہو گئے ۔ جناب نذیر احمد صاحب رہا نہ ہو سکے ۔ حضرت امیر شریعت اور دوسرے رہنما ان کی طرف سے بے خبر نہ تھے ۔ مگر وہ حکومت وقت اور سفاک زمانہ مسلم لیگ کے معتوب تھے ۔ مرزا بشیر الدین محمود کا نمائندہ ظفر اللہ قادیانی مسلم لیگ کا کرتا دھرتا اور حکومت کالے پالک اور چہیتا بیٹا تھا ۔ جوں ہی اس کی سزائے موت پر عمل درآمد کی خبر کا علم ہوا ۔ زندگی بھر کسی سے درخواست نہ کرنے والے شخص حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ بھی بے قرار ہو گئے اور سہروردی مرحوم کو خط لکھا اس شخص کی زندگی کی بھیک مانگی ۔ مسلمانان پاکستان کی دعائیں اور شاہ جیؒ کی شفارش کارگر ثابت ہوئی ۔ محمد نذیر کی سزائے موت عمر قید کے ساتھ تبدیل ہو گئی ۔ اس پر مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے گورنر جنرل کے نام شکریہ کا ٹیلی گرام بھیج کر مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ شکریہ ادا کیا ۔

محمد نذیر پر مارشل لاء کی سزائے موت منسوخ کر کے آپ نے قوم پر احسان کیا ہے ۔ میں اس پر مبارکباد دیتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس نیک عمل کو سال نو کے لئے فال نیک بنائے ۔'' آمین

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کے نام مکتوب

ملک کی تقسیم سے کچھ پہلے حضرت شاہ صاحبؒ امرتسر سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے تھے۔ اور پھر خانگڑھ ضلع مظفر گڑھ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ شاہ صاحبؒ مجلس احرار کے بانی بلکہ اس جماعت کے روح رواں تھے۔ متحدہ ہندوستان میں آل انڈیا مجلس احرار اسلام نے تحریک آزادی ہند، سربلندی اسلام اور معاشی مساوات کے لئے مثالی کام کیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد جماعتوں کے مقاصد اور طریق کار نئی بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کے تحت مجلس احرارِ اسلام کی عاملہ کا اجلاس غالباً اکتوبر 1947ء کو ملتان میں ہوا۔ شاہ صاحبؒ اس اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ جس کی وجہ سے مجلس احرار اسلام کے مستقبل کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

مجلس عاملہ کا دوسرا اجلاس دسمبر 1947ء میں بمقام لاہور منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں بھی وہ اگرچہ تشریف نہ لا سکے۔

لیکن آپ نے یہ تاریخی مکتوب گرامی لکھ بھیجا۔

جو مجلس احرار اسلام کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور پاکستان میں مجلس احرار اسلام کی بنیادی پالیسی قرار پایا ہے۔ یہ مکتوب گرامی ماسٹر تاج الدین انصاریؒ جو اس وقت مجلس احرار اسلام کے صدر تھے کے نام لکھا گیا تھا۔

خان گڑھ 24 دسمبر 1947ء

برادر محترم المقام، ماسٹر جی!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ!

''ملتان کی میٹنگ میں علالت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ بیماری بڑھتی گئی۔ اور آخر غالب آ گئی۔ اس وقت میں نشست و برخاست بھی آسانی سے نہیں کر سکتا تفصیل کیا لکھوں کہ کیا گزری پھر عطاء المحسنؒ اور عطاء المہیمن سلمہ بیمار ہو گئے۔ اور ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ ہم عطاء المحسنؒ سے تھوڑی دیر کے لئے ہاتھ دھو بیٹھے۔ خیر اللہ تعالیٰ نے کرم کیا۔ اب اس کی حالت اچھی ہے۔ لیکن عطاء المہیمن بخار میں مبتلا ہے۔ رات ننھی سالمہ سخت بخار میں تھی۔ یہ ہے میرا مختصر سا حال اس وقت میں اپنے بچوں کی خدمت کے قابل بھی نہیں۔ اور گھر میں کوئی دوسرا شخص بھی نہیں جو پرسش احوال کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سہارا نہیں۔'' **حسبنا اللہ ونعم الوکیل**

اللہ تعالیٰ آپ کے اجلاس کو کامیاب بنائے اور آپ لوگ اپنی محنت کا پھل اٹھائیں۔ میں اپنے دل کی چند باتیں لکھ دیتا ہوں۔ اگر معقول معلوم ہوں تو قبول کر لیں۔ لیگ سے ہماری سیاسی کشمکش ختم ہو چکی اور الیکشن کے ساتھ ہی ختم ہو چکی۔ اس وقت لیگ قوتِ حاکمانہ ہے۔ عام مسلمانوں نے اس کو بنایا اور قبول کر لیا ہے۔ پاکستان نہ صرف مسلم لیگ کا بلکہ کانگریس کا تقسیم پنجاب کے اضافے کے ساتھ تسلیم کردہ معاملہ ہے۔ جس پر حضور برطانیہ کی مہر ثبت ہے۔ اس میں صرف مسلم لیگ کو ہدفِ ملامت بنانا آئینِ شرافت سے بعید ہے۔ اگر اچھا کیا تو کانگریس اور لیگ دونوں نے اور اگر برا کیا تو دونوں نے اب پاکستان بن چکا اور تقسیم پنجاب کو کانگرس نے پیش کر کے مسلمانوں سے

پاکستان کی بہت بڑی قیمت ادا کرائی اور کرا رہی ہے اور نہ جانے کب تک سود در سود ادا کرنا پڑے گا۔ میری آخری رائے اب یہی ہے۔ کہ ہر مسلمان کو پاکستان کی فلاح و بہبود کی راہیں سوچنی چاہئیں اور اس کے لئے عملی قدم اٹھانا چاہئے۔ مجلس احرار کو ہر نیک کام میں حکومت پاکستان کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ اور خلاف شرع کام میں اجتناب۔ اصلاح احوال کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر "الدین النصیحۃ" پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ یہ ارشاد ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا۔ مجلس کا قیام و بقا بہر حال ایک شرعی امر ہے تبلیغ اعتقاداتِ صحیحہ اور تنقید رسوماتِ قبیحہ' اعلائے کلمۃ الحق' اعلان و بیانِ ختم نبوت اظہارِ فضائل صحابہ و اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مجلس کے فرائض میں سے ہے۔ خصوصاً اس دورِ لادینی میں جنس انسان کی تمام مشکلات کے لئے شریعت محمدیہ "علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ" کو ہی حل پیش کرنا ہمارا وہ فریضہ ہے کہ اگر اس میں دار و رسن تک بھی رسائی ہو جائے تو الحمد للہ۔ اس لئے مجلس کے قیام و بقاء کی بہر حال کوشش ہونی چاہئے۔ اگر دوستوں کو یہ باتیں معقول نظر آئیں تو ان بنیادوں پر آئندہ زندگی کی عمارت استوار کر لیں ورنہ جیسے ان کی مرضی میں کسی کی راہ میں حائل نہیں۔ اب میں تھک گیا ہوں، ورنہ مفصل بھی لکھ سکتا تھا۔

غریب الدیار

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ [1]

1۔ ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد۔ ۲۱ اگست ۱۹۶۴ء

مولانا تاج محمودؒ کے نام خط 1

برادر محترم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دونوں خط مل گئے ہیں۔ جواب میں تاخیر کی وجہ ننھی کی علالت ہے۔ اسے بہت شدت کا بخار آیا اور میں بہت پریشان ہوگیا تھا۔ اب کچھ آفاقہ ہورہا ہے تو یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ میری معذرت قبول فرمائیں گے۔ باقی حضرت مولانا کے ارشاد کی تعمیل کے لئے احرام باندھ رہا ہوں۔ انشاء اللہ ۲۵ سے پہلے پہنچوں گا۔ 2 آپ کو اطلاع ہوجائے گی لیکن اطلاع آپ تک اور مولانا تک ہی محدود رہے تاکید ہے۔ گھر سے تو اس دفعہ شاید میرے ساتھ نہ آسکیں کیونکہ ننھی ابھی پلنگ سے نیچے اترنے کے قابل نہیں ہوئی ہے۔

دُعا سے دریغ نہ فرمائیں آپ لوگوں کی دعاؤں کا محتاج ہوں اور بس اُمید ہے آپ لوگ بخیریت ہوں گے۔ رانی سلمہا اور انجینئر صاحب کو دعائیں اور مولانا کی خدمت میں سلام مسنون پہنچوا دیں۔

والسلام

مع الاکرام

دُعا گو

۱۹ رمئی ۱۹۵۹ء ملتان شہر

---

1 مولانا تاج محمودؒ آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے سرگرم کارکن اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہنما اور ترجمان تھے۔ ہفت روزہ ''لولاک'' کے نام سے رسالہ جاری فرمایا۔ جو تقریباً تیس سال تک ہفت روزہ اور اب ماہنامہ کی صورت میں مرزائیت کے تعاقب میں مصروف ہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں گرفتار ہوئے اور بدنام زمانہ شاہی قلعہ میں اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں صف اوّل کے قائدین میں سے تھے۔ جنوری ۱۹۸۴ء میں انتقال فرمایا۔ اپنی بنائی ہوئی مسجد جامع مسجد محمود ریلوے اسٹیشن فیصل آباد کے مشرقی جانب آرام فرماہیں۔

2 ۲۵ر کے آگے مہینہ کا تذکرہ نہیں، نیچے دی گئی تاریخ سے ماہ مئی معلوم ہوتا ہے۔

مولوی نذیر حسینؒ پنوں عاقل کے نام[1]

مکرمی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ

یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں۔ رسالہ[2] تو انشاء اللہ تعالیٰ میرے خط سے پہلے پہنچ چکا ہوگا۔ باقی آپ کی کھٹک تو صحیح ہے، فکر صحیح نہیں۔ تقسیم سے پہلے لیگ کے ساتھ ہمارے بہت سے اختلافات تھے۔ ہم نے قوم کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا، لیگ نے اپنا، قوم نے لیگ سے اتفاق کیا اور لیگ قوت حاکمہ بن گئی۔ مد مقابل پارٹی نہ

---

1. شاہ جیؒ کے اس خط پر صرف ۲۰ رمضان المبارک کی تاریخ درج ہے سن ہجری درج نہیں۔ مکتوب الیہ مولوی نذیر حسین صاحب مرحوم نے اپنے خط پر ۱۶ رمضان المبارک اور ۲۲ جون کی تاریخیں تحریر کی ہیں۔ مگر دونوں تاریخوں کے سنین درج نہیں کیے۔ مولوی نذیر حسین صاحب مرحوم نے ۲۲ جون کی تاریخ درج نہیں کی ہے جب کہ تقویم کے مطابق ۱۶ رمضان المبارک کو ۲۱ جون بنتی ہے۔ تقویم کے لحاظ سے دونوں خطوط کے جو سنین نکلتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

مولوی نذیر حسین صاحب مرحوم...... ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱ جون ۱۹۵۱ء بروز جمعرات حضرت شاہ جیؒ...... ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۵ جون ۱۹۵۱ء بروز پیر ملاحظہ ہو تقویم تاریخی (قاموس تاریخی) صفحہ ۳۴۳ مرتبہ عبدالقدوس ہاشمی، ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد (طبع دوم ۱۹۸۷ء)

2. سہ ماہی ''مستقبل'' ملتان۔ (۱۹۵۱ء) مدیر جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ

(ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' امیر شریعت نمبر حصہ اول ص ۷۸)

رہی۔ ہم بہر حال رعایا بن گئے۔ ہم لوگ شروع سے ملکی معاملات کے ساتھ ساتھ کچھ دینی مقاصد بھی رکھتے تھے اور اب تک بفضلہ تعالیٰ رکھتے ہیں۔ موجودہ صورت میں ان دینی مقاصد کو حاصل کرنے کی کوئی اور صورت اگر ہو سکتی ہے تو ارشاد فرمائیں؟ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اور اب کسی صورت میں اس کو بدلنا قومی ہلاکت و تباہی ہے۔ اصلاح احوال سے انکار نہیں وہ بھی ہم کر رہے ہیں مگر مخالف بن کر نہیں۔ موجودہ وقت میں اس فتنہ مرزائیت کے مقابل میں جو کامیابی ہم کو حاصل ہو رہی ہے وہ باہمی تعاون کا ہی نتیجہ ہے۔ بصورت ”دیگر منکر مئے بودن و ہمرنگ مستان زیستن“ مشکل ہے۔

روزہ میں یہ مختصر سا جواب عرض خدمت ہے اسے آپ خود ذرا پھیلا کر دیکھیں اور ہماری مشکلات کا اندازہ لگائیں۔ لیگ کی مخالفت فی نفسہ کوئی کار خیر نہ تھا نہ ہے۔ کسی مقصدِ عالی کے لئے مخالفت و موافقت معنی رکھتی ہے۔ عہد فرنگی میں اختلاف با معنی تھا۔ اب اتفاق سے ہی اصلاح احوال کی توقع ہو سکتی ہے۔ ورنہ سُرخ پوش، انجمن وطن اور دوسری جماعتیں کہاں تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہی ہیں۔ فافہم وتدبر۔

والسلام مع الاکرام

دعا گو غریب الدیار

فقیر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

بخدمت جناب مشفقی غلام قادر صاحب باز دار ❶

(جلالپور پیر والا ضلع ملتان)

مشفقی و علیکم السلام و رحمۃ اللہ

محبت نامہ پہنچا پڑھ کر خوشی ہوئی۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہیں۔ انہی پر بھروسہ چاہئے میں پہلی دسمبر سے آج تک علیل ہی ہوں اور اللہ جانے کب شفا نصیب ہو گی بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ عطاء المحسن سلمہٗ ایک ہفتہ سے بخار میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اسے بھی میعادی تپ معلوم ہوتا ہے۔ چھوٹے کا بخار اتر گیا ہے۔ لیکن وہ اتنا کمزور ہے کہ ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ یہ ہے ہمارا حال مع احباب دُعا کریں۔ میری طرف سے مرید حسین سلمہٗ کو مبارک ہو۔ یہ بات واقعی صحیح ہے کہ تم لوگوں کو بہت ہوشیاری سے کام کرنا چاہئے۔ ملازمت بہر حال ملازمت ہے۔ رشتہ داری نہیں۔ ادنیٰ سی غفلت پریشانیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ نہایت احتیاط سے کام کرو اور اللہ کا شکر کرو۔ نماز میں غفلت نہ ہو۔ اب میں تھک گیا۔ سب کو علیٰ حسب مراتب سلام و دُعا۔

والسلام

دُعا گو

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

۷ر جنوری ۱۹۴۳ء امرتسر

1۔ حاجی غلام قادر صاحب باز دار مرحوم حضرت شاہ جیؒ کے دیرینہ قریبی خادم اور مجلس احرار اسلام کے کارکن تھے حضرت شاہ جیؒ جلال پور تشریف لاتے تو کئی کئی دن تک حاجی صاحب کے گھر قیام پذیر رہتے۔ حاجی صاحب مسجد باز داروں میں امامت کے فرائض سر انجام دیتے رہے اور دینی و دعوتی امور میں سرگرم کردار ادا کرتے رہے۔ ان کے بڑے بیٹے جناب مرید حسین صاحب المعروف مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جلال پور میں دینی ادارہ مدرسہ عربیہ رحمانیہ کی بنیاد رکھی۔ اور شورائی نظم کے تحت اس ادارہ کو چلایا۔ اب حاجی صاحب مرحوم کے پوتے شورائی نظم کے تحت اس ادارہ کو چلا رہے ہیں۔ اور یہ ادارہ تحصیل بھر میں سب سے بڑا دینی ادارہ ہے۔

امیر شریعتؒ کا ایک سفارشی خط

تحریر سید ضمیر جعفری

روایت ظفر اقبال سلیم

بعض لوگوں کی گفتگو اتنی رس بھری ہوتی ہے کہ اگر وہ عین مین اپنا کہا ہوا لکھ دیں تو ایک دلچسپ مطالعہ مرتب ہو جائے ہمارے دوست ظفر اقبال سلیم کو قدرت ... جو ہر بڑی فیاضی سے عطا کیا ہے ایک مرتبہ انہوں نے ہمیں امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کے ایک سفارشی خط کی روداد سنائی جو تقریباً انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

میں ایم۔ اے پاس کر کے اپنے آبائی شہر سانگلے (سانگلاہل) چلا گیا ... کراچی سے ایک دوست نے جو میری طرح تازہ تازہ ایم۔ اے پاس کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا۔ خط لکھا کہ یہاں کراچی کے ایک کالج میں لیکچرار کی اسامی خالی ہے۔ پرنسپل صاحب تقرر کے مجاز ہیں۔ سنا ہے کہ پرنسپل صاحب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے ارادت رکھتے ہیں تم یوں کرو کہ ان سے ایک سفارشی خط لیکر بھیج دو۔

میں شاہ صاحب کو ان کے قائدانہ مرتبے اور خطابت کی شہرت سے تو جانتا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ جیل کے اندر ہیں یا جیل کے باہر۔ حمید نظامی صاحب (بانی روزنامہ نوائے وقت) سے میرے مراسم تھے۔ ان سے اتا پتا دریافت کیا معلوم ہوا کہ شاہ صاحب ملتان میں قیام پذیر ہیں۔

سانگلے کی ریل گاڑی تڑکے تڑکے ملتان پہنچتی تھی۔ میں اس شہر سے ... واقف نہ تھا۔

اسٹیشن سے نکلتے ہی ایک صاحب سے جنہوں نے جون کے مہینہ میں مغربی سوٹ بوٹ ڈانٹ رکھا تھا۔ شاہ صاحبؒ کے بارہ میں پوچھا۔ انہوں نے نہ صرف لاعلمی ظاہر کی بلکہ کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ:

"اے نوجوان! ہم سرکاری ملازم ہیں ہم ادھر سے گزرتے ہی نہیں جہاں سے شاہ صاحب کا گزر ہو" (جیسے کہہ رہا ہو کہ ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں) مگر دوسرے ہی آدمی نے جو عوام الناس کے مانند کتا پھٹا تھا شاہ صاحب کے ٹھکانے کی نشاندہی کردی۔ اگرچہ موصوف صرف اتنا ہی بتا سکے کہ شاہ صاحب حسین آگاہی کی کسی مسجد میں درس دیتے ہیں۔ [1]

ملتان خدا کے فضل سے مساجد کا شہر ٹھہرا۔ حسین آگاہی میں دو مسجدیں جھانکنے کے بعد تیسری میں جا کر امید بر آئی۔ وہ بھی بقدر نصف۔ مسجد میں بچے قرآن پاک تو پڑھ رہے تھے مگر شاہ صاحب کی بجائے کوئی [2] اور مولوی صاحب درس دے رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب گھر پر ہیں کیونکہ ان کی طبیعت چند روز سے ناساز ہے۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا "مولانا! میں بڑی دور سے آیا ہوں۔ حاضری ضروری ہے براہ کرم کوئی شاگرد رہنمائی کے لئے میرے ساتھ کر دیجئے" مولوی صاحب قدرے ہچکچائے کچھ دیر مجھے سر سے پاؤں تک دیکھتے رہے۔ انکار کرنا چاہتے تھے مگر نہ کر سکے کہ

مروت حسن عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

آخر ایک شاگرد میرے ساتھ کر دیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ دور سے آستانہ دکھا کر واپس آجائے گا۔

آستانہ مسجد سے خاصا دور تھا۔ ہم وہاں تک تانگے پر گئے۔ شاگرد نے استاد کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل کی دور سے شاہ صاحب کے آستانے کی نشاندہی کر کے لوٹ گیا۔

---

1. ان صاحب کو سہو ہوا۔ شاہ جیؒ اُس مسجد میں درس نہیں دیتے تھے۔

2. حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی جو حضرت شاہ جیؒ کے تین بیٹوں کے استاد تھے اور مسجد سراجاں حسین آگاہی میں بچوں کو قرآن کریم حفظ کراتے تھے۔ (کفیل)

دل کو پہلا دھچکا مکان کو دیکھ کر لگا۔ ہمارے ملک میں ایک بطل جلیل اور اتنے معمولی سے مکان میں رہائش پذیر۔ دروازے پر دستک دی تو ایک مولوی صاحب نکلے وہ مجھے اندر لے گئے۔ شاہ صاحب پہلے ہی کمرے میں تشریف رکھتے تھے۔ جو خاصا کشادہ تھا۔ چٹائی بچھی تھی۔ برصغیر پاک وہند کا شعلہ نوا خطیب اور جنگ آزادی کا عظیم مجاہد ایک دیوار کے قریب ایک پرانے سے تکئے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ چند کاغذات سامنے بکھرے پڑے تھے۔ ایک پلندہ تکئے کے نیچے دبا رکھا تھا۔ میں نے سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر جس میں تپاک کی گرمی تھی پھر اپنے کاغذات پر جھک گئے۔ چند کاغذات تکئے سے نکالے۔ چند تکیے میں رکھے۔ پھر خاکسار کو ایک نگاہ بندہ نواز سے نوازا اور گویا ہوئے۔ ''عزیزم! آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ کہو فقیر کے پاس کیسے آنا ہوا؟

اس سے بیشتر کہ میں کچھ عرض کرتا۔ فرمایا! ''ماشاء اللہ! آپ ابھی نوجوان ہیں انگریزی آپ کے چہرے پر لکھی ہے ابھی عملی زندگی کی دہلیز پر کھڑے ہیں کیا آپ کو کسی نے فقیر کے ہاں آنے سے روکا تو نہیں؟

میں بات نہ سمجھ سکا اور بولا ''حضور کوئی مجھے کیوں روکتا۔''

شاہ صاحب کا چہرہ مسکراہٹ سے کھل اٹھا فرمایا۔ ''ہمارے دروازے پر سی آئی ڈی کی نگرانی رہتی ہے کہیں آپ کا نام بھی گروہِ وفا مستان کی فہرست میں نہ لکھ لیا جائے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔''

میں دل میں قدرے ہراساں تو ہوا کہ دوست کو نوکری دلواتے دلواتے کہیں اپنی ملازمت ہی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔ بہر حال دل گردے پر ہاتھ رکھ کر ذرا کراری سی آواز میں اپنا مدعا بیان کیا اور حضرت کی خدمت میں باریابی کے متعلق اپنے اشتیاق اور جگر داری کا جذبہ حفیظ جالندھری کے ایک مصرع میں اس طرح ظاہر کیا کہ:

دونوں جہاں ہیں آج مرے اختیار میں

عرض مطلب سننے کے بعد شاہ صاحب کی پیشانی پر ایک لحظے کے لئے ایک متفکر سی شکن نمودار ہوئی پھر دوسرے ہی لحظے ایک دل نواز تبسم میں ڈھل گئی۔

''صاحبزادے! آپ نے جن پرنسپل صاحب کا نام لیا ہے میں تو ان سے واقف نہیں وہ شاید مجھے جانتے ہوں، خیر!''

کمرے کے گوشے میں شاہ صاحب کی نشست کے نزدیک پانی کی ایک صراحی اور ٹین کا ایک ڈبہ رکھا تھا۔ آپ نے صراحی سے پانی اور ڈبے سے کچھ دیسی شکر نکالی۔ اور ایک کلاسیکی کٹورے میں شربت گھولنے لگے۔ باتیں بھی ہو رہی تھیں شربت بھی تیار ہو رہا تھا۔ ادھر میرا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ کہیں یہ مشروب میری ہی تواضع کے لئے نہ بن رہا ہو۔ میں نے دیسی شکر کا شربت کبھی پیا نہ تھا۔ برف بھی نہ تھی۔ حالانکہ جون کا مہینہ تھا۔ لیکن جب شاہ صاحب نے شربت میری طرف بڑھایا تو میں پورا کٹورا غٹا غٹ ایک سانس میں پی گیا۔ شاہ صاحب غالباً میرے چہرے کا اڑتا ہوا رنگ بھانپ گئے تھے۔ ''فقیر کے ہاں تو یہی کچھ حاضر ہے۔''

وہ زبان سے کچھ بھی نہ کہتے تو میرے لئے ان کی ایک نگاہ ہی کافی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ دیسی شکر کے اس ایک کٹورے نے زندگی سے میرے ربط کا زاویہ ہی بدل کر رکھ دیا۔

''میں ان صاحب کو جانتا تو نہیں'' شاہ صاحب کہہ رہے تھے۔ ''بہر حال'' اگر میرے چند لفظوں سے کسی کا کام سنور جاتا ہے تو اس سے میرے دل کو بھی آسودگی ملے گی۔ ہم کرسی پر تو نہیں۔ تاہم بعض لوگ ہماری بات سن بھی لیتے ہیں'' یہ کہہ کر آپ نے یہ مصرع پڑھا۔

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

اب آپ نے تکیے کے نیچے سے کورا کاغذ نکالا اور رواں دواں چند سطور لکھ دیں۔ زندگی میں اب تک ہم نے ہزاروں سفارشی خط دیکھے ہیں۔ لیکن اتنی غیر سفارشی سفارش نظر سے نہیں گزری۔ لکھا تھا کہ:

خط کا مضمون

''ہر چند فقیر کو آپ سے کوئی سابقہ نیاز تو حاصل نہیں لیکن ایک نوجوان کی ضرورت کے احساس سے یہ سطور لکھ رہا ہوں'' (یہاں تک تو سفارش ٹھیک چل رہی تھی لیکن آگے آپ نے صاف صاف یہ لکھ دیا) کہ ''اگر یہ کام آپ کے ہاتھوں ہو گیا تو

گویا یہ کام آپ نہیں کریں گے بلکہ خدا کرے گا۔ اور اگر خدا کو منظور نہ ہوا تو ظاہر ہے یہ کام آپ نہیں کر سکتے''۔

شاہ صاحبؒ نے کچھ غلط بات نہیں لکھی تھی مگر آج کے زمانے میں اتنی درست بات کون سنتا ہے؟ سفارش کی زبان پر خود ہمارے دل میں کھد بد ہو رہی تھی۔ ہمارا کمزور ایمان ڈگمگا رہا تھا کہ ایسی سفارش پر جس میں آدمی کے پاس کوئی اعتبار ہی نہ رہنے دیا گیا ہو بھلا کوئی آدمی کیوں دھیان دے مگر صاحب! ہمارے دوست کو وہ آسامی مل گئی۔ سچ ہے کہ خدا اتنا ہی نہیں ہے جتنا آدمی کو نظر آتا ہے۔

ایک ذاتی سی فہمائش جو مجھے ہمیشہ یاد رہے گی یہ فرمائی ''بیٹا! محرومیوں کے باوجود اپنی ذات پر اعتماد قائم رکھنا۔ قوموں کی زندگی ایک تسلسل کا نام ہے۔ اس تسلسل کو زندہ رکھنا''

شاہ صاحب کے ایک ایک لفظ سے اضطراب و جلال کا دریا چھلک رہا تھا۔ ان کی آواز دور دور تک جا رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے کوئی زخمی شیر دھاڑ رہا ہو۔

میں بلکہ سارا ماحول اس وقت شاہ صاحب کے سحر خطابت میں جھوم رہا تھا۔ حقائق دل میں تر از و ہو رہے تھے۔ ادب کا سر چشمہ ابل رہا تھا۔ وہاں سے اٹھنے کو جی تو کیا چاہتا مگر ساتھ ہی ڈر لگ رہا تھا کہ اگر سی آئی ڈی نے پہلے چشم پوشی سے کام لیا بھی تو اب ضرور دھر لے گی۔ چنانچہ ایک مقام پر جیسے ہی ان کا آشوب دل ذرا دھیما ہوا ہم اجازت لے کر آستانے سے باہر نکل آئے مگر بہت دور تک قدم اور دل بوجھل بوجھل رہے۔ یہ ملال کا بوجھ تھا کہ دیکھو جو شخص اس ملک کی آزادی کے لئے اپنے خون جگر سے چراغ روشن کرتا رہا اس کے حجرے میں بتی نہ دیا ہے!

(**بشکریہ** ''اردو ڈائجسٹ'' دسمبر ۱۹۸۳ء)

میں تو نوکریاں چھوڑانے والا پیر ہوں

ایک عقیدت مند حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ کہیں ملازمت کا امیدوار تھا اس نے اپنی آمد کا مقصد عرض کیا اور ایک آفیسر کے نام سفارشی مکتوب کی خواہش کا اظہار کیا۔

جواباً شاہ صاحب نے فرمایا "بھائی میں تو نوکریاں چھڑانے والا پیر ہوں اگر ملازمت کے لیے کسی سفارش کی ضرورت ہے تو کسی سجادہ نشین یا کسی مخدوم یا کسی بڑے لیڈر کے پاس جاؤ۔ ہماری آشنا نوازی کا یہ عالم ہے کہ اگر آپ کہیں ملازم ہوں اور آپ کے اعلیٰ افسر کو معلوم ہو جائے یہ عطاء اللہ شاہ کا ملنے والا ہے تو فوراً آپ پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے گی اور آپ ملازمت سے سبکدوش ہو کر آرام سے گھر میں بیٹھے ہوں گے۔" اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میرا بھانجا فوج میں بھرتی ہو گیا۔ میں اس کی والدہ کو ملنے کے لئے گیا جو میری پوپھی زاد بہن تھی۔ وہ اپنے بیٹے کے غم میں رو رہی تھی میں نے اسے کہا۔ "دیکھو بہن! اگر تیرا بیٹا ہفتے کے اندر واپس آوے تو میرا کیا انعام؟ کچھ انعام طے پا گیا۔ میں نے اسی روز اس کو ایک خط لکھا۔ (وہ اس وقت بنگال کی کسی چھاؤنی میں تھا)

"عزیزم! آپ بڑی مناسب جگہ پر پہنچ گئے ہیں اپنے کام کی رفتار سے مجھے مطلع کرتے رہنا وغیرہ وغیرہ۔" نیچے میں نے دستخط کیے۔ "سید عطاء اللہ شاہ بخاری"

خط سنسر ہو کر اس یونٹ کے انگریز کرنل کو پہنچا اس نے فوراً میرے بھانجے کو بلایا۔ اور پوچھا "کون ہے عطاء اللہ شاہ بخاری؟" اس نے بتایا۔ تو کرنل نے اسے واپس جانے نہیں دیا بلکہ اس کا سامان وغیرہ منگوا کر فوراً ہی چھاؤنی سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔"

اس کے بعد سفارشی مکتوب لینے والے کو فرمایا "بھائی! ہمارا نام تو اس کام کے لئے ہے اگر کہیں ملازم ہو جاؤ تو پھر میری خدمات حاضر ہیں۔

اے ہم نفساں! آتشم از من بگریزید
ہر کس کو شود ہمرہ ما دشمن خویش است [1]۔

---

[1] "چٹان" لاہور سالنامہ 1962ء ص 90
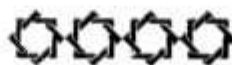
از دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت

بالمقابل ریڈیو پاکستان بندر روڈ کراچی

مورخہ 5/ اپریل 1952ء

السلام علیکم!

پاکستان میں مرزائیت کی سرگرمیوں اور ریشہ دوانیوں سے یقیناً آپ بے خبر نہیں ہوں گے۔ ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے چند گذارشات عرضِ خدمت ہیں۔ اُمید ہے کہ توجہ فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

☆ اپنے زمانہ اقتدار میں حکومت برطانیہ نے اپنی بعض سیاسی اغراض کو برسرِ کار لانے کے لئے مرزائی جماعت کو جنم دیا۔ برطانوی استعمار کے سایہ میں پرورش پا کر اس جماعت نے غلامی کے بندھنوں کو مضبوط کرنے میں ایک نمایاں پارٹ ادا کیا۔ جیسا کہ حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے بیان میں فرمایا۔

☆ مسلمانوں کی مذہبی تاریخ میں مرزائیت کا کام یہ رہا ہے کہ وہ ہندوستان میں ان کی سیاسی غلامی کو الہام کی بنا پر حق بجانب ثابت کرے۔ (حرف اقبال صفحہ 157)

☆ اسلام اور عیسائیت میں صدیوں سے جنگ جاری ہے۔ اس سلسلے میں انگریز ترکی خلافتِ عثمانیہ کو اپنی راہ میں ایک بڑی روکاوٹ سمجھتے تھے۔ کیونکہ اس کے باعث تمام ممالکِ اسلامیہ ایک لڑی میں منسلک تھے۔ چنانچہ خلافتِ عثمانیہ کو تباہ اور اتحادِ اسلامی کو ختم کرنے کے لئے جہاں لارڈ لارنس، جان فلبی وغیرہ انگریزوں کو مسلمانوں کے بھید میں جاسوسی کرنے اور انتشار پھیلانے کے لئے مقرر کیا گیا۔ وہاں شریف مکہ اور مرزا غلام احمد قادیانی ایسے لوگوں کو بھی اتحادِ اسلامی کو تباہ کرنے پر آمادہ کر لیا گیا۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی پارٹی نے ایک منظم طریق سے اتحادِ اسلامی کی جڑ پر کلہاڑا چلایا۔ تبلیغ کے نام پر قادیانی مبلغین اسلامی ممالک میں حکومتِ برطانیہ کی جاسوسی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج نہ صرف خلافت عثمانیہ ہی پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ بلکہ تمام

ممالک اسلامیہ بھی برطانوی سازشوں کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔

☆ ہندوستان کی آزادی اور اسلامی ممالک کے تحفظ کے معاملہ میں مرزائیوں نے کبھی بھی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔ بلکہ برطانیہ کو اس کی سازشوں کی تکمیل میں امداد بہم پہنچاتے رہے۔ ہندوستان کی آزادی کے وقت انگریز نے کمال عیاری سے مرزائیوں کو پاکستان میں برسرِ اقتدار لانے کی کوشش کی جس میں وہ پوری طرح کامیاب رہا اور ہمارے زعماء نے جو مرزائیت کی حقیقت سے ناآشنا تھے۔ سر ظفر اللہ کو باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنے وکیل کی حیثیت سے پیش کر دیا۔ لیکن چوہدری ظفر اللہ صاحب کے کٹر قادیانی ہونے کے باوجود بھی مرزائیوں نے آپ کو اپنی نمائندگی کا حق نہ دیا۔ بلکہ ''جماعتِ احمدیہ'' کی طرف سے شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ کو وکیل کی حیثیت سے باؤنڈری کمیشن کے روبرو پیش کیا۔ جس کے نتیجے کے طور پر گورداسپور کا ضلع جو کہ پیشتر ازیں فیصلہ کے مطابق پاکستان کا حق تھا۔ پاکستان کو نہ ملا۔ پھر ننکانہ، اور قادیان کے تبادلہ کی کوشش کی گئی۔ لیکن حکومت پاکستان کے کسی حساس رکن کی بروقت تنبیہہ کے باعث یہ سکیم بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ لیکن اتنا ضرور ہو گیا کہ ننکانہ میں سکھ سیوا داروں کی جگہ ہندوستان میں مسلمانوں کو کسی جگہ ٹھہرانے کے بجائے تین سو 300 مرزائیوں کو قادیان میں ٹھہرنے کی اجازت مل گئی۔

☆ پاکستان میں ایک طے شدہ پلان کے مطابق بہترین کوٹھیاں، کارخانے اور زمینیں مرزائیوں کو الاٹ ہوئیں۔ اور پنجاب کے رُسوا زمانہ گورنر سر فرانسس موڈی نے دریائے چناب کے کنارے ایک آنہ فی مرلہ کے حساب سے مرزائیوں کو سینکڑوں ایکڑ زمین دے کر ایک خالص قادیانی بستی بسانے کی اجازت دے دی۔ حالانکہ حکومت پہلے یہ زمین کسی دوسرے ادارے کو پندرہ سو روپیہ فی ایکڑ کے حساب دینے سے انکار کر چکی تھی۔

☆ سر ظفر اللہ کے اقتدار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک منظم طریق سے

ملازمتوں پر قبضہ جمایا جا رہا ہے۔ وزارتِ خارجہ کی راہ سے اسلامی ممالک میں مرزائیوں کے اڈے قائم کئے جا رہے ہیں اور مرزائیت کی حقیقت سے نا آشنا عالمِ اسلام کے عوام اس فتنہ کا شکار ہو رہے ہیں۔ اسلئے ہمارا یہ دینی و ملی فرض ہے۔ کہ اُمت مسلمہ اور عالم اسلام کو اس فتنہ کے شکار ہونے سے بچانے کی کوشش کریں۔ اس کے لئے لازماً ایک مضبوط تبلیغی مشن کی ضرورت ہے اور الحمدللہ کہ مجلس احرار اسلام نے اس ذمہ داری کا بار اُٹھایا ہے۔

☆ گذشتہ دو سال سے نہ صرف عوام بلکہ اعلیٰ حکام اور عمائدین سلطنت سے بھی فرداً فرداً ملاقاتیں کر کے ان کو اس فتنہ کی حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔ جس کے اثر سے پہلے سال تقریباً تین سو 300 مرزائیوں نے مرزائیت سے توبہ کی اور گذشتہ سال ستر کنبے تائب ہوئے۔...... اس وقت جماعت کے بیس مبلغین ملک کے مختلف گوشوں میں کام کر رہے ہیں۔ کراچی میں دفتر کھول دیا گیا ہے۔ سندھ اور بلوچستان میں کام شروع ہو رہا ہے۔ انشاءاللہ...... بہت جلد بیرونی ممالک کو وفد روانہ کر دیئے جائیں گے۔ جن کے لئے انگریزی دان مبلغوں کی تلاش کی جا رہی ہے۔ جماعت کے زیرِ تجویز آئندہ سال جتنا کام ہے اس کے لئے کم از کم ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے جماعت ہر صاحبِ نصاب مسلمان سے زکوٰۃ کے چوتھائی حصہ کی درخواست کرتی ہے۔ اُمید ہے کہ آپ دین کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے نہ صرف خود میری درخواست پر غور کریں گے۔ بلکہ اپنے احباب کو بھی اس طرف توجہ دلائیں گے۔

والسلام

آپ کا مخلص

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بالمقابل ریڈیو پاکستان بندر روڈ کراچی

ماہنامہ ''لولاک'' ملتان جولائی 2003ء

باب نہم

شاہ جیؒ کی شاعری
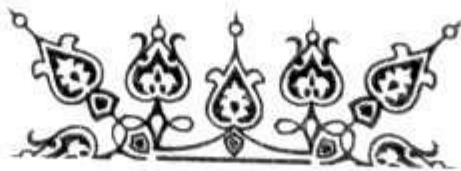
بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاہ جیؒ! ایک سخن فہم و سخن گو شاعر

حضرت امیر شریعتؒ نہ صرف سخن فہم اور سخن شناس تھے۔ بلکہ اپنے زمانہ کے بڑے شاعر تھے اگر شاعری کو بطور فن اپناتے تو بڑے بڑے اساتذہ کو پیچھے چھوڑ جاتے۔ آپ نے تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی شعر کہے۔ آپ کی شاعری رحمت دو عالم ﷺ کی تعریف و توصیف، اور دشمنان رسالت مآب ﷺ کے رد میں ہے۔ آپ کا کلام آپ کے بڑے فرزندار جمند اور جانشین مولانا سید ابوذر بخاریؒ نے آپ کی زندگی میں شائع فرمایا۔ آپ کی شاعری پر علامہ طالوت نے کیا ہی خوب لکھا پڑھئے اور سر دھنئے۔

1 آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے، جب کہ عرب قبائلی زندگی بسر کرتے تھے، ہر قبیلہ کا ایک شاعر اور ایک خطیب ضرور ہوتا تھا جس قبیلہ میں شاعر یا خطیب نہ ہوتا وہ کم مرتبہ خیال کیا جاتا جس قبیلہ کے شاعر و خطیب بلند مرتبے کے مالک ہوتے وہ دوسرے قبائل سے سر برآوردہ خیال کیا جاتا...... اس لئے شاعر قوم کا دل خیال کیا جاتا تھا، خطیب قوم کی زبان متصور ہوتا تھا، اور قبیلے کا سردار قوم کا دماغ، اور نوجوان اس کے دست و بازو شمار کئے جاتے تھے...... دل جہاں نہ ہو وہاں دست و بازو اور دماغ کیا کام دے سکتے ہیں۔ اور زبان نہ ہو تو دل و دماغ کی ترجمانی کیونکر ہو...... بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ دل اور زبان کا کام ایک ہی شخصیت سے لیا گیا، اسلام آیا تو قرآن کے سامنے نہ شاعری کا زور باقی رہا، اور نہ خطابت کا چراغ جل سکا...... پھر

بھی شعراء اور خطیب باقی رہے۔ مگر اب وہ عصبیت جاہلیہ کو بھڑکانے والے نہیں تھے، بلکہ قرآن کے مبلغ اور اسلام کے مدافع تھے...... اسلامی فوجوں میں دونوں کا وجود ثابت ہے، اور یہ دونوں فوجی نظام کا ایک اہم جزو خیال کئے جاتے تھے...... پھر جب اسلام ہر بلند و پست پر چھا گیا اور اس کی فوجیں فتح ممالک کے ساتھ ساتھ نظم ممالک کا کام بھی کرنے لگیں تو شعر و خطابت نے اپنی اپنی راہیں بدل دیں، شعراء مدح و ہجو کی راہ پر چل کر اگر چہ اپنی جیبیں بھر لیں، مگر اپنا وقار کم کر لیا خطیبوں نے قوم کے بگڑتے ہوئے اخلاق کو سدھارنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا، اور اپنی عزت اگر چہ پہلے سے زیادہ کر لی مگر ع

''چہ خورد با مداد فرزندم''

کے مسئلہ پر پہنچ کر ششدر رہ گئے، پھر محض قصاص اور پیشہ ور بن گئے جن کے متعلق ع

''چوں بخلوت میروند آں کار دیگر مے کنند''

کا فتویٰ صادر کیا گیا۔ کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی رہے جنہوں نے کما کر کھانے اور حق کہنے کی قسم کھا رکھی تھی، وہ ممبروں پر بھی حق کہتے رہے اور جب ایسا وقت آیا کہ: ع

''بردار تواں گفت بہ ممبر نتواں گفت''

تب بھی انہوں نے حق کہنے سے دریغ نہ کیا...... جب مشرق و مغرب سے عرب قیادت کا ٹاٹ لپیٹ دیا گیا تو شاعری نے عشق بازی کی رسوائی کو طرۂ امتیاز بنا لیا، اور خطابت غیروں کے کام آنے لگ گئی۔ ع

''ایں ہم رفت و آں ہم رفت''

ہر کلیہ میں استثناء ضرور ہوتا ہے، چنانچہ بعض صوفیاء اس دور میں بھی مستثنیٰ رہے، جنہوں نے شاعری کو رسوائی سے علیحدہ رکھا، اور خطابت کو قصہ گوئی سے بچا کر اغیار کی دست برد سے بھی محفوظ رکھا، مگر ان کی حیثیت الشاذ کالمعدوم سے زیادہ نہ تھی۔

2 برعظیم پاک و ہند میں اسلام گجرات کاٹھیاواڑ کے راستے سے داخل ہوا، جہاں عرب اپنی تجارت کے سلسلے میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ مگر اس کا نفوذ اس وقت جا کر پورا ہوا جب محمد

بن قاسم سندھ کے راستے سے ملتان و لاہور تک فاتحانہ در آیا۔ پھر جب اسلام کے سیاسی سفیر معین الدین اجمیریؒ نے دہلی، پنجاب اور راجپوتانہ کا دورہ کر کے شہاب الدین غوری کو بلایا تو یہ نفوذ اور بھی بڑھ گیا۔ کچھ دن اجمیری اور غوری کے جانشین مل کام کرتے رہے، مگر ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ ان کی راہیں الگ ہو گئیں...... پھر بھی ایک دوسرے سے اتنا بُعد نہیں تھا کہ اجنبیت کا خیال گزرتا۔ کبھی اجمیری کے جانشین دہلی تک چلے جاتے اور کبھی غوری کے جانشین خانقاہوں تک قدم رنجہ فرما لیتے...... خانقاہوں نے تخت و تاج کی حفاظت کی اور تخت و تاج نے خانقاہوں کو جاگیریں عطا فرمائیں...... اور دونوں ع

"من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو"

کے کوچہ میں پہنچ کر اپنے اصل مقصد سے دور ہو گئے...... خانقاہوں میں تخت و تاج کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں، اور تخت شاہی پر سے اہل خانقاہ کی ترغیب و ترہیب کے لئے منصوبے تیار ہونے لگے۔ "تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاس" کی صداقت نے کبھی اہل خانقاہ کا ساتھ دیا۔ اور کبھی تاج و تخت کا...... تا آنکہ مغل اعظم نے الحاد کے ساتھ ساز باز کر کے اہل خانقاہ کو مارکیٹ بدر کر دیا مگر یہ کام اتنا آسان نہیں تھا مغل اعظم کے جانشین نے سرہند میں گھٹنے ٹیک دیئے اور اہل خانقاہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر پھر بلند و پست پر چھا گئے...... اسی زمانہ میں مغرب کے دندان آز کی تیزی کی داستانیں بھی اس برعظیم تک پہنچنے لگ گئی تھیں۔ حکمت و طب کے چور دروازے سے گزر کر کچھ لوگوں نے اس برعظیم کی نفع بخشی کا جائزہ لیا، تو اسی چور دروازے سے تجارت کی راہیں پیدا کی گئیں، تا آنکہ...... ایک وقت ایسا آیا، کہ اہل خانقاہ تاج و تخت سے بیزار ہو کر بالکل الگ ہو گئے۔ اور تاج و تخت بحیرہ فرنگ کی موجوں میں ہچکولے کھانے لگ گیا۔ موجیں اگرچہ تند و تیز نہیں تھیں مگر تخت کی بوسیدگی اور ناخداؤں کی ہوا ناشناسی کی وجہ سے آخر یہ تخت ایسا غرق ہوا کہ اس کا ایک تختہ بھی کہیں ظاہر نہ ہوا۔ سرنگا پٹم کے پاس اس کا ایک کنارہ ذرا سا ظاہر ہوا بھی، تو اسے نظام دکن کی نظر کھا گئی اور

بیک گردش چرخ نیلوفری

نہ نادر بجا ماند نے نادری

3 تخت و تاج سے نمٹنے کے بعد نئے حاکموں نے پہلے تو قانونِ خداوندی کو پورا کیا۔

اِنَّ الْمُلُوکَ اذا دَخَلُوا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَا اَذِلَّۃً ۚ وَکَذَالِکَ یَفْعَلُوْنَ ۚ (النمل : 34)

''بادشاہ جب (فاتحانہ) کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور وہاں کے، غالب لوگوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں، اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔''

پھر جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ اہل خانقاہ جنہوں نے نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مغلِ اعظم کے جانشینوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا ان میں ابھی اتنی جان باقی ہے کہ وہ قوم کو پھر میدان میں لا کھڑا کر سکیں گے...... چنانچہ عیار حکمرانوں نے نظامِ خانقاہی میں سے کچھ لوگوں کو ترغیب کے چکمے دے کر اپنا ہمنوا بنا لیا، اور دوسری طرف وہ کام شروع کر دیا جو فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا...... مگر فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو ''تلخ چھری'' سے ذبح کرتا، اور یہاں قوم کے بچے ''میٹھی چھری'' سے ذبح ہوتے۔ اور میٹھی چھریاں بنانے کا سب سے بڑا کارخانہ اگرچہ علی گڑھ میں تھا مگر اس کی شاخیں ہر شہر اور قصبے میں موجود تھیں۔ جب بغیر بدنامی مول لئے قصاب خانوں اور مسلخوں سے زندہ لاشیں برآمد ہوئیں تو ان پر نوازشات کی بارش شروع ہو گئی، جسے دیکھ کر ہر شخص اپنے بچوں کو خود بخود مسلخوں میں داخل کرانے لگ گیا، اور اس طرح ان حاکموں کا کام آسان ہو گیا...... مگر باوجود اس آسانی کے ان کا دل مطمئن نہ ہوا...... اور خطرہ یہ تھا، کہ اہلِ خانقاہ کا دوسرا حصہ جو ترغیب و ترہیب سے بے نیاز تھا۔ برابر اپنے کام میں مصروف تھا۔ اور ہو سکتا تھا۔ کہ ان زندہ لاشوں کے قلوب میں وہ ایمانی حرارت پیدا کر کے ان حکام کے خلاف انہیں استعمال کر لیں...... اس لئے حاکموں نے تہیہ کر لیا، کہ جس طرح ان لوگوں کی ظاہری کھال قصاب خانوں میں کھینچ لی گئی ہے۔ کسی طرح ان کے قلوب میں سے ایمانی حرارت کا بھی خاتمہ کر دیا جائے، اور یہ اس صورت میں ممکن تھا جب کہ الحاد کی برودت اس طرح ان کے دلوں میں داخل کر دی جائے کہ ایمان کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

چنانچہ پنجاب کے ضلع گورداسپور میں ایک خاص قسم کے کھیت ایک مخصوص قطعہ زمین

پر تیار کئے گئے ، اور وہاں ایک " تجرباتی فارم " بنا کر نئے اصول کے مطابق کاشت کے نئے تجربات کئے گئے ۔ حتیٰ کہ ایک " خود کاشتہ پودا " ایسا نتیجہ خیز ثابت ہوا ۔ جس کے استعمال سے حرارت ایمانی کے لئے قلوب میں کوئی گنجائش باقی نہ رہتی تھی ۔ اب ملک میں ہر طرف اس فارم کی شاخیں کھول دی گئیں ، ۔ اور ہر جگہ یہی پودا کاشت ہونے لگا ۔ جب ملک کے اندر اس کی پیداوار کافی ہوگئی ، اور وہ نفع آور بھی ثابت ہوئی تو یہ مال باہر کی منڈیوں میں بھی بھیجا جانے لگا ۔ عرب ، افریقہ اور یورپ کی منڈیوں میں خصوصیت کے ساتھ یہ " مال " بھیجا جاتا تھا ...... یورپ میں تو صرف نمائش کی خاطر کہ دیکھے ، ہندوستان کا مال کس قدر خوبصورت اور نفع بخش ہے اور عرب و افریقہ کی منڈیوں میں استعمال کی خاطر ، تا کہ وہاں کے لوگوں کے دلوں سے بھی حرارت ایمانی کا خاتمہ کیا جا سکے ۔

4 یہ حالات تھے ، جب غیرت حق کو جوش آیا ، اور اس نے سر زمین پاک و ہند میں عرب کے باقیات الصالحات اور عربی آقا ﷺ (فداہ ابی و امی) کے نام لیواؤں کو ایک شاعر اور ایک خطیب عطاء فرمایا ۔ تا کہ شاعر اپنے سوز اور خطیب اپنے ساز سے ان کے دلوں کو گرما کر پھر ان میں حرارت ایمانی پیدا کر سکیں ۔ خطیب کی جادو بیانی ساتھ نہ ہو تو شاعر کا پیدا کیا ہوا سوز میدان میں کام نہیں دے سکتا ، اور اگر شاعر کا سوز نہ ہو تو خطیب کی جادو بیانی اگرچہ اثر تو کرتی ہے مگر اس کا اثر دیرپا نہیں ہوتا ...... سرد لوہے کو کوٹنے سے آج تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا ، البتہ لوہا گرم ہو تو لوہار کے لئے کام آسان ہو جاتا ہے ...... شاعر کا کام قساوت قلبی کو اشعار کی گرمی سے نرم کرنا ہے ، اس کے بعد خطیب کا کام شروع ہوتا ہے کہ وہ اس سے کام لے ، ...... حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا ۔ " انَّ مِنَ الشّعْرِ لَحِكْمَةً وَانَّ مِنَ الْبَيَان لَسِحْرًا " کچھ اشعار حکمت بھرے ہوتے ہیں ، اور کوئی خطابت جادوگری کا کام کرتی ہے ...... اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے جب اسلامیانِ پاک و ہند کی اصلاح کے لئے نظر عنایت ملتفت فرمائی تو انہیں حکمت و سحر دونوں عطاء فرمائے ، تا کہ پہلے حکمت زمین تیار کرے اور اس کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ : ع

یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

تو خطیب کی ساحرانہ طاقت بروئے کار آ کر قوم سے کام لے ...... آپ کو معلوم ہے

کہ حکمت کے علمبردار ہمارے ہاں حکیم الامت علامہ اقبال رحمہ اللہ تھے۔ جنہوں نے اپنی حکیمانہ شاعری سے الحاد زدہ سنگین قلوب کو موم کی طرح نرم کر دیا، اور جن کی شعلۂ نوائی نے پاک و ہند کی تاریکیوں میں قندیل کا کام دیا ع

تیرے لئے ہے مرا شعلہ نوا قندیل

اور "اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا" کا مصداق پیکر خطابت خطیب الامت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہیں "متَّعَ اللّٰہ المسلمینَ بِطُول بقائه" جن کی جادو بیانی اپنوں بیگانوں سب کے ہاں مسلم ہے۔ اور جو ؂

"لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سربکف"

کا پورا پورا مصداق ہیں۔

5 علامہ اقبال رحمہ اللہ کے حلقہ اثر میں ایسے بہت سے لوگ ہیں، جنہوں نے ان کے پیغام اور ان کی حکمت کی تشریح کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے، کیونکہ یہ کام آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام کا مصداق ہے، ہم خرما و ہم ثواب، اچھا کام بھی کرو اور تصنیف و تالیف کے دام بھی پلے باندھ لو، دام نہ ملے تو شہرت تو کہیں گئی نہیں، مگر بخاری کی خطابت کی تشریح اور ان کے مقاصد کا بیان کچھ آسان کام نہیں ہے، گو ان کے حلقۂ اثر نے جادو بیان خطیب تو پیدا کئے، مگر آج تک انہیں ایک بھی ایسا آدمی نہ مل سکا، جو ان کی ساحری کو صفحات قرطاس پر ثبت کر کے زادِ تاریخ بنا سکتا، جس سے آنے والی نسلیں بھی بہرہ اندوز ہو سکتیں اور یہ اس لئے کہ ایک تو یہ کام آسان نہیں اور دوسرے گٹھلیوں کے دام تو الگ رہے، یہاں تو آموں کے دام وصول ہونے کی بھی اُمید موہوم ہے، اور پیٹ میں روٹی یا بدرجۂ آخر خرما کے دو چار دانے نہ پہنچیں تو نرے ثواب کو کوئی اوپر اوڑھے یا نیچے بچھائے؟ اور یہی وجہ ہے کہ آج تک بخاری پر کچھ نہیں لکھا گیا، ورنہ ان کے محاسن برعظیم پاک و ہند کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے کم نہیں۔

حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی شخصیت سے اہل علم ناواقف نہیں ہیں، آج سے چار سو سال پہلے تک ان کے مرتبہ کا کوئی عالم نہیں، اور نہ شاید آج سے چار سو سال بعد تک کوئی پیدا ہو۔ انہوں نے خود علامہ اقبال

رحمہ اللہ اور دوسرے اکابر کے سامنے لاہور میں آپ کو "امیر شریعت" نامزد فرمایا، اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سب کو آپ کی متابعت کا حکم دیا۔ کیا یہ کچھ کم فضیلت ہے،؟

مولانا محمد علی جوہرؒ کی شخصیت سے ارض پاک و ہند کا بچہ بچہ واقف ہے۔ ان کی خطابت و قیادت دونوں مسلم الثبوت ہیں، مگر انہوں نے لاہور میں ایک موقع پر شاید دفتر "زمیندار" میں سب کے سامنے شاہ صاحب کے متعلق فرمایا کہ۔ "اس ظالم سے نہ پہلے تقریر کی جا سکتی ہے اور نہ بعد میں، اس کے بعد تقریر کرنے والے کا اثر جمتا نہیں، اور اس سے پہلے جو تقریر کرے، اس کے اثر کو یہ آ کر مٹا دیتا ہے۔"

مذہب و سیاست کی دو بڑی شخصیتوں کی رائے کے بعد کسی تیسرے آدمی کی رائے لکھنے کی یہاں نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت، بلکہ میرے نزدیک تو ان آراء کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب!

سورج جب نکل آئے تو لوگوں سے کبھی یہ نہیں کہا جاتا کہ لو جی وہ سورج نکل آیا ہے، بلکہ ہر شخص اُسے خود بخود دیکھ لیتا ہے، اور کسی شخص کو اس کے وجود سے انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی، اور تو اور نابینا لوگ بھی اگرچہ دیکھ نہیں سکتے مگر اس کی حرارت محسوس کر کے اس کے وجود سے منکر نہیں ہوتے...... صرف ایک روائتی جانور (اگر اسے جانور کہنا صحیح ہے) یا پرند (اگر اسے پرند کہنا صحیح ہے) کے متعلق مشہور ہے کہ وہ سورج کو دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ اگرچہ اس کی سزا میں سارا دن الٹا لٹکے رہنے کو بادلِ ناخواستہ قبول کئے رکھتا ہے...... مگر ایسے شپرہ چشموں کا کوئی علاج بھی تو نہیں ۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم

چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

"ابن الوقت" کا لفظ آپ نے سنا ہوگا، محاورۃً اردو میں ابن الوقت اس شخص کو کہا جاتا ہے جو " دارِ مَعَ الدَّھْرِ کَیْفَ مَادَارَ " پر عمل پیرا ہو، اس کو ہر دیگ کا چمچہ اور ہر تھالی کا بینگن بھی کہتے ہیں، جو آپ کے ہاں آئے تو آپ کی ہاں میں ہاں ملائے، اور آپ کے دشمنوں کے ہاں جائے تو ان کی ہاں میں ہاں ملائے ابن الوقت کی ضد ایک اور لفظ ہے "ابوالوقت" جو بالکل

اس کے خلاف معنی دیتا ہے ، ابوالوقت اس شخص کو کہا جاتا ہے جو صاف صاف اپنی رائے رکھتا ہو، اور دوسروں کی ہاں میں ہاں کبھی نہ ملائے۔

ابوالوقت کے معنی ہیں" وقت پہ چھایا ہوا۔" ابن الوقت ، وقت اور ہوا کا رُخ دیکھتا ہے، مگر ابوالوقت ، وقت اور ہوا کو اپنے تابع بنالیتا ہے۔۔ ابن الوقت پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتا رہتا ہے، مگر ابوالوقت ، جدھر چاہے پانی کا رُخ موڑ دیتا ہے، گو یہ اصطلاح عام نہیں ، مگر اہل علم کے ہاں غیر معروف بھی نہیں ...... ہر زمانے میں ہر علم وفن میں صرف ایک ابوالوقت ہوتا ہے، اور باقی سب اس کے تابع و نقال ہوتے ہیں۔ گویا ہر زمانے میں ابوالوقت تو ایک ہوتا ہے، مگر ابن الوقت سینکڑوں ہزاروں ہو سکتے ہیں۔

زمانہ حال میں شاعری کے ابوالوقت علامہ اقبال مرحوم تھے ، اور خطابت کے ابوالوقت حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ ہیں ...... جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ آج ہر شاعر اپنے الفاظ میں وہ ترکیبیں اور وہ بندشیں لاتا ہے، جو علامہ اقبال لایا کرتے تھے، بلکہ مضامین بھی تقریباً وہی لائے جاتے ہیں، اور کوشش یہ کی جاتی ہے کہ لوگ ان کے اور علامہ کے کلام میں تمیز نہ کر سکیں ، اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ علامہ کے کلام کی طرح اُن کا کلام بھی بلند پایہ اور مقبول عام ہو جائے ...... اسی طرح ، آج ہر واعظ اور خطیب کوشش کرتا ہے کہ وہ بخاری کی طرح قرآن پڑھے ، بخاری کی طرح وجد آور الفاظ اور سحر آفرین ترکیبیں استعمال کرے، بخاری کی طرح ترنم کے ساتھ (اگر میسر ہو، ورنہ بغیر ترنم ہی سہی اور اگر غلط فہمی غالب ہو تو بد آوازی کے ساتھ بھی) اساتذہ کے چیدہ چیدہ اشعار سنائے ، بخاری کی طرح تاریخی واقعات سے استناد کرے ، بخاری کی طرح شواہد کو واقعات پر چسپاں کرے ، بخاری کی طرح قرآنی آیات والفاظ کے نئے نئے نکات بیان کرے، بخاری کی طرح مجمع کو کبھی کبھی مزاح لطیف کے چھینٹوں سے جگائے اور کبھی ترنم کی لوریوں سے سُلائے ، غرض آج ہر خطیب اور ہر واعظ پر بخاری کا اثر ہے اور ابوالوقت ، اور تو اور اُن لوگوں پر بھی چھایا ہوا ہے جنہیں علمی فضیلت و کمال کی بناء پر وہ اپنے اساتذہ کے برابر درجہ دیتا ہے، ہم نے ایک دو نہیں ، ایسے کئی ایک بزرگ دیکھے ہیں ، جن کا ترنم واجبی ہے، مگر بخاری بننے کے شوق میں سارے کا سارا وعظ مترغانہ انداز میں

فرما رہے ہیں حالانکہ بخاریؒ کا کمال صرف بخاری کے ترنم میں نہیں، بلکہ ان کے انداز خطابت میں ہے۔ بغیر قرآن وحدیث پڑھے اور بغیر ایک شعر سنائے بھی بخاری سے کامیاب تقریر سنی جا سکتی ہے۔ مگر ابنائے وقت (گو خواہ عملی طور پر وہ آبائے علم ہی کیوں نہ ہوں) یہ بات سمجھانا تو بے سُود ہے کہ وہ بخاری کی تقلید نہ کریں، کیونکہ ابنائے وقت کا تو کام ہی تقلید ہے۔

6 بخاری نہ ہوتے تو زمانہ حال کے اسی فیصدی بہترین خطیبوں کو فن تقریر سے منفی کیا جا سکتا تھا۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کی زبانوں پر الفاظ بخاری کے ہیں، اشعار بخاری کے انتخاب کردہ ہیں اور آیات واحادیث تک بخاریؒ کی دی ہوئی ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہیں لفظاً لفظاً بخاری کی تقریریں ازبر ہیں، اور اپنے اپنے مقام پر وہ ایسی زناٹے کی تقریر کر سکتے ہیں کہ اگر آپ بخاری کو نہ جانتے ہوں یا ان کی تقریر نہ سنی ہو تو براہِ راست ان کی خطابت پر ایمان لے آئیں، ان میں کچھ وہ ہیں جنہیں آپ نقل مطابق اصل کہنے سے بھی باک نہیں کریں گے۔ اور کچھ ایسے ہیں جنہیں بخاری کا پاکٹ ایڈیشن کہا جا سکتا ہے، ان کے علاوہ بہت سے ایسے بھی ہیں، جن کی نقل راہم عقل باید تک بھی رسائی نہیں۔ شعر صحیح نہیں پڑھ سکتے، مگر بخاری بننے کے شوق میں غلط شعر ہی جھوم جھوم کر سنائے جا رہے ہیں، یہ لوگ اپنی جگہ پر اور سب کچھ ہو سکتے تھے۔ لیکن اگر بخاری نہ ہوتے، تو یہ واعظ یا خطیب ہرگز نہ ہو سکتے، اور یہ نہ سمجھئے کہ یہ بخاری کے حافظ (یعنی بخاری کی تقریروں کے حافظ) سب بخاری کے ہمنوا یا ہم سفر ہیں، ان میں کی اکثریت بخاری کے مخالف ہے۔ بخاری کے الفاظ، بخاری کے انداز، اور بخاری کے منتخب اشعار، بخاری کے خلاف استعمال کرنا یہ لوگ اپنے لئے قابل فخر سمجھتے ہیں۔ اپنے حلقۂ اثر میں اپنے اندازِ فکر کے مطابق وہ گویا بخاری کا جواب بننے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن حق بات یہ ہے، کہ بخاری نہ ہوتے تو اُن کا وجود بھی موہوم ہوتا، آج جس طرح ہر بڑے شاعر کو داعیہ لاحق ہے کہ وہ کسی طرح علامہ اقبال سے بڑھا ہوا مانا جائے، اور اس کے کام کے لئے ترکیبیں مضامین اور اندازِ بیان وہ اقبال ہی کا استعمال کرتا ہے، اسی طرح ہر خطیب بخاری کو پڑھ کر (یعنی اس کی تقریریں سن کر اس کا اندازِ بیان چرا کر) بخاری سے بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہے، نفسیات کا کوئی ماہر اگر ایسے شاعروں اور خطیبوں کے دل ٹٹولے تو یقیناً وہ کچھ ایسی دبی

بی خواہشات کو ان کے دلوں سے نکال لائے گا۔ جن میں شاعر انقلاب شاعر اسلام، خطیب اسلام اور خطیب الامت بننے کا شوق پنہاں ہو...... اقبال اور بخاری کی بڑائی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟

7 سخن گوئی مشکل ہو یا نہ ہو، سخن فہمی انتہائی مشکل کام ہے، آج برعظیم پاک و ہند کے کھنڈرات میں گھوم جایئے، آپ کو ہر پرانی اینٹ کے نیچے سے ایک شاعر اور ہر گلے سڑے روڑے کے پاس سے ایک مضمون نگار ضرور مل جائے گا، جو اپنے دعاوی کے لحاظ سے غالب کا جواب اور علامہ اقبال کو اصلاح دینے والوں میں سے ایک ہوگا۔ مگر ان میں ایک فیصدی تو کیا ایک فی ہزار بھی مشکل سے کوئی سخن فہم ہوگا، بقول سالک جو لوگ مسلسل دو سطریں اردو کی صحیح نہیں لکھ سکتے، آج وہ سلطان القلم کہلاتے ہیں تو ۔

تا بہ دیگراں چہ رسد

مگر اس قدر قحط الرجال کے زمانے میں بھی آپ جب بخاری سے ملیں گے تو پہلی ملاقات آپ کو یقین دلا دے گی کہ:۔

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

اُن کی سخن فہمی اور سخن شناسی اس حد تک مسلم ہے، کہ مولانا ظفر علی خان، مولانا ابوالکلام آزاد، اور حضرت پطرس وغیرہ بھی اس کا صرف اعتراف ہی نہیں کرتے، بلکہ یہ لوگ آپ کی سخن فہمی اور بذلہ سنجی کے قدر دانوں میں سے شمار ہوتے ہیں، اور جب بھی موقع میسر ہوتا، یا تو یہ لوگ بخاری کی محفل تک پہنچنے کی کوشش کرتے یا بخاری کو اپنے پاس لے جاتے، اور پھر وہ محفل جمتی، جس کی نظیر شاید سلف و خلف میں کہیں نہ مل سکے مگر...... ع

یہ باتیں ہیں تب کی جب آتش جواں تھا

بخاری کی محفل اگر چہ اب بھی جمتی ہے، اور وہ تو سدا بہار پھول ہے، کہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے کھلا ہی رہتا ہے، مگر اس کی محفل کی خوشہ چینی کرنے والے اب یا تو میرے جیسے کم سواد طالب علم رہ گئے ہیں۔ یا عوام کالانعام کا وہ گروہ ہے، جو اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے ہر وقت شاہ صاحب کے گرد جمع رہتا ہے...... گردو گرما گدا و گورستان، کی سرزمین میں لاہور،

امرتسر اور دہلی کی شادابیاں کہاں سے پیدا ہو جائیں ؎

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

اور آج بخاری کی شکل میں ؎

داغِ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی

اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

8﴾ ہم جملہ عقیدت مندوں کی طرح، مدت العمر، شاہ صاحب کو ایک بے مثال خطیب اور ایک بے نظیر سخن فہم بزرگ سمجھتے رہے، مگر ایک دن بیٹھے بٹھائے دفعۃً ہمیں معلوم ہوا کہ شاہ صاحب شاعر بھی ہیں، اور ندیم تخلص فرماتے ہیں۔ سچ جانئے کہ آسمان پھٹ پڑتا اور ہم اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو زمین پر گرتا ہوا دیکھ لیتے تو ہم کو اتنا تعجب نہ ہوتا، جتنا یہ سن کر تعجب ہوا، کہ شاہ صاحب شاعری بھی فرماتے ہیں، یہ تعجب اس بناء پر نہیں تھا کہ شعر و سخن کوئی عالم بالا کی چیز تھی اور وہاں تک شاہ صاحب کی رسائی نہیں تھی، بلکہ یہ استعجاب ع

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

کی اقسام میں سے تھا۔ یہ تو ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سخن گوئی سے سخن فہمی زیادہ مشکل ہے اور شاہ صاحب سخن فہموں کے بھی سردار ہیں تو سخن سنجی ان کے مرتبہ سے فروتر بات ہے، مگر اس فروتر بات میں بھی اس قدر پختگی، بلندی اور چستی ہوگی، اس کا ہمیں گمان تک بھی نہیں تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے شعر گوئی کی طرف عمداً اور ارادۃً توجہ نہیں فرمائی، اور جس طرح ہمیں دفعۃً معلوم ہوا کہ وہ شاعر ہیں، خود انہیں بھی اچانک واردات کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ سخن فہمی کے ساتھ سخن گوئی کے جراثیم بھی ان کے اندر پائے جاتے ہیں، مگر شکر کیجئے کہ بحیثیت فن انہوں نے اس کو اختیار نہیں فرمایا، ورنہ بڑے بڑوں کے نام اُن کی سخنوری کے سامنے "چھوٹو رام" ہو کے رہ جاتے ۔ان کی زندگی بازیگاہِ سیاست میں جس نہج پر گزری اس کے متعلق کبھی میں نے کہا تھا ؎

صبحدم ریل میں گذرتی ہے

شب کسی جیل میں گذرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے

اب تو اس کھیل میں گذرتی ہے

اور اسے تفنن نہ خیال فرمائیے بلکہ یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی خداداد نعمت خطابت کے تشکر میں کراچی سے کلکتہ اور گلگت سے بمبئی تک سارے برعظیم پاک و ہند میں گاؤں گاؤں، شہر شہر، اور کونے کونے کا سفر کر ڈالا، اور ہر جگہ لوگوں کو آزادیٔ وطن خواہی اور مغربیت سے ایمان و اسلام کو بچا لینے کا درس دیا۔ یہ کام اس قدر وسیع تھا۔ کہ انہیں اس کے سوا کسی دوسری طرف توجہ فرمائی کا موقع نہ مل سکا۔

9 پھر تعجب بالائے تعجب اس وقت ہوا، جب یہ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے فاضل صاحبزادے حضرت ابوذر بخاریؒ نے موتیوں کے ان بکھرے ہوئے دانوں کو بڑے سلیقہ سے ایک سلک میں پرو کر بازارِ کساد و فساد میں پیش کرنے کا ارادہ فرمالیا ہے، اور پھر اس مشک نافہ کے لئے عطار کے فرائض مجھ ہیچ مدان و ہیچ میرز کو ادا کرنے ہوں گے۔ اب کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟

پہلے تو یہ خیال آیا تعارف میں صرف سعدی کے یہ الفاظ لکھ دوں۔ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔" مگر پھر خیال ہوا کہ عطاروں کے بازار میں تو یہ بات کہتے ہوئے کوئی حرج نہیں، اور جس بازار میں حضرت ابوذر اپنا یہ گنجینۂ زر پیش کرنے والے ہیں، وہاں

شناسا نہیں کوئی بھی اس ہنر کا

پھر اس کے ساتھ خطرہ یہ بھی ہے، کہ کچھ کہنے والے کا بھرم بھی کھلتا ہے، شاہ صاحب فرمائیں گے:

شعرِ مرا بمدرسہ کہ بُرد؟ اور اہل نظر کہیں گے: سخن فہمی عالم بالا معلوم شد! بہت سوچا، اصطلاحات کا سہارا لینے کو جی چاہا اور معاً غالب کا شعر دماغ میں گھومنے لگا:

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر [1]

1۔ سواطع الالہام ص 74

دل کو ایک گونہ تسلی ہوئی اور شاہ صاحب کے کلام کو دیکھنے بیٹھ گیا، کہ اب بادہ و ساغر کی اوٹ میں بہت کچھ لکھ لوں گا، ورق اُلٹا نظر ڈالی تو سب سے پہلے شاہ صاحب کے اس شعر پر جا پڑی ۔

گر ہو دواءِ عشق کی تلخی ، نصیب عقل
بنتی ہے پھر تو بادہ و ساغر کہے بغیر [1]

پڑھتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا، اصطلاحات کا سہارا" ھباءً منثوراً "ہو گیا، اور ضمیر نے کہا: اب کہو۔ اور میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ غالب کے بعد غالب کی زمینوں میں پہلے تو بہت کم لکھا گیا اور تھوڑا بہت جو لکھا گیا وہ عموماً کامیاب نہیں رہا" جواب آں غزل" کا دور غالب کے ساتھ ہی ختم ہو گیا، ۔

ایں جواب آں غزل غالب کہ صائب گفتہ است

لیکن اگر شاہ صاحب اس شعر کے جواب کی بجائے، جواب آں غزل، لکھ ڈالتے تو کیا کامیاب نہ ہوتے؟

10 دوسرے صفحے پر نگاہ پڑی تو فارسی کی ایک نعت سامنے آ گئی، جس کا مطلع ہے۔

ہزار صبح بہار از نگاہ مے چکدش
جنوں زپیچش زلفِ سیاہ مے چکدش [1]

مطلع پڑھتے ہی ایک بہت پرانا واقعہ ذہن پر چھا گیا، اور دل نے گواہی دی کہ یقیناً یہ نعت اس واقعہ کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک بار میں نے شاہ صاحب کی ایک تقریر سنی، یوں تو ہر تقریر خطابت کا شاہکار ہوتی ہے، مگر اس تقریر کا رنگ ہی کچھ اور تھا، تقریر تقریباً ساری رات جاری رہی، مگر ہزاروں کے مجمع میں سے ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا، جسے کوئی داعیہ تقریر میں سے اُٹھا کے لے گیا ہو، شاہ صاحب کا چہرہ جلال و جمال کا مرقع بنا ہوا، بجلی کی روشنی میں آفتاب کی طرح چمک رہا

---

1 ایضاً ص 77

تھا، مجھے اس موقع پر پرانے کسی استاد کی رباعی یاد آ گئی ۔

از سخن شہد ناب مے چکدش
وز تبسم گلاب مے چکدش
مے تواں گفت کز حرارت مے
از جبیں آفتاب مے چکدش

میں نے ایک لفظ کی تبدیلی سے اسے شاہ صاحب پر چسپاں کر دیا:

از سخن شہد ناب مے چکدش
وز تبسم گلاب مے چکدش
مے تواں گفت کز حرارت وعظ
از جبیں آفتاب مے چکدش

اور پاس بیٹھے ہوئے ایک دوست کو سنادی، وہ تڑپ اٹھا، بار بار رباعی کے مصرعے دہراتا، اور شاہ صاحب کو دیکھتا بعد میں یہ یاد نہیں کہ میں نے رباعی خود یا اس دوست نے شاہ صاحب کو سنائی، اگرچہ آپ نے ہماری اصلاح تو قبول نہ فرمائی۔ مگر رباعی کو بہت پسند فرمایا، لکھ لی، اپنی عادت کے مطابق جھوم جھوم کر کئی بار سنائی ہمارے لئے سب سے بڑی خوشی اس بات کی تھی، کہ لو جی! ایک چیز تو ہم بھی ایسی نکال لائے جو اب تک شاہ صاحب کے ذخیرہ انتخاب میں نہیں تھی ،ورنہ عموماً یہ ہوا، کہ ان کی محفل میں کوئی شعر پیش کرو تو اس کے ساتھ کے دو تین شعر اور سنا ڈالتے ہیں ،اور دل نے ابتہاجاً یہ کہا کہ اس رباعی کے ساتھ ساتھ اب تمہارا نام بھی شاہ صاحب کے دل میں محفوظ ہو گیا، اتنے سے تقرب پر بھی اس قدر نشہ چھا گیا کہ بس کچھ نہ پوچھئے۔ ع

بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

مگر یہ بات ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اس رباعی کا کچھ جواب بھی ہو سکتا ہے، اور وہ بھی اتنا عمدہ اور بلند پایہ کسی بڑے سے بڑے سخن فہم کے سامنے یہ نعت پڑھ جایئے اور پوچھئے کہ یہ کس کا کلام ہو سکتا ہے تو جواب یہی ملے گا کہ کسی پرانے استاد کا کلام ہے، سبحان

اللہ! دیکھئے تو سہی!

چمن چمن گل ونسریں زعکسِ رخ ریزد

سبد سبد گل خنداں زراہِ مے چکدش

خندۂ نمکیں اور چشم سیاہ کی فتنہ انگیزیاں ملاحظہ ہوں، الحفیظ والامان!

چہ شور ہاست بجانم زخندۂ نمکیں

چہ فتنہ ہا کہ زچشم سیاہ مے چکدش [1]

صفاتِ حق کی جلوہ نمائی کا بیان آپ نے بہت پڑھا ہوگا، مگر ذات وصفات کے شاہد اور گواہ آپ نے بہت کم دیکھے ہوں گے۔

چہ گفتگو چہ تبسم شہادتے بحدوث

زنورِ چہرہ قدم را گواہ مے چکدش [2]

اس نعت کے ساتھ ساتھ یہ نعت بھی ملاحظہ فرمائیے، اور ہو سکے تو سخن فہموں کے ہاں اسے جامی علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کر کے سنا دیجئے، انشاء اللہ ان میں سے کوئی ایک بھی آپ سے یہ نہیں کہے گا کہ یہ نعت جامی کی نہیں ہو سکتی!

لولاک ذرّہ زجہانِ محمد ﷺ است

سبحان من یراہ چہ شانِ محمد ﷺ است

سیپارۂ کلامِ الٰہی خدا گواہ

آں ہم عبارتے ززبانِ محمد ﷺ است

نازد بنام پاک محمد ﷺ کلام پاک

نازم بآں کلام کہ جانِ محمد ﷺ است

1. سواطع الالہام ص 78
2. ایضاً ص 78

توحید را کہ نقطۂ پرکارِ دین ماست
دانی؟ کہ نکتۂ زبیان محمد ﷺ است [1]

دہی جامی کا سوز و گداز وہی بیان کی پختگی و شستگی، وہی انداز و طرزِ بیان، کون سی چیز ایسی ہے جو جامی کے ہاں ہو، اور یہاں نہ ہو؟...... وحدت الوجوہ کا بیان شاہ صاحب کی زبانی سنئے۔

وحدت بوجدو حالتِ کثرت در آمدہ
حرکت بجلوہ، جلوہ بحرکت در آمدہ
موسیٰ و طور و وادیٔ ایمن، حراء، حرم
ہر جا کہ دیدۂ ایست، بحیرت درآمدہ [2]

یہ وہ جاہلانہ وحدت الوجود نہیں، جہاں عیسائیوں کی طرح ''تین'' کی بجائے ''دو میں ایک اور ایک میں دو'' یا ''ایک میں سب اور سب میں ایک'' کہا جاتا ہے۔
بلکہ یہ وہ عالمانہ وحدت الوجود ہے، نہ جس کے سمجھنے میں دِقت پیش آئے نہ جسے ماننے میں کوئی امر مانع ہو، وحدت کو وجد آیا تو اس نے اپنی صفات کے مظاہر کو پھیلا دیا، ذات نے صفات کی جلوہ نمائی کی، اور جلوۂ ذات متحرک ہوا، دیدۂ بینا جہاں جہاں تھی وہ حیران رہ گئی، اُردو میں وحدت الوجود کا مسئلہ آپ نے صرف ایک شعر میں بیان فرمایا ہے، زبان و بیان دیکھئے کہ کس قدر صاف اور تعبیر کتنی دلکش ہے!

ذرّوں سے تابہ مہر، ستاروں سے تا چمن
عکسِ جمالِ یار کی تابندگی ہے دوست [3]

شاہ صاحبؒ کی چار پسندیدہ چیزیں ملاحظہ ہوں:

---

1. ایضاً ص 72
2. سواطع الالہام ص 108
3. ایضاً ص 57

بخت اگر رسا شود، دست دہد سُبوئے خویش
از نگہ سمن برے لالہ رخے نکوئے خویش
باغ و بہارِ ما ندیم یعنے کہ جنت النعیم
روئے خوش است و خوئے خوش
بوئے خوش و گلوئے خوش 1

دونوں رُخ کس قدر صحیح اور درست ہیں، غنیمت نے جغرافیائی اور عمرانی رُخ کا جائزہ لیا ہے اور شاہ صاحب نے پنجاب کے اس زمانے کا سیاسی رُخ دکھایا ہے، جب انگریز یہاں قابض و حاکم تھا، دونوں نظمیں عنقریب تاریخ کا باب بننے والی ہیں، اور مستقبل کا مؤرخ بتلائے گا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر کس قدر صحیح منظر کشی کرتی ہیں۔

11 چند نظمیں اردو میں اکبر کے رنگ کی بھی موجود ہیں، جن میں مزاح اور تفنن ہے، اور انہیں پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے، کہ اگر شاہ صاحب خارزار سیاست سے دامنِ نہ الجھا لیتے تو موجودہ وقت میں اکبر کے صحیح جانشین ہوتے، اور جب اتنا اور اس میں اضافہ ہو جائے کہ ان کی اکثر نظمیں فی البدیہ کہی ہوئی ہیں تو اور بھی ان کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ یہ یاد رہے کہ غالب کی طرح شاہ صاحب بھی یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔

کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

نہ یہ اشعار اس بنا پر انہوں نے لکھے ہیں کہ واقعی وہ شعر لکھ رہے ہیں اور نہ فن کو انہوں نے کبھی اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ ان کی حیثیت محض تبرکات اور تاریخ کے گم ہو جانے والے اوراق کے لئے صرف ''یادداشت'' کی ہے اور بس!

12 خداداد خطابت میں جو کام شاہ صاحب عمر بھر کرتے رہے، اس کا خلاصہ دو باتوں میں پیش کیا جا سکتا ہے:

1 حضور خواجۂ دوسرا "بأبائنا هُوَ وَأُمَّهَاتِنَا" کی مدح وثناء۔

---

1 ایضاً ص 57

2 ﷺ اور حضور کے دشمنوں سے دائمی نہ ختم ہونے والا جھگڑا۔ شاہ صاحب کی شاعری کا سرمایہ بھی یہی دو باتیں ہیں۔ اور یہ آفتاب کو چراغ دکھانے کا سلسلہ میں آپ کے چند نعتیہ نشتروں کو پیش کر کے ختم کرنا چاہتا ہوں، تاکہ آپ براہِ راست نورِ آفتاب سے مستنیر ہو سکیں، چراغ تلے تو آپ کو معلوم ہے ہمیشہ اندھیرا ہی ہوتا ہے اور دیر تک اندھیرے میں بھٹکنا بھی کچھ بھلے لوگوں کا کام نہیں۔

نعت کا مطلع ملاحظہ فرمائیں:

چہ جلوہ ایست کہ آسودہ دربرِ خاک است
کہ ذرّہ ذرّہ طرب ریزوبس طربناک است [1]

دوسرے مطلع کی بلندی دیکھئے۔

بیا کہ باتو سخن ہار خرف لولاک است
بیا کہ باتو حکایت زقدرِ افلاک است [2]

نعت گو شاعروں کے ہاں حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کا بیان عام ہے اور ہر شخص حضور ﷺ کی مدح و ثناء میں اس کا ذکر کرتا ہے، مگر کسی نے آج تک اس کی یوں تجزی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے ماخلقت الارض نہیں فرمایا۔ بلکہ ماخلقت الافلاک فرمایا ہے اور اس میں کیا نکتہ ہے؟ اگر یہ تجزی پہلے معہود ہوتی تو یہ مطلع تھا، مگر چونکہ یہ کام پہلے پہل آپ نے کیا ہے اس لئے دوسرے مطلع سے پہلے ایک شعر میں اس طرح متوجہ فرماتے ہیں کہ:

نگفت خالق مطلق کہ ماخلقت الارض
مقام فکر و تامل، حدیث لولاک است

اس شعر کے بعد ذرا پھر شاہ صاحبؒ کا مطلع ثانی پڑھ کر دیکھئے، تاکہ آپ "قدر افلاک" کی قدر پہچان سکیں۔ بیشک افلاک کی قدر بہت بڑی ہے۔ مگر اب زمین کی قدر کی

1۔ سواطع الالہام ص 141

2۔ سواطع الالہام ص 142

افزائش بھی قابل غور ہے۔

مقام و منزل قرآن و انبیاء گردید
بہ مشت خاک بنازم چہ رتبہ خاک است

سبحان اللہ۔

زمین کو اس ترقی پر فلک سے داد ملتی ہے
فلک کیا عرش باری سے مبارکباد ملتی ہے

طالوت

22/ 4/ 74ھ 19/ 12/ 54ء یوم یکشنبہ ملتان

غنیمت کنجاہی نے اپنی مثنوی میں پنجاب کی تصویر کشی کی ہے، اور شاہ صاحبؒ نے اس تصویر کا دوسرا رُخ اسی زمین میں پیش کیا، دونوں ساتھ ساتھ ملاحظہ ہوں:

غنیمت

ندیدم کشورے غارت گر تاب
بہ خوبی ہائے حسن آباد پنجاب
چہ پنجاب انتخاب ہفت کشور
قسم خوردہ بخاکش آب کوثر
فضائے نشۂ ہستی ہوائش
زمینے کا سمانہا خاک پائش
بنائے کعبۂ دلہا زخاکش
عروج نشۂ معنی زتاکش
عبارش آب ورنگ چہرۂ گل
گیاہش دلربائے زلف سنبل
بہرجا سبزہ از خاکش دمیدہ
رخ خوباں بہ پشتش خط کشیدہ
زالاش بادہ ساز مستی عشق
نسیمش روح بخش ہستی عشق
گلش برخاک ہرجا سایہ انداخت
زمیں از آتشش یاقوت بگداخت
بہ خاکش سایۂ پرہائے بلبل
جواب یک چمن خندیدن گل
شفق سرمایۂ چشم از دیدن گل
چمن ساماں نگہ از چیدن گل
زشوق آں کہ تا آید بہ پنجاب
دل کشمیر صد رہ میشود آب
فلک آہنگ سے در ہنگام سرما
درین گلشن بود گرم تماشا

شاہ صاحبؒ

ندیدیم کشورے مردود و مرتاب
بشومیہائے کفر آباد پنجاب
چہ ملکے ننگ و عار ہفت کشور
زشرق و غرب بادش خاک بر سر
خمیر طینتش مردم نشیبا
ز ، قتل مسلمش باشد خوشیبا
چہ پیرانش مریدان فرنگی
لقب کافور و ذات پاک زنگی
زنواب و رئیسانش چہ پرسی
سگ و سگ زادگان کرسی بہ کرسی
چناں فرزند ناہموار زاید
کہ از خر قیمتش برتر نیاید
چکد از نالہ اش خون مسلماں
ازو نالاں حجاز و مصر و ایران
جوانانش غلامان فرنگی
پناہ شان بہ امان فرنگی
چہ پنجاب آں فرنگی را معسکر
معسکر را غلام احمد پیمبر
ضلالت را پیمبر ہست پنجاب
فرنگی را معسکر ہست پنجاب
فضایش کفر ریز و کفر بیز است
بآئین الٰہی در ستیز است
زمین فتنہ زائے فتنہ خیزے
کہ شیطان پیش پائش سجدہ ریزے [1]

1۔ سواطع الالہام ص 88 تا ص 90

مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
سوانح و افکار

ترتیب و تبویب: مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی

☆ ایک ایسے داعی الی اللہ کی سوانح جس کا ثانی تلاش کرنا مشکل ہے۔

☆ ایک ایسے مبلغ کے سوانح و خطبات جس کی مردانہ ہمت سے دنیا کے گوشے گوشے میں دینی دعوت کا پیغام پہنچا۔

☆ ایک ایسے عالم ربانی کے حالات زندگی جو سرتاپا عمل تھا۔

☆ ایسا روحانی پیشوا جو ہر دم میدان میں سرگرم عمل رہا۔

☆ ایسا انسان جو چودھویں صدی میں قرن اوّل کے اسلام کا نمونہ تھا۔

☆ ایسا اُمتی جس نے دنیا کو سنت محمدی ﷺ کی زندہ جھلکیاں دکھلائیں۔

☆ ایک ایسا معلم جس نے لاکھوں انسانوں کو علم دین سکھلایا کی سوانح حیات و خطبات کا مجموعہ جو پہلی دفعہ یکجا منظر عام پر

☆ چار رنگہ ☆ خوبصورت ٹائیٹل ☆ عمدہ کمپوزنگ

☆ مضبوط جلد ☆ صفحات 356

بہت جلد منظر عام پر آ رہی ہے

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

سوانح و افکار

ترتیب و تبویب: مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی

☆ ایک ایسے شخص کے سوانح و خطبات جس نے چودہ سال تک حرم نبویؐ میں درس دیا۔

☆ جس کی ایک للکار سے کفر لرزہ براندام ہو جاتا تھا۔

☆ جس نے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے اخلاق و کردار کی یادیں تازہ کر دیں۔

☆ جس نے اشخاص و آزادی وطن کے لئے سالہا سال جیل میں گزارے جو حوصلہ و عزم کا کوہ گراں تھا۔

☆ جو پتھر کھا کر دعائیں دیتا رہا۔

☆ جس کے سلام پر گنبد خضراء سے "و علیکم السلام یا ابنی" کا جواب آیا۔

☆ جسے شیخ العرب والعجم کا لقب دیا گیا۔

☆ جو سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ننگ اسلاف لکھتا رہا۔

☆ اس عظیم شخصیت کی سوانح و خدمات پر ایک شاندار مجموعہ

☆ چار رنگہ ☆ خوبصورت ٹائیٹل

☆ عمدہ کمپوزنگ ☆ مضبوط جلد

بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے